

# الفاروق

سوانح عمری اور کارنامے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی

دارالاشاعت اردو بکازار کراچی  
فون ۲۱۳۶۹۸

طبع آؤل دارالاشاعت ۱۹۹۱ء  
طباعت شکیل پرنٹنگ پریس کراچی

ملنے کے پتے

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۷۱  
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۲  
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی ۱۳  
ادارۃ اسلامیات ۱۹ انارکلی لاہور  
ادارۃ القرآن ۴۳۷/۵ گارڈن سٹریٹ کراچی



صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
	صحت کے مراتب	۲۲	تسمیہ
	تاریخ کا طرز	۲۲	تاریخ کا عنصر ہر قوم میں موجود ہوتا ہے
	تاریخ اور انشاپردازی کا فرق	۲۳	عرب کی خصوصیت
	یورپ کی بے اعتدالی سے اعتدال	۲۳	عرب میں تاریخ کی ابتداء
۲۶	ترتیب کے متعلق چند امور قابل لحاظ	۲۴	سیرت نبوی میں سب سے پہلی تصنیف
	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام و نسب	۲۵	قدیم تاریخیں
۲۸	کن رشد و تربیت	۲۵	قدما کی جو تصنیفات آج موجود ہیں
	حضرت عمرؓ کے جد امجد اور ان کو بنو مرثبہ	۲۷	مناخرین کا دور
۲۹	حاصل تھا	۲۷	مناخرین نے قدما کی خصوصیتیں چھوڑیں
۳۰	حضرت عمرؓ کے برادر عم زاذلیہ	۲۸	تاریخ کی تعریف
۳۱	حضرت عمرؓ کے والد خطاب	۲۹	تاریخ کے لئے کیا چیزیں لازم ہیں؟
۳۲	حضرت عمرؓ کی ولادت	۳۰	قدیم تاریخوں کے نقص اور اس کے اسباب
۳۳	کن رشد	۳۱	واقعات کی صحت کا معیار
۳۴	نسب دانی کی تعلیم	۳۱	روایت
۳۵	فن پہلوئی کی تعلیم	۳۲	درایت
۳۶	شہسواری کی تعلیم اور مقرر ہونا	۳۲	القاروق میں قدیم تاریخوں کی کیس طرح پوری کی گئی
۳۷	گھسنے کی تعلیم	۳۲	روایت کے اصول جن سے القاروق میں کام لیا گیا
۳۸	فکر معاش	۳۳	اصول روایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے
۳۹	تجارت کے لئے سفر	۳۳	اصول روایت کے موجب واقعات کی



صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۶۰	واقعہ حدیبیہ سن ۶ ہجری (۶۳۸ء)	۴۵	قبول اسلام ہجرت
۶۲	حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا	۴۷	حضرت عمرؓ کی ہجرت
۶۳	جنگ خیبر سن ۶ ہجری (۶۳۹ء)	۴۸	حضرت عمرؓ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی
۶۵	غزوہ خیمین	۴۹	حضرت عمرؓ نے کہاں قیام کیا؟
۶۷	قرطاس کا واقعہ	۵۰	مساجد حرمین اور انصار میں اخوت
		۵۱	حضرت عمرؓ کے اسلامی بھائی
		۵۲	ازان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا
		۵۳	سن ۶ ہجری (۶۳۳ء) تاوفات رسول اللہ ﷺ
		۵۴	غزوہ بدر
		۵۵	قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے
		۵۶	غزوہ سویق
		۵۷	غزوہ فاحہ سن ۶ ہجری
		۵۸	حضرت عمرؓ کے واقعات میں ثابت قدم رہنے کی بحث
		۵۹	حضرت صفہؓ کا عقد حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ
		۶۰	واقعہ بنو نضیر سن ۶ ہجری (۶۳۴ء)
		۶۱	جنگ خندق یا احزاب سن ۶ ہجری (۶۳۵ء)
		۶۲	بزد گرد کی تخت نشینی اور ایرانیوں کی نئی

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
	سعد بن قیسؓ پر لوگوں کا طعن		تیاریاں
	انتظار فتح میں حضرت عمرؓ کی چٹائی		حضرت عمرؓ کا خود پہ سلاہ بن کعبہ سے ٹکنا
	بطل کی فتح		سعد بن قیسؓ کی سپہ سالاری
	مدائن کی فتح		فوج کی ترتیب اور ایک ایک حصہ فوج کے افسر کو
	اسلامی فوج کی عجیب و غریب پہلاری سے دریا عبور کرنا		حضرت عمرؓ کی ہدایتیں
	ایوان کسریٰ کی تصویروں کا قائم رکھنا		تخلیج اسلام کے لئے ناموران عرب کا انتخاب
	خراسان و شیروان کی عجیب و غریب پیادگاریں		یوگرد کے ساتھ سفرائے اسلام کا سوال و جواب
۱۱۰	جلولہ سن ۶ ہجری (۶۳۷ء)		دھبی کا سفیرین کرد ستم کے پاس جانا
۱۱۲	فتوحات شام		منجیو کی سفارت
	شام کی فطرت کشی کے ابتدائی حالات		قلادیہ کی جنگ اور فتح محرم سن ۶ ہجری (۶۳۵ء)
۱۱۳	فتح دمشق	۹۷	فوج کی ترتیب
	حضرت خالدؓ کا عجیب و غریب پہلاری سے شہر پر چڑھنا		فوج کے جوش و لانے کے لئے فصحاء عرب کی آتش بیانی
۱۱۴	فصل ذوقعدہ سن ۶ ہجری (۶۳۵ء)		ابو بکرؓ ثقفیؓ کا ایک پر جوش واقعہ
	حضرت معاذ بن جبلؓ کی سفارت		ایک عورت کا اپنے بیٹوں کو اپنی پر نذر فخر سے جوش دلانا
			آخر سر تک
			رستم کا مارا جانا
۱۱۸	محرم سن ۶ ہجری (۶۳۵ء)		فرزدی کی غلط بیانی کا اظہار



مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نماز وغیرہ کی فتح حضرت عمر کے سفر کی سادگی حضرت عمر کا بیت المقدس میں داخلہ حضرت بلال کا نماز کے وقت اذان دینا صغیرہ کے ساتھ حضرت عمر کا ہر تلو		حلب کی فتح انطاکیہ وغیرہ کی فتح بیت المقدس ۱۸ ہجری (۶۳۷ء) حضرت عمر کا بیت المقدس کو روانہ ہونا محاصرہ بر عیسائیوں کی دوبارہ کو شش ۱۷ ہجری (۶۳۸ء) عیسائیوں کی طرف سے حملہ تواری حضرت عمر کا ہر طرف سے فوجوں کو بھیجنا حضرت عمر کا خود مشق کو روانہ ہونا عیسائیوں کی شکست حضرت خالد بن ولید کا معزول ہونا حضرت خالد کی معزولی کے متعلق ترمیم منور خوں کی غلطی معزولی کے اسباب معزولی کی براثر کیفیت حضرت عمر کا یہ مشہور کرنا کہ خالد کی معزولی	۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴
یہ مومک ۱۸ ہجری (۶۳۶ء)	۱۱۹	بہیوں کے ساتھ ملجأت کی ایک عجیب مثیل جزیرہ کے متعلق نہایت نتیجہ خیز واقعات ایک عیسائی احمد کا مسلمان ہونا خالد کا سفیر بن کر آنا خالد کی تقریر حضرت خالد کا نئے گھمے سے فوج لڑانا خطیبوں کا فوج کو جوش دلانا عورتوں کا لڑنا عیسائیوں کا حملہ معلقین بنیل وغیرہ کی عجیب طاقت قدی خالد اور عمر کا حملہ مسلمان افروہوں کی ولایت اور ثابت قدی ایک عجیب واقعہ عیسائیوں کی شکست اور ان کے متعلقوں کی تقداد قیصر کا قلعہ طلبہ کو بھاننا	

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
خیانت کی وجہ سے نہ تھی عمواس کی وباء سن ۱۸ ہجری (۶۳۹ء) حضرت عمر کا شام کی طرف روانہ ہونا حضرت ابو عبیدہ کا حضرت عمر پر تڑاواں معرض ہونا معاذ بن جبل کی وفات عمو بن العاص کا حسن تدبیر لاذقیہ کی فتح کی ایک عجیب غریب تدبیر حضرت عمر کا حضرت علی کو اپنا قائم مقام کر کے شام روانہ ہونا سفر کی سادگی مناسب انتظامات قیساریہ کی فتح شوال سن ۱۸ ہجری (۶۴۰ء) جزیرہ سن ۱۸ ہجری (۶۳۷ء) شکست کی فتح جزیرہ کے اور مقامات کی فتح خوزستان	۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲	ایہوا کی فتح بنو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے حضرت عمر کے حکم سے ان کا رہا ہونا ہرمزان کی تیاریاں ہرمزان کا المان طلب کرنا ہرمزان کا شان و شوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہونا اور اہل عرب کی حیرت ہرمزان کا اسلام لانا عراق عجم سن ۱۸ ہجری (۶۳۲ء) ۱۳۴ یہ کرد کا نئے سرے سے مسلمانوں پر حملہ کے لئے فوجوں کا فراہم کرنا بڑا لاکھ فوجوں کا فراہم کرنا حضرت عمر کا اس محکم میں تمام صحابہ سے مشورہ کرنا حضرت عمر کا حضرت علی کی رائے پر عمل کرنا اور تیس ہزار فوج روانہ کرنا مغیرہ کا سفیر بن کر جانا جنگ کی تیاریاں شطوطہ استعقال کی عجیب مثیل جنگ کی شکست ایران پر عام لشکر کشی سن ۱۸ ہجری (۶۳۲ء) ۱۵	



صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۴۰	فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ	۱۴۰	مصر کی فتح ۳۰ ہجری (۶۴۲ء)
۱۴۱	فتح کے اسباب یورپین مورخین کی رائے کے موافق	۱۴۱	اسکندریہ کی فتح ۳۱ ہجری (۶۴۲ء)
۱۴۲	یورپین مورخین کی رائے کی غلطی	۱۴۲	کربلا کا محاصرہ
۱۴۳	فتوحات کے اصلی اسباب	۱۴۳	اسلامی فوج کا قلعہ میں گھستا
۱۴۴	سکندریہ کی فتوحات کا موازنہ	۱۴۴	عمو بن العاص کا مقید ہونا اور حکمت عملی سے بچ کر نکل آنا
۱۴۵	فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص	۱۴۵	عباد بن مسامت کا سپہ سالار بن کر حملہ کرنا
۱۴۶	نظام حکومت	۱۴۶	قاصد کا حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا ہوا خط لے کر جانا
۱۴۷	حضرت عمرؓ کی حکومت مختصر تھی یا پوری؟	۱۴۷	حضرت عمرؓ کا ایران جنگ کو اختیار دینا کہ جس مذہب کو چاہیں قبول کریں
۱۴۸	بمبوری اور مختصر حکومت کا موازنہ	۱۴۸	حضرت عمرؓ کی شہادت
۱۴۹	عرب وفاداروں میں بمبوری حکومت نہ تھی	۱۴۹	۳۶ ذی الحجہ ۳۳ ہجری
۱۵۰	حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)		
۱۵۱	مجلس شورا کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ		
۱۵۲	مجلس شوریٰ کے چلنے ایک ماہ اور مجلس		
۱۵۳	حکومت میں رہنمائی کی بداعادت		
۱۵۴	خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا		
۱۵۵	حضرت عمرؓ کا ملکی انتظامات کے لئے الگ		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۴۰	فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ	۱۴۰	مصر کی فتح ۳۰ ہجری (۶۴۲ء)
۱۴۱	فتح کے اسباب یورپین مورخین کی رائے کے موافق	۱۴۱	اسکندریہ کی فتح ۳۱ ہجری (۶۴۲ء)
۱۴۲	یورپین مورخین کی رائے کی غلطی	۱۴۲	کربلا کا محاصرہ
۱۴۳	فتوحات کے اصلی اسباب	۱۴۳	اسلامی فوج کا قلعہ میں گھستا
۱۴۴	سکندریہ کی فتوحات کا موازنہ	۱۴۴	عمو بن العاص کا مقید ہونا اور حکمت عملی سے بچ کر نکل آنا
۱۴۵	فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص	۱۴۵	عباد بن مسامت کا سپہ سالار بن کر حملہ کرنا
۱۴۶	نظام حکومت	۱۴۶	قاصد کا حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا ہوا خط لے کر جانا
۱۴۷	حضرت عمرؓ کی حکومت مختصر تھی یا پوری؟	۱۴۷	حضرت عمرؓ کا ایران جنگ کو اختیار دینا کہ جس مذہب کو چاہیں قبول کریں
۱۴۸	بمبوری اور مختصر حکومت کا موازنہ	۱۴۸	حضرت عمرؓ کی شہادت
۱۴۹	عرب وفاداروں میں بمبوری حکومت نہ تھی	۱۴۹	۳۶ ذی الحجہ ۳۳ ہجری
۱۵۰	حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)		
۱۵۱	مجلس شورا کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ		
۱۵۲	مجلس شوریٰ کے چلنے ایک ماہ اور مجلس		
۱۵۳	حکومت میں رہنمائی کی بداعادت		
۱۵۴	خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا		
۱۵۵	حضرت عمرؓ کا ملکی انتظامات کے لئے الگ		



صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۹۸	صیغہ محاصل (خراج)	۱۸۵	انک میٹے قائم کرنا
"	خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے	"	ملک کی تقسیم صوبہ بجات اور اضلاع عمدہ داران ملکی
"	ایچلو کیا	"	حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے
"	ممالک منقوطہ کا اصلی باشندوں کے قبضہ	"	نوشیروانی عمدہ کے صوبے
۱۹۹	میں پھوڑا اور اس امر میں صحابہؓ کا اختلاف	"	صوبوں کے افسر
"	حضرت عمرؓ کا استدلال	۱۸۷	عمدہ داروں کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کی
۲۰۰	عراق کا بندوبست	"	جو ہر شہاسی
"	افسران کا بندوبست	۱۸۸	عمدہ داروں کے مقرر کرنے کے لئے مجلس
"	عراق کا کل رقبہ	"	شورکی
۲۰۱	لنگن کی شرح	۱۸۹	تختواہ کا معاملہ
"	عراق کا خراج	"	عالموں کے فرامین میں ان کے فرائض
۲۰۲	زمیندار اور تعلقہ دار	۱۹۰	عالموں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا
"	پیداوار اور آمدنی میں ترقی	"	عالموں کے مال و اسباب کی فہرست
"	ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کا اخصار	۱۹۱	زمانہ حج میں تمام عالموں کی طلبی
"	لیا جاتا	"	عالموں کی تنبیہ
"	حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جس قدر خراج	۱۹۲	عالموں کی تحقیقات
۲۰۳	وصول ہوا زمانہ بایعہ میں کبھی نہیں ہوا	"	کیمیشن
"	خراج کا دفتر قاری اور ردی زبان میں تھا	۱۹۳	عالموں کے ناجائز افعال پر نہایت سختی کے
"	مصر میں فرعون کے زمانہ کے قواعد مال	"	ساتھ گرفت
"	گزاری	۱۹۴	عالموں کی تختواہوں کا پیش قرار ہونا
۲۰۴	رومیوں کا اضافہ	"	علمان فاروقی کی فہرست
"	حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصطلاح کی	۱۹۵	
۲۰۵	شام میں خراج کا قدیم طریقہ	"	
"	قانون مال گزاری میں حضرت عمرؓ کی	۱۹۶	
۲۰۷	اصلاحات	"	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۲۰	محکمہ افتاء	۲۰۹	ان اصلاحات کا ملکی اثر
۲۲۱	محکمہ افتاء کی ضرورت	"	بندوبست مال گزاری میں زمینوں کی رائے
"	حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی	"	لینا
"	ہر شخص کو فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا	۲۱۰	ترقی زراعت
۲۲۲	فوجداری اور پولیس	"	محکمہ آبپاشی
"	خیل خانہ کی ایچلو	"	خرابی اور عسری زمین کی تفریق
۲۲۳	جلاد مفتی کی سزا	۲۱۱	مسلمانوں کے ساتھ عسری زمین کی
"		"	تخصیص کی وجہ
"		"	اور قسم کی آمدنیاں
"		۲۱۲	مکوٹوں پر ذکوۃ
"		"	عشور
"	بیت المال یا خزانہ	۲۱۳	صیغہ عدالت
"	بیت المال پہلے تھا	"	محکمہ قضاء
"	بیت المال کس من میں قائم ہوا؟	"	رومن امپائر کے قواعد عدالت کا حضرت عمرؓ
۲۲۴	بیت المال کے افسر	"	کے قواعد سے موازنہ
"	بیت المال کی عمارتیں	۲۱۴	قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر
۲۲۵	جو رقم دار الخلافہ کے خزانہ میں رہتی تھی	۲۱۵	قضاۃ کا انتخاب
۲۲۶	پبلکسور کس یا (نظارت نافذ)	۲۱۷	حضرت عمرؓ کے زمانہ کے حکام عدالت
"	حضرت عمرؓ نے نہیں تیار کرائیں	"	قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا
۲۲۷	نہر حقل	۲۱۸	رہنوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل
"	نہر سد	"	انصاف میں مساوات
"	نہر امیر المومنین	۲۱۹	آبدی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا
"		"	ماہرین فن کی شہادت
"		۲۲۰	عدالت کا مکان



صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۳۸	نہروپ کی تیاری کا ارادہ	۲۴۱	پانچاد فوج اور دانشور
۲۳۸	حضرت عمرؓ کے عہد میں مختلف صیغوں کی	"	فوجی صدر مقامات
۲۳۸	عمارتیں	"	صدر مقامات میں فوج کے لئے جو انتظامات
"	دارالامارہ	۲۴۲	تھے ان کی تفصیل
"	دفتر	"	فوجی بار کیس
۲۳۹	خزانہ	"	گھوڑوں کی پرداخت
"	قید خانے	"	فوج کا دفتر
"	مساجد خانے	"	رشد کاظم
"	سڑکوں کا انتظام	"	فوجی چھوڑوں کا قائم کرنا اور ان کا بندوبست
۲۴۰	کھانا حکمران سے دینے منورہ تک چوکیں اور	۲۴۵	فوجی چھوڑیاں کس اصول پر قائم تھیں
"	سڑکیں	۲۴۶	فوجی دفتر کی وسعت
"	شہروں کا آباد کرنا	"	ہر سال ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی
"		"	حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام کس نہایت تک قائم
"		"	رہا اور اس کے تغیر کے نتائج
۲۳۱	بھو	"	فوج میں 'نوی' ہندوستانی اور 'یودی'
"	کونڈ	۲۴۷	بھی داخل تھے
۲۳۲	فسطاط	۲۴۸	تھوڑوں میں ترقی
"	فسطاط کی وسعت تہلوی	۲۴۹	رشد کا انتظام
۲۳۵	یوصل	"	رشد کا مستقل عہدہ
"	جوزہ	"	خوراک 'کپڑا' اور بہتہ
"		۲۵۰	تھوڑوں کی تقسیم کا طریقہ
۲۳۷	صیغہ فوج	"	تھوڑوں کی ترقی
"	قدیم سلطنتوں کے فوجی انتظامات غیر مکمل	۲۵۱	اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم
۲۳۸	حضرت عمرؓ کے فوجی انتظام کی ابتداء	"	ہمارے زمانے میں فوج کا قیام
"	فوج کے رجسٹر کا مرتب ہونا	"	آپ کا لحاظ
۲۳۹		۲۵۲	کوچ کی حالت میں فوج کے آرام گاہوں

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۴۵	تعلیم قرآن کا طریقہ	۲۵۲	رخصت کے قاعدے
۲۴۶	دشمن کی مسجد میں طلبہ کی تعداد	"	فوج کا لباس
"	اشاعت قرآن کے اور مسائل	۲۵۲	فوج میں خزانچی و محاسب و حرم
"	مافکوں کی تعداد	"	فوج جنگ میں ترقی
"	صحت اعراب کی تدبیریں	۲۵۳	فوج کے مختلف حصے
۲۴۷	ادب اور عورت کی تعلیم	"	ہر سپاہی کو جو چیزیں ضروری تھیں پڑتی تھیں
"	عدت کی تعلیم	"	قلعہ شکن آلات
"	فد	۲۵۵	سزیا
۲۴۸	مسائل فدی کی اشاعت کی مختلف تدبیریں	۲۵۶	خبر رسائی اور جاسوسی
"	پسلی تدبیر	"	پرچہ نویسوں کا انتظام
"	دسری تدبیر	"	
"	تیسری تدبیر	۲۵۷	صیغہ تعلیم اور صیغہ مذہبی
"	چوتھی تدبیر	"	
۲۵۰	فدی کی تعلیم کا انتظام	۲۵۸	اشاعت اسلام کا طریقہ
۲۵۱	فتیہ کی تحویلیں	۲۵۹	اشاعت اسلام کے اسباب
"	مطہیں فدی کی رفعت شان	۲۶۰	حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام
"	ہر شخص فدی کی تعلیم کا مجاز نہ تھا	"	لائے
۲۶۲	اماموں اور مسلمانوں کا تقرر	"	حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب
"	مادیوں کی قاعدہ سلامتی	۲۶۳	میں جو کوشش کی
۲۶۳	مساجد کی تعمیر	"	قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ
"	حرم محترم کی وسعت	۲۶۴	اعراب کی تدبیریں
"	حرم کی تجدید	۲۶۴	قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام مکاتب قرآن
۲۶۴	مسجد نبویؐ کی مرمت اور وسعت	"	بدوؤں کو بہتری تعلیم
"	مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام	"	کتابت کی تعلیم
"		"	قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کیلئے دور دراز مقامات
۲۶۵	محقق انتظامات	"	پر بھیجا



صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۸۸	زمینوں کے حقوق کی نسبت غیر قوموں کی غلامی	۲۸۵	من جبری کا مقرر کرنا
"	زمینوں کے وجود اور ان کا جواب	۲۸۶	مختلف قسم کے رجسٹر
"	زمینوں کو خاص لباس اور زینت کے استعمال کا	۲۸۷	دفتر خراج
۲۸۹	کیوں حکم تھا	"	بیت المال کے کٹوتی کا حساب
۲۹۰	سلب اور ناقوس کی بحث	۲۹۱	مصارف جنگ کے کٹوتی
"	اسطبلان کی بحث	"	موسم شماری کے کٹوتی
۲۹۲	سیاہیوں کے جلا وطن کرنے کا حالہ	"	کٹوتی حساب کے نکتے کا طریقہ
"	جزیرہ کی بحث	۲۹۸	سک
۲۹۵	غلامی کا رواج کم کرنا	۲۹۹	ذمی رعایا کے حقوق
"	عرب کا غلام نہ ہو سکتا	"	قدیم سلطنتوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ
"	ممالک مفتوحہ میں غلام کو گنتی	"	حضرت عمرؓ نے زمینوں کے ساتھ کیا برتاؤ
"	حضرت شہزادہ کا قصہ	"	کیا؟
"	شہزادہ خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ	"	بیت المقدس کا محاصرہ
۲۹۸	برتاؤ	"	زمینوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جلا وطن
۲۹۸	نام غلاموں کے ساتھ مراعات	۲۸۱	مال کے برابر قرار دینا
"	غلاموں کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ	۲۸۲	ہندوستان میں گزاری میں زمینوں کا خیال
۲۹۹	کیا جاتا	"	زمینوں سے ملنے کی انتظامات میں مشورہ
"	غلاموں میں اہل کمال کا پیدائش	۲۸۳	زمینوں کے ساتھ ہر قسم کی رعایت کی تاکید
"	سیاست و تدبیر عدل و انصاف	۲۸۴	نذہبی امور کی آزادی
"	عام ملاطمت اور حضرت عمرؓ کے طریق	۲۸۵	مسلمانوں اور زمینوں کی ہمسری
"	سیاست میں فرق	۲۸۶	زمینوں کی عزت کا خیال
۲۸۹	حضرت عمرؓ کی مشکلات	"	سادہ اور محکومت کی حالت میں زمینوں کے
۳۰۱		"	ساتھ سلوک
		۲۸۹	زمینوں پر ان رعایتوں کا کیا اثر ہوا

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۰۲	حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں	۳۰۳	امامت اور اجتہاد
۳۰۵	اصول مساوات	۳۰۴	مسائل اعتقادی میں حضرت عمرؓ کی نکتہ چینی
۳۰۶	امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا؟	۳۰۵	مسئلہ قضا و قدر
۳۰۷	سیاست	۳۰۶	تعلیم شعائر اللہ
۳۱۰	عہدہ داران سلطنت کا انتخاب	"	نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب
"	بے لاگ عدل و انصاف	"	نبوت سے تعلق رکھتے ہیں
"	قدیم سلطنتوں کے حالات اور انتظامات سے	۳۱۱	حضرت عمرؓ کے نزدیک احکام شریعت کا
۳۱۱	واقفیت	"	صالح عقلی پر مبنی ہونا
۳۱۲	واقفیت کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار	۳۱۲	حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی
۳۱۳	بیت المال کا خیال	۳۱۳	اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا
۳۱۶	تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا	"	غور و فکر کا استعمال
"	رفاہ عام کے کام	"	بھوک کی ممانعت
۳۱۷	غریب اور مساکین کے روزینے	"	ہوا پرستی کی روک
"	مسلمان خانے	"	شاعری اصلاح
۳۱۸	لاوارث بننے	"	شراب خوری کی روک
"	قدیموں کی خبر گیری	"	آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا
"	قسط کا انتظام	۳۲۲	حضرت عمرؓ کی اجتماعی حیثیت
۳۱۹	رفاہ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ چینی	"	احادیث کا شخص
۳۲۰	جزئیات پر توجہ	۳۲۳	صدیوں کی اشاعت
"	رعایا کی مشکلات سے واقفیت کے وسائل	"	ایک نقل نکتہ
۳۲۱	سفارت	۳۲۴	احادیث میں فرق مراتب
"	شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری	"	روایات کی چھان بین
"	رعایا کی خبر گیری کے متعلق حضرت عمرؓ کی	۳۲۸	کثرت روایت سے روکنا
۳۲۲	چند حکایتیں	۳۲۰	حضرت عمرؓ کی کم روایت کرنے کی وجہ
		۳۲۱	صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے



صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۶۹	قوت تقریر	۳۶۱	سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ کے
"	خطبے	۳۶۲	اصول
۳۷۱	خطبے کے لئے تیار ہونا	"	علم فقہ
"	نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے	"	فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ
"	اور اس کی وجہ	"	ہیں
"	بعض خطیبوں کے اصلی الفاظ	۳۶۴	حضرت عمرؓ کا مشکل مسائل کو قلمبند کرنا
۳۷۳	قوت تحریر	۳۶۶	رفیق مسائل میں دو قانون نافذ کر کے رہنا
۳۷۴	بذوق شاعری	"	فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے مسئلوں
"	حضرت عمرؓ زبیر کو اشعار شعراء کہتے تھے	۳۶۷	کا پید ہونا
۳۷۶	زبیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا رنگ	"	لوگوں کا حضرت عمرؓ سے استغناء کرنا
۳۷۶	تا بعد کی تشریف	۳۶۸	صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا
"	امراً اقیس کی نسبت ان کی رائے	"	مسائل اجماعیہ
۳۷۷	شعر کا ذوق	۳۶۹	حضرت عمرؓ کے مسائل قہیب کی تعداد
"	حفظ اشعار	"	حضرت عمرؓ کا اصولی فقہ کو مرتب کرنا
"	اشعار کو تعلیم میں داخل کرنا	۳۷۲	خیر احاد کے قتل احتجاج ہونے کی بحث
۳۷۸	شاعری کی اصلاح	۳۷۳	قیاس
۳۷۸	لطیفہ	۳۷۵	استنباط احکام کے اصول
۳۷۹	علم الانساب	۳۷۶	مسائل میں حضرت عمرؓ کے اجتادات
"	عبرانی زبان سے واقفیت	۳۷۷	فہم کا مسئلہ
۳۸۰	ذہانت و طباطبی	۳۷۱	عے کا مسئلہ
۳۸۱	خیالانہ مقولے	۳۷۳	بلوغت کی بحث
۳۸۲	صائب الرائے ہونا	۳۷۹	ذاتی حالات اور اخلاق و عادات
"	اسلام کے احکام اور حضرت عمرؓ کی رائے کے	"	عرب میں جو اوصاف لازمہ شرافت کہے
۳۸۳	موافق قرار پائے	"	جاتے تھے حضرت عمرؓ میں سب موجود تھے
"	جن مسائل میں اور صحابہؓ نے حضرت عمرؓ	"	سے اختلاف کیا ان میں حضرت عمرؓ کی

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۷۰	لیاس نسا کی اور بے تکلفی	۳۸۴	رائے صائب ہونا
۳۷۱	حلیہ اولیات	"	قابلیت خلافت پر حضرت عمرؓ کی رائے
"	"	"	نکتہ نگار اور غور وری
۳۷۳	انواع و اولاد	۳۸۵	غذائی زندگی
"	"	۳۸۶	بے نقصبی
"	انواع	"	علم فرائض کی درستی اور ترتیب کے لئے
"	حضرت ام کلثومؓ سے نکاح کرنا	۳۸۷	ایک یونانی عیسائی کا طلب کرنا
۳۷۶	اولاد زکوری	۳۸۸	علمی محبتیں
"	عبداللہ بن عمرؓ	۳۸۹	ارباب صحبت
"	سالم بن عبداللہ	۳۹۱	انل کمال کی قدردانی
۳۷۷	عاصم	۳۹۳	متعلقین جناب رسول اللہؐ کا پاس و لحاظ
"	"	۳۹۴	اخلاق و عادات کو وضع و سازگی
۳۷۸	خاتمہ	۳۹۶	زندہ دلی
"	"	۳۹۷	مزاج کی سختی
"	دنیا میں جس قدر مشہور فرمانروا اور ارباب	۳۹۸	آل و اولاد کے ساتھ محبت
"	کمال گزرے ہیں سب پر حضرت عمرؓ کو	۳۹۹	مسکن و مسائل معاش و تجارت
"	ترجیح	"	جامعہ مشاہیر و زراعت بخدا

★★★★★★★★

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## دیباچہ

الفاروق جس کا غلطہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے، اول اول اس کا نام زبانوں پر اس تقرب سے آیا کہ المامون طبع اول کے دیباچہ میں مختصراً اس کا ذکر آگیا تھا اس کے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم نام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیل گیا۔ یہاں تک کہ اس کے ابتدائی اجراء ابھی تیار نہیں ہو چکے تھے کہ تمام ملک میں اس سرے سے اس سرے تک الفاروق کا لفظ بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ اور کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رک گیا اور اس کے بجائے دوسرے کام چھڑ گئے۔ چنانچہ اس اثناء میں متعدد تصنیفیں مصنف کے قلم سے نکلیں اور شائع ہوئیں۔ لیکن جو نگاہیں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کو کچھ جلال کا انتظار کر رہی تھیں ان کو کسی دوسرے جلوہ سے سیری نہیں ہو سکتی تھی۔ سوء اتفاق یہ کہ میرے ساتھ الفاروق کی طرف سے پیدلی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف سے گویا ہاتھ اٹھا لیا تھا لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدا میں مدد کر لیند ہوتی تھیں کہ میں مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ کر اٹھا لیتا تھا۔ بالآخر ۱۸۸۳ء کو میں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا اور مستقل اور مسلسل طریقے سے اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض اور اتفاقی موانع وقتاً فوقتاً اب بھی سد راہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا نامہ پیش آگیا لیکن چونکہ کام کا سلسلہ قطعاً بند نہیں ہوا اس لئے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منسل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے کچھ دنوں کے لئے آرام کیا۔

شکر کہ جوازہ بمنزل رسید      ندامت اندیشہ بساغل رسید

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں تمہید کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ



تعالیٰ عز کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور فتوحات ملکی کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں ان کے ملکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور تیسری دو سراسر مصنف کی سعی و محنت کا تماشا گاہ ہے۔

اس کتاب کی صحت طبع میں اگرچہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی۔ کاپیاں میں نے خود دیکھیں اور بنائیں۔ لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجھ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس راوی کا موم میدان نہیں اور میں اس کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صاحب مطبع اجازت دیں تو اس قدر کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا میں تائب مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ بہر حال کتاب کے آخر میں ایک غلط نامہ لگا دیا گیا ہے جو کفارہ جرم کا کام دے سکتا ہے۔

اس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نظر آئے گا۔ مثلاً اضافت کی حالت میں ”مکہ“ اور ”مدینہ“ کی بجائے ”مکے“ اور ”مدینے“ اور جمع کی حالت میں ”موقع“ اور ”مجمع“ کے بجائے ”موقعے“ اور ”مجمعے“ لیکن یہ میرا طریق املا نہیں ہے۔ بلکہ کاپی نویس صاحب کا ہے اور وہ اس کے برخلاف عمل کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلہ آصفیہ کی فہرست میں داخل ہے۔ لیکن پہلے سلسلہ آصفیہ کی ماہیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی بککرا اسی صحیح القابہ کو تمام ہندوستان جانتا ہے۔ وہ جس طرح بہت بڑے مصنف بہت بڑے مترجم بہت بڑے زبان دان ہیں اسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعت علوم و فنون کے بہت بڑے مہل اور سرپرست ہیں۔ اس دوسرے وصف نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ انہوں نے جناب نواب محمد فضل الدین خان سکندر جنگ اقبال الدولہ ”اقدار الملک“ سو قار الامراء ہماور کے سی ”آئی“ ای مدار الہام دولت آصفیہ خلد با اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ حضور پر نور رستم دوراں ”افلاطون“ نامی فلک بار گاہ سپہ سالار مظفر الملک فتح جنگ ہنرا رئیس نواب میر محبوب علی خان ہماور ”نظام الملک“ آصف جاہ سلطان دکن خلد اللہ ملکہ کے سایہ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے جو سلسلہ آصفیہ کے لقب سے منسوب ہو اور وابستگان دولت آصفیہ کی جو تصنیفات خلعت قبول پائیں وہ اس سلسلہ میں داخل ہو جائیں۔

جناب نواب صاحب ممدوح کو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتداء سے جو

التفات و توجہ رہی ہے اور جس کی بہت سی محسوس یادگاریں اس وقت موجود ہیں اس کے لحاظ سے جناب ممدوح نے اس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے اور ہمارے شمس العلماء کی کتاب تمدن عرب جس کی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اسی سلسلہ کا ایک بیش بہا گواہ ہے۔

خاکسار کو ۱۸۹۱ء میں جناب ممدوح کی بیش گاہ سے عطیہ ماہوار کی جو سند عطا ہوئی اس میں یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اس سلسلے میں داخل کی جائیں۔

اسی بناء پر یہ ناچیز تصنیف بھی اس مبارک سلسلے میں داخل ہے۔

جلد اول کے آخر میں اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر بنو امیہ کے زمانے تک ہر عہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے۔ جس کے دیکھنے سے ہیک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دنیا کا کس قدر حصہ اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل میں جرمن کے چند لائق پروفیسروں نے تیار کیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے بیانات سے پورا پورا مطابق نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ہم نے اصل کتاب کے حاشیہ میں موقع بموقع ان اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شبلی نعمانی

مقام اعظم گڑھ دسمبر ۱۸۹۸ء



## حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے ہمہ درپردہ نمان راز تو بے خبر انجام ز کھاز تو

الحمد للہ رب العلمین والصلوة علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

## تہمید۔ تاریخ کا عنصر

تمدن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا ہیولی پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمدن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے۔ اور پھر ایک خاص نام یا لقب مشہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً استدلال اور اثبات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب ان سے کام لیتے تھے۔ لیکن جب ارسطو نے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا۔ تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کا فن ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا، تاریخ و تذکرہ بھی ساتھ ساتھ تھے۔ کیونکہ فخر و تزیج کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے تفریح اور گرمی صحبت کیلئے مجالس میں چھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات و رسوم کی یاد گاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں۔ اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اس بناء پر عرب، عجم، آثار ہندی، افغانی، مصری، یونانی، غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔

## عرب کی خصوصیت

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا۔ اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انساب کا جرجہ جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے نامی دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام العرب جس کی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں، سلسلہ سلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں۔ یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدو جن کو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اپنی زبان آواری کے سامنے تمام عالم کو بیچ سمجھتے تھے۔ اور درحقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

## عرب میں تاریخ کی ابتداء

اس بناء پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہانِ جبروت نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے۔ چنانچہ ابن ہشام نے کتاب السیاحات میں تصریح کی ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتداء ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ تالیف و تصنیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا۔ اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ المعینی مہر ہجری کے زمانے میں عبیدہ بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا اور اس کو عرب و عجم کے اکثر مغر کے یاد تھے، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو عنقاء سے بلایا اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلم بند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفهرست میں اس کی متخذ تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک والاخبار الماضین لکھا



ہے غالباً یہ ہی کتاب ہے جس کا مستوفی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ عیینہ کے بعد عوانہ بن الحکم المصنف نے ستر ہجری کا نام ذکر کرنے کے قابل ہے۔ جو اخبار و انساب کا بڑا ہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ ستر ہجری میں ہشام بن عبد الملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا۔ اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

### سیرۃ نبوی ﷺ میں سب سے پہلی تصنیف

۳۳ ہجری میں جب تفسیر حدیث فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و اہل میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المصنف ستر ہجری نے منصور عباسی کے لیے خاص سیرۃ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مؤرخین کا وہی ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المصنف ۳۱ ہجری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی قلم بند کئے تھے۔ موسیٰ نہایت لائق اور متکاٹ شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔ اس لئے ان کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ (مغازی موسیٰ بن عقبہ ۳۱ ہجری میں یورپ میں چھپ گئی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کے لئے تہذیب التہذیب و مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری دیکھو)

اس کے بعد فن تاریخ نے یہ نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے جن میں ابو محنت کلبی 'واقعی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے، قبائل عرب کے مناظرات، جاہلیت اور اسلام کے احکام کا تواتر، ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے، رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔

اس دور میں بے شمار مؤرخ گزرے ہیں۔ ان میں سے جن لوگوں نے بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات میں کتابیں لکھیں، ان کی مختصر فہرست یہ ہے۔

۱۔ مغازی عمر اسحاق کا ایک قلمی نسخہ مکتبہ کوہ پریلی انجیل میں موجود ہے۔

### قصیم تاریخیں

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
نجیح مملیٰ تصریح مؤرخ کوفی	غزوات نبوی کتاب الجمل یعنی حضرت علی اور حضرت عائشہ کی لڑائی کا حال	نہایت مشہور مؤرخ ہے اہم بخاری کے استاد استاذ تھے مجموعہ میں انتقال کیا
سیف بن عمر الاسدی معمربن راشد کوفی	کتاب الفتح والکبر کتاب المغازی	
ابو العتوری و سب بن دہب	کتاب صفوانی و کتاب فضائل الانصار	
عبد اللہ بن سعد زہری المصنف ۲۸۰ ہجری	فتوحات خالد بن ولید	
ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ الدراکتی ۲۴۳ھ		اس نے آنحضرت اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کئے
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی، اساماء خلفاء و کتابہم	دراکتی کا شاگرد تھا
عبد الرحمن بن عبدہ معمربن شہد المصنف ۳۳۳ھ	مناقب قریش کتاب اسراء الکوفہ کتاب اسراء البصرة	نہایت لائق اور مستند مؤرخ تھا مشہور مؤرخ تھا

### قدما کی جو تصنیفات آج موجود ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں۔ لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں۔ ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سراہا یہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسلم بن حبیب المصنف ۳۳۳ ہجری و المصنف ۳۶۱ ہجری یہ نہایت نامور اور

۱۔ نجیح بن عبد الرحمن المصنف قریب ۳۰۰ھ۔ ۲۔ سیف بن عمر کوفی ظیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں فوت ہوا (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۹۱)۔ ۳۔ معمربن راشد کوفی ۳۳۳ھ (تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۳۳)۔



مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب معارف ہے۔ جو مصروفیہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے، لیکن اس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دہلوی المتوفی ۲۸۵ ہجری یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اس کی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتمد باللہ تک کے حالات ہیں۔ خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیڈن ۱۷۷۸ء عیسوی میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کتاب الواقعی المتوفی ۲۴۰ ہجری نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ ہے، اگرچہ اس کا استاد واقعی ضعیف الروایہ ہے۔ لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں، اس نے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند صحیح لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے اب جرمنی میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کتاب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجھ کو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے، چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا۔ اس لیے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے۔ اس کی کتاب جو ”تاریخ یعقوبی“ کے نام سے مشہور ہے یورپ میں بمقام لیڈن ۱۷۷۸ء عیسوی میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفی ۳۰۷ ہجری ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اس کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان و انساب الاشراف، پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں۔ اور ان کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں نظر سے گزرا ہے۔ (یہ کتاب تقریباً ۱۲۷۱ میں محمد بن عسوی میں برہنہ میں چھپ چکی ہے)۔

۱۔ حقائق ابن سعد کا ۸ جلدوں میں پہلے ۱۸۰۰ میں لیڈن میں طبع ہوئی پھر اس کے بعد ۱۸۵۸ء میں جرمنی میں طبع ہوئی ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۲۰ ہجری یہ محدث و ثقہ میں بھی امام ہانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انہوں نے نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی ہے جو ۳۰ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۲۸۶ ہجری فن تاریخ کا امام ہے اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بذاتی سے اکثر تصانیف ناپید ہو گئیں، یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں، ایک مروج الذهب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ، مروج الذهب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

### متاخرین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدام کا دور کہلاتا ہے، پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے، جو فن تاریخ کے حقل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بیشتر مؤرخ گزرے جن میں سے ابن اثیر، معانی ذہبی، ابو الفدا، نویری، سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی۔ لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔

### قدما کی خصوصیتیں

قدما کی جو خصوصیات تھیں، کھودیں اور خود کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ مثلاً قدما کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اس کے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکیں، تغیر اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلدون نے من خیار التواریخ کہا ہے اور حقیقت میں اس کی قبولیت عام نے قدیم تصانیف ناپید کر دیں۔ زمانہ کا اشتراک ہے ایک بات بھی اس میں طبری سے زیادہ نہیں مل سکتی، اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا، وہ علم جبرائیل کے بعد انہوں نے تصنیف بعد از موت ۸۰۰ میں شائع ہوئی۔



اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدامت کی کتابوں کا جو اختصار کیا۔ اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی مدح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اس کی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قداء میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح پسند متصل نقل کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا۔ ایک اور خصوصیت قداء میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن نسبتاً ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اس نے فلسفۂ تاریخ کا فن ایجاد کیا۔ اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد علامہ مقررزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مدح و ستائش کا مستحق ہے۔ بہر حال الفاروق کی تالیف کے لئے جو سرمایہ کام آسکا تھا وہ یہی قداء کی تصنیفات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے جو آج ترقی کی ہے۔ اس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کار آمد نہیں، اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔

### تاریخ کی تعریف

تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کئے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے، ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔ ایک اور حکیم نے یہ یہ تعریف کی ہے ان حالات اور واقعات..... کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانے سے کیوں بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت، خیالات اور مذاہب موجود ہیں، سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہئے تھے۔ اس لئے ان گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیوں پیدا ہوا۔ اسی کا نام تاریخ ہے۔

### تاریخ کے لئے کیا کیا چیزیں لازم ہیں

ان تعریفات کی بناء پر تاریخ کے لئے دو باتیں لازم ہیں۔

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلم بند کئے جائیں، یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب، ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ برپا کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

### قدیم تاریخوں کے نقص اور ان کے اسباب

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، رعایا کے اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا، فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا، ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا۔ اور فرمانروائے وقت کی عقلیت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں پیچ ہوتی تھیں اس کا لازمی اثر یہ تھا کہ تاریخ کے صفوں میں شاہی عقلیت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہیں آیا۔ اور چونکہ اس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا، بادشاہ کی زبان تھی۔ اس لئے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔

واقعات میں سلسلہ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے۔ اس لئے فلسفۂ تاریخ کے اصول و نتائج پر ان کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و میراث روایات کا پتہ ہمیشہ درایت سے بھاری رہا۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جس قدر کام لیا گیا۔ لئے جانے کے برابر تھا۔ آخر میں ابن خلدون نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول و آئین منضبط کئے، لیکن اس کو صرف اس قدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں علمی حنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناقص رہا۔ یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں ان کو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا



ہے۔ مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے، انتظامی امور قانون سے، اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مؤرخ اگر ان تمام امور کا باہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ اس کی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی۔ جیسی کہ ایک عائی کی ہو سکتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشاء پر داز کا گزر ہو جو انجینئری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش حیرانہ میں کرے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ لیکن اگر اس میں خاص انجینئری کے علمی اصول اور اس کی باریکیاں و موہنی جائیں تو نہ مل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتد بہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔

انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مؤرخین خود قانون دان نہ تھے، اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہوتا۔ جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ، اصول قانون، اصول سیاست اور علم اخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا۔

یہ بحث اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے اور جس قدر ہوتے ہیں ان میں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا، لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

### واقعات کی صحت کا معیار

واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں۔

روایت و درایت۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا۔ اور اس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایہ اور ضابطہ تھے یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تہید کی جائے۔

### روایت

اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انہوں نے جس

قدر اہتمام کیا کسی قوم نے بھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ ان کو ایک مستقل فن بتادیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لئے شروع ہوا تھا۔ لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری "فتوح البلدان" طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات، سند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مؤرخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ ان کو واقعہ نگار کے نقشہ اور غیر نقشہ ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ جس جو تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

### درایت

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے۔ چنانچہ ابن حزم، ابن القیم، خطابی، ابن عبد البر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہئے تھی نہیں ہوئی۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا، البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے۔ جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکستہ سخی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کئے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

ان الاخبار اذا اعتمد فيها على مجرد النقل لم تحكم اصول العادة و قواعد السياسة و طبيعة العمران و الا حوال في الاجتماع الانساني و لا قيس الغائب منها بالشاهد و الحاضر بالذاهب اليها لم يؤمن فيها من العتور۔

”خیوں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔“

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ



اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ موقوفوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کئے گئے ان کی آج کہاں تک حلانی کی جاسکتی ہے۔ یعنی ہم اپنی کتاب (القواعد) میں کس حد تک اس کی کوپورا کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اس کی حلانی ہو سکتی ہے۔ مثلاً "الاحکام السلطانیہ" لابن الوردي مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق حکومت اور آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الواقع سے خاص میز و قضا کے متعلق ان کا طریق معلوم ہوتا ہے کتاب الادا کل لابی بلال العسکری و محاسن الوسائل الی الاخبار الادا کل میں ان کی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان والبعث للجاحظ میں ان کے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدان کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العرین میں ان کے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالیہ الخلفاء میں ان کے فتنہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ ان تصنیفات میں سے کتاب الادا کل اور کتاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے سیرۃ العرین اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے نسخے تطبیق کے کتب خانہ میں موجود ہیں اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کر لی ہیں۔ ہائی کتابیں پمپ گئی ہیں۔ اور میرے پاس موجود ہیں۔

یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے ریاض النضرۃ للعلب الطبری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں نہایت کثرت سے موشغور اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں۔ اس لئے میں نے دانستہ اس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لئے روایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ روایت کا فن ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے

منضبط ہو گئے ہیں۔ ان میں سے جو اصول ہمارے کام آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

- ① واقعہ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟
- ② اس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟
- ③ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟
- ④ اس امر کی تحقیق کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اس کی قیاس و رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟
- ⑤ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا۔ اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں۔
- ⑥ اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔

ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکا۔ اور ان کے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جس قدر تاریخیں متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اس زمانے کی تصنیفات ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا اور اسی کے ساتھ قدیم زمانہ کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصب آتا گیا اسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھل گئی ہیں۔

اصول روایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے

تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں۔ لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج طبری وغیرہ) میں اصول روایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اس وقت عیسائی ناقوس نہ بجانے ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو



اصطلاح نہ دینے پائیں۔ لیکن یہ روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ ”جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کے بچوں کو زبردستی اصطلاح نہ دیا جائے۔“

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیر و تذلیل کے لئے عیسائیوں کو خاص لباس پر مجبور کیا تھا۔ لیکن زیادہ تر متقل سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے چنانچہ اس کی مفصل بحث آگے آئے گی۔

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں۔ مذکورہ ’قرطاس‘ سیف بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر ’ابن سعد‘ بیہقی ’مسلم‘ بخاری سب نے نقل کئے ہیں۔ لیکن جس قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے اسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اس کا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئے گا۔

ان ہی اصول عقل کی بناء پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہوں گے مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے واقعات سو برس کے بعد تحریر میں آئے اس بناء پر یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلات مثلاً صف آرائی کی کیفیت فریقین کے سوال و جواب ’ایک ایک ہمارے معرکہ آرائی‘ پسلاؤں کے داؤد و چار اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے۔ اس لئے ان کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں۔ اکبر نے ہندوستان میں جو آئین اور قاعدے جاری کئے ایک ایک بچہ ان سے واقف ہے۔ اور ان کی نسبت شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ جس کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اس کے لئے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے اور اکبر کے نام سے ان کو شہرت تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبے اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہیں ان کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہئے کہ جو فقرے زیادہ تر پراثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں۔ کیونکہ

ایک فصیح مقرر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور ان کا مدت تک چ چار رہتا ہے، جن میں کوئی خاص قدرت اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح قطبوں کے وہ جملے ضرور قابل احوال ہیں جن میں احکام شریعہ کا بیان ہے۔ کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے ہیں۔

جو واقعات اس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابل ذکر نہ تھے اور باوجود اس کے ان کا ذکر آجاتا ہے۔ ان کی نسبت سمجھنا چاہئے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہوگا۔ مثلاً ہمارے مولد عین رزم برہم کی معرکہ آرائیوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں ہیں ہاں ہمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں عدالت ’پولیس‘ بندوبست ’موسم شماری‘ وغیرہ کا نمٹنا جو ذکر آجاتا ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہئے کہ جس قدر قلمبند ہوا اس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد و تقشف ’سخت مزاجی‘ اور سخت گیری کی نسبت یہ تنگنوں روایتیں مذکور ہیں۔ اور بے شبہ اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف ان میں زیادہ تھے لیکن اس کے متعلق تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہئے۔ جو علیہ الاولیاء ابن عساکر ’کنز العمال‘ ریاض النضرہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گری محفل کا سبب ہوتی تھیں۔ اور عوام ان کو نہایت ذوق سے سنتے تھے۔ اس لئے خود بخود ان میں مبالغہ کارنگ آتا گیا ہے۔ اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں ان میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں ان میں بڑی احتیاط کی ہے۔ اور ریاض النضرہ و ابن عساکر و علیہ الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

آخر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضروری ہے۔ آج کل کی اعلیٰ درجہ کی تاریخی جنہوں نے قبول عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشاء پر دازی سے مرکب ہیں۔ اور اس طرز سے بڑھ کر اور کوئی طرز مقبول عام نہیں ہو سکتا۔ لیکن درحقیقت تاریخ اور انشاء پر دازی کی حدیں بالکل جدا ہیں ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقش اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقش کھینچنے والے کا یہ کام ہے کسی حصہ زمین کا نقش کھینچنے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اس کی ہیئت ’شکل‘ ’سمت‘ ’جہت‘ ’اطراف‘ ’املاخ‘ ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اس کے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لے گا یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھائے گا جن میں



کوئی خاص اجماعی ہے اور جن سے انسان کی قوت منقطع پر اثر پڑتا ہے مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مؤرخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کی تمام جزئیات بیان کر دے گا۔ لیکن ایک انشاء پردازان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی و نیکی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے سے نظر نہ آئیں۔

مؤرخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سارا واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے یورپ میں آجکل جو بڑا مؤرخ گذرا ہے اور جو طرز حال کا موجد ہے وہ بھی ہے اس کی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے۔

”اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پختہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔“

یہ امر بھی حتمی ضروری ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔ اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس لیے مؤرخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں۔ لیکن یہ اس کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط کر دے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔

اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کیلئے تہمتیں اور انداز سے لکھتے ہیں کہ وہ واقعہ بالکل ان کے اجتہاد کے قالب میں داخل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

① بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آسکتے ہیں۔ اس لیے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آگئے ہیں اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھائی گئی ہے۔

② کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انہیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق

تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

③ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ مثلاً ازالۃ الخفاء و ریاض النضرہ وغیرہ ان کا جہاں حوالہ دیا ہے اس بناء پر دیا ہے کہ خاص ایسی روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کر لی گئی ہے۔ غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند ندم مہر خوشی بر لب  
کس چہ داند کہ دریں پہلو چہ سودا کردم  
ہیکے تازہ کہ خواہم بہ عریاں نمود  
لختے انفق خوش نیز تراشا کردم  
مخمل ازبافہ دوشینہ نیا سوہ بنود  
بادہ بند ترا دوش بہ بیتا کردم  
باز خواہم کہ دم در تن اندیشہ دواں  
من کہ در یوزہ فیض اندم عیسی کردم  
میشیں بخت حکمت و شریعت می جست  
لختے از نسوہ روح القدس الما کردم  
شاہد راز کہ کس پہلو ز بدیش مگرفت  
گرہ از بند قبائش بہ فسوں واکردم  
بسکہ ہر بار گہر بار گذشتم زیں راہ  
دشت معنی ہمہ پر لولوے والا کردم



## نام و نسب کن رشد و تربیت

سلسلہ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قریظ بن ذرل عدی بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں عدنان کا سلسلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے عدنان کے نیچے گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحبِ اقدار تھے ان کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے قریش کی نسل میں سے دس شخصوں نے اپنے زورِ لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا اور ان کے احتساب سے دس جدِ انامور قبیلے بن گئے یعنی ہاشم، اسد، نوفل، عبد الدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، مخ، مخ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدی کی اولاد سے ہیں عدی کے دوسرے بھائی مرثدہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے اس لئے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چھتر بھی ان پر سایہ افکن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے اور ہر صیغے کا اہتمام جدا تھا مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی، خراج کی خبر گیری، سفارت، شیوخ قبائل کا انتخاب، فصل مقدسات، مجلس شورا وغیرہ وغیرہ عدی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جدِ اعلیٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے اس کے ساتھ منافروں کے معرکوں میں ثالث بھی ہوا کرتے تھے عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دور کیسوں میں سے کسی کو انصافیت کا دعویٰ ہوتا تو ایک لائق اور پایہ شناس ثالث مقرر کیا جاتا۔ اور دونوں اس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طویل ہوتا کہ مینوں معرکے قائم رہتے جو لوگ ان معرکوں میں حکم مقرر کئے جاتے ان میں معاملہ قسمی کے علاوہ فصاحت اور زورِ تقریر کا جو ہر بھی درکار ہوتا یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل مقدمہ الفریہ باب فصائل عرب میں ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جدِ امجد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا نفیل بن عبد العزی نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد عبد المطلب اور حرب بن اُمیہ میں جب ریاست کے دعویٰ پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا نفیل نے عبد المطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے۔

اتنا لرد جلاًھوا طول منک فامتہ واوسم وسانتہ واعظم منک  
ہامتہ واکثر منک ولدًا واولاد منک ممتدًا وانی لا الفول ہذا  
وانک لبعید الغضب رلع الصوت لی العرب جلد العریة  
لجبل العسيرة۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برادرِ علم زاد

نفیل کے دو بیٹے تھے عمو خطاب عمو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے نہایت اعلیٰ درجہ کے شخص تھے وہ ان ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا۔ اور موجد بن گئے تھے ان میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قیس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل۔

زید بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ برا کہتے تھے اور لوگوں کو دینِ ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے خطاب نے اس قدر ان کو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے اور حراء میں جا رہے تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں۔ جن سے ان کے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے دو شعر یہ ہیں۔

أنا واحدًا ام الف رب

۲۔ زید کا مفصل حال اسد القایہ کتاب الاولاد اور معارف ابن تیمیہ میں ملے گا۔



ادین اذا تقسمت الامور  
توکت اللات والعزیٰ جعیما  
کذلک بفعل الرجل البصیر

ایک خدا کو مانویا ہزاروں کو؟ جبکہ امور تقسیم ہو گئے۔ میں نے لات اور عزیٰ (بتوں کے نام تھے) سب کو خیر باد کہا اور سمجھدار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے والد خطاب

خطاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں عدت سے عداوت چلی آئی تھی اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان پڑا تھا اس لئے غلبہ انہیں کو رہتا تھا عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر سہم کے دامن میں پناہ لی اس پر بھی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطاب نے یہ اشعار کہے۔

ابو عد نی ابو عمر وودونی  
رجال لا ینہنا الوعد  
رجال من ہی سہم بن عمرو  
الی ایہا تہم یلوی الطرد

کل آٹھ شعر ہیں اور علامہ ابن زنی نے تاریخ مکہ میں ان کو جہاں نقل کیا ہے عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام صفاء میں سکونت رکھتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انہی کے ہاتھ بیچ ڈالے۔ لیکن خطاب کے متعدد مکانات صفاء میں باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفاء اور مودہ کے بیچ میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں دھاکر حاجیوں کو اترنے کے لئے میدان بتا دیا۔ لیکن اس کے متعلق بعض دکانیں مدت تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے قبضے میں رہیں۔ خطاب نے متعدد شادیاں اونچے گھرانوں میں کیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں کا نام خنتہ تھا ابن ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں منیہ اس رتبہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی سے لڑنے کے لئے جاتے

تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے ان کو صاحب الاعق کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی کے پوتے تھے منیہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی ولادت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور روایات کے مطابق ہجرت نبوی سے ۳۰ سال پہلے پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن عاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند اصحاب کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعہ ایک غل اٹھا۔ روایت سے معلوم ہوا کہ خطاب کہ گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی۔ ان کے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کیونکر معلوم ہوتے۔ اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ جوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے تاہم نہایت تفحیص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جن کا نقل کرنا ناموزن نہ ہو گا۔

### سن رشد

سن رشد کو پہنچ کر ان کے باپ خطاب نے ان کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کو چرانے تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ ان سے سلوک کرتے تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مصیبت انگیز خدمات انجام دینی پڑتی تھی۔ اس کا نام بنجران تھا۔ جو مکہ معظمہ کے قریب قدیدہ سے درمیل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گذر ہوا تو ان کو نہایت عبرت ہوئی کہ یہ وہی ہے جو کہ فرمایا کہ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدہ کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں۔ (طبقات ابن سعد)

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھے عرب میں اس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازماً شرافت خیال کی جاتی تھیں نسب دانی سپہ گری پہلوانی اور مقرری تھی



نسب دانی کا فن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا جاہل نے کتاب البیان والبتین میں تصریح لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے باپ اور دادا قبیل تینوں بڑے نساب تھے غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور منافرت یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور ان کے انجام دینے کے لئے نساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاہل نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل تھا یہاں تک کہ عکاظ کے جنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میلہ لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جوہر دکھاتے تھے اس لئے وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے نابغہ زیبانی حسان بن ثابت، قیس بن ساعدہ، نضاء جن کو شاعری اور ملکہ تقریر میں تمام عرب ماننا تھا اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں یہ سند روایت نقل کی ہے کہ عکاظ کے جنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔

شسواری کی نسبت ان کا کمال عموماً مسلم ہے چنانچہ جاہل نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مصرح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مورخین نے اتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے دیا تھا اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار ان کو یاد تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت میں ہی عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہو گا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے کہ طبقات ابن سعد (طیور مصر) صفحہ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔

تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے اسی زمانے میں انہوں نے لکھا اپردہنا بھی سیکھ لیا تھا۔ اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی علامہ بلاذری نے یہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں علم آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے ان میں ایک عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے (فتح البلدان بلاذری صفحہ ۴)۔

ان فنون سے فارغ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا۔ اور یہی شغل ان کی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے خود داری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی، یہ تمام اوصاف جو ان میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب انہی سفروں کی بدولت تھے ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مؤرخ نے ان پر توجہ نہیں کی۔ علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذهب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ :

ولعمر بن الخطاب اخبار كثير في اسفاره في الجاهلية الى الشام

والعراق مع كثير من ملوك العرب والعجم وقد اتينا على

ميسوطها في كتابنا اخبار الزمان والكتب الاوسط

”عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر

کئے ان سفروں میں جس طرح وہ عرب و عجم کے بادشاہوں سے ملے

اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے تفصیل کے

ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔“

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں۔ لیکن قوم کی بد مذاقی سے مدت ہوئی ناپید ہو چکی ہیں میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے۔ لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدث بن عساکر نے تاریخ دمشق میں جس کی بعض جلدیں میری نگاہ سے گذریں ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔



مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں نے ان کو تمام عرب میں روشناس کروایا اور لوگوں پر ان کی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے یہاں تک کہ قریش نے ان کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا۔ قبائل میں جب کوئی پر خطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔

## قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل ناموس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے سعید کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لائے تھے ان کے دشمن بن گئے لینے ان کے خاندان میں ایک کثیر تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشہ مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لینے کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زندہ کو بے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بد دل نہ کر سکے آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (خود پائند) خود باقی اسلام کا قصہ پاک کر دیں، تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے کارکنانِ قضا نے کہا: ع

تد آں یارے کہ حاجی خواہیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ یو لے کہ ”محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں“۔ انہوں نے کہا کہ ”پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لائے ہیں“۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں۔ اور قرآن کے اجزاء چھپائے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی۔ بہن نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ ان کا بدن لہو لہان ہو گیا۔ اسی حالت میں



ان کی زبان سے نکلا کہ ”عمرا جو بن آئے کرو۔ لیکن اسلام ایدل سے نہیں نکل سکتا۔“ ان الفاظ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بسن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے بدن سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی۔

سبح لله ما فی السموات والارض وهو العزيز الحكيم۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے امنوا باللہ ورسوله تو بے اختیار پکار اٹھے کہ

اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمدًا رسول الله۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکھ گئے تھے۔ اور اس تازہ واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی اس لئے صحابہ کو تردد ہوا۔ لیکن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آئے ہو۔ مخلصانہ آیا ہے۔ تو بہتر نہ اسی کی تلواریں اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا ”کیوں عمر کس ارادہ سے آیا ہے؟“ نبوت کی پر رعب آواز نے ان کو کپکپایا ”نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ ”ایمان لانے کے لئے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے۔ اور ساتھ ہی تمام اصحاب نے مل کر زور سے اللہ اکبر کا فہوا مارا کہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

(نسب الاشراف بلاذری وطبقات ابن سعد واسد اللہ ابن مسعود کمال ابن الاثیر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا۔ اس وقت تک ۴۰۰۰ توہی اسلام لا چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم اپنے مذہبی فرائض علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں تو نماز پڑھنا بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کے ساتھ دفعہ یہ حالت بدل گئی۔ انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی۔ لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا۔

فلما اسلم عمر لائل لربنا حتى صلی عند الکعبۃ وصلینا معه  
”جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں  
تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوا۔

## ہجرت

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا ان کی بے پروائی خفہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقے میں آگئی تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانا چاہا۔ حضرت ابوطالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جس جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور دار فکلی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ حالت چنانچہ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گذرا کہ اس کی تفصیل ایک نیا بیت درواغینز داستان ہے۔

اسی اثناء میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں سب سے پہلے ابو سلمہ عبد اللہ بن اسہل رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤذن اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہیں انہوں نے کعبہ کا قصد کیا صحیح بخاری میں ۴۰۰ کا عدد مذکور ہے۔ لیکن ناموں کی تفصیل نہیں ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے اور وہ یہ ہیں۔



حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی

زید بن خطاب، سعید بن زید بن خطاب، خنیس بن حذافہ، سہمی، عمرو بن سراقہ، عبد اللہ بن سراقہ، واقعہ بن عبد اللہ، تمیمی، خولی بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی، ایاس بن کبیر، عاتل بن کبیر، عامر بن کبیر، خالد بن کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سے زید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی سعید بن جعجی، خنیس داماد اور بانی دوست احباب تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی، مہاجرین زیادہ تر قبا میں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہیں رفاہ بن عبد المنذر کے مکان پر ٹھہرے۔ قباء کو عوالی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے قزو گاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ (۶۳۲ء) ستر ہجری نبوی میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔

مہاجرین اور انصار میں اخوت

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے رہنے سنے کا انتظام کیا، انصار کو بلا کر ان میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا اثر یہ ہے کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا انصاری مہاجر کو اپنی جائیداد، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے کوحا کو حابا بنت دیتا تھا، اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے، اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طرفین کے رجبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے، یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہو یا اسی درجے کے انصاری کھلا بھائی بناتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس کا بھائی قرار دیا، ان کا نام عثمان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، جو قبیلہ بنو سالم کے بے سردار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے رکنو ہجرت ابن ہشام حافظ ابن کثیر نے مقدمہ فتح الباری (ص ۳۲۱) میں عثمان کی بھائی اوس بن خولی کا نام لکھا ہے لیکن عجیب ہے کہ خود علامہ موصوف نے اسباب میں ابن سعد کے حوالہ سے عثمان ہی کا نام لکھا ہے اور اوس بن خولی کا جہاں حال لکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔

تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قباء ہی میں قیام رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہیں مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ٹانگہ دے کر بلا التزام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے اور دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ ٹانگہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ ان کے برادر اسلامی عثمان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر روایت کرتے تھے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب الزکاة وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینہ پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض و ارکان محدود اور معین کئے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ زکوٰۃ، روزہ، نماز جمعہ، نماز عیدین، صدقہ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو رکعتیں تھیں۔ یہاں تک کہ اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ بھی رائے دی، ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز تھی۔ بہر حال یہ مسئلہ زیر بحث تھا، اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنکھ اور انہوں نے کہا کہ ایک آوی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان)

اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق قائم ہوا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دریاچہ اور اسلام کا بڑا شعار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم انہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔



## سنہ ہجری (۳۳۳ء) تاوفات رسول اللہ ﷺ

## غزوات و دیگر حالات

سنہ ہجری (۳۳۳ء) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات اور حالات اور حقیقت سیرۃ نبوی کے اجزاء ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لڑائیاں پیش آئیں غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کئے گئے اشاعت اسلام کے لئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۃ نبوی سے بدل جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کارنامے گو کتنے ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں اس لئے جب قلمبند کئے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی قرار پائے گا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے نمنا ذکر میں آئیں گے اس لئے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں۔ اور جن واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص تعلق ہے ان کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جائے۔ اس صورت میں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک کسی واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے اس کی اصل شان قائم نہیں رہتی تاہم اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

اب ہم اختصار کے ساتھ ان واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کروا جائے تو وہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے انہوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دو سرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا، صرف اس قدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار ان کو روکنے کے لئے تھوڑی تھوڑی سی

فوجیں بھیجیں اور وہ وہیں رک گئے۔

## غزوہ بدر سن ۲ ہجری (۳۳۳ء)

۲ ہجری (۳۳۳ء) میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ابو سفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لے کر شام سے واپس آ رہا تھا کہ راہ میں یہ (غلط) خبر سن کر کہ مسلمان اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ عام مؤرخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا۔ لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

کَمَا اخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَانْ لِرَبِّكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ  
لَكَرْهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَانَمَا تَسْأَلُونَ اِلَى  
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ وَادْبَعَكُمْ اللَّهُ اَحَدًا مِنَ الطَّالِفِينَ اِنَّهَا  
لَكُمْ وَتُودُونَ اِنْ غِيَرْتِ الشُّوْكَهَ تَكُوْنُ لَكُمْ ۔

”جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی پر نکالا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ غامض تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے۔ بعد اس کے سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جب کہ خدا وہ گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے“

① جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ چپکھاتا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔

② مدینہ سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیرو ذات الشوکہ یعنی ابو سفیان کا کاروان تجارت اور دوسرا قریش کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لئے سو مسلمان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اس کے علاوہ ابو سفیان کے قافلہ میں ۴۰ آدمی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم



مدینے سے تین سو بہادریوں کے ساتھ نکلے تھے۔ تین سو آدمی ۴۰ آدمی کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے۔ اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے لوٹنے کے لئے نکلے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرما تا کہ مسلمان ان کے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہر حال ۸ رمضان ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۵۵ کی جمعیت تھے جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریب ۶ میل ہے معرکہ ہوا۔ اور کفار کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۳ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے قریش کی طرف ۷۰ مقتول اور اسی گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابو جہل، عقبہ بن ربیعہ، شعیبہ اور بڑے بڑے ناسائے مکہ تھے اور ان کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر جانبازی دیا مویگی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و پا بند رہے۔ لیکن ان کی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں۔

① قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے۔ لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے میں سے ایک شخص بھی شریک جنگ نہ نہیں ہوا اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جاسکتا ہے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رعب و داب کا اثر تھا۔

② حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے قبیلے اور خلفاء کے ۴ آدمی شریک جنگ تھے جن کے نام یہ ہیں۔ زید بن عرقہ، عمرو بن عبد اللہ، خولی بن ابی خولی، عامر بن ربیعہ، عامر بن بکیر، خالد بن بکیر، ایاس بن بکیر، عاقل بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

③ سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ صحیح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۴۵)

④ عاصی بن ہشام بن مغیرہ قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (ابن جریر صفحہ ۵۵ و ۵۶)

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ اس کی

۱۔ طبری تاریخہ ص ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶



اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئے تو مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے قتیاب آئے تو ان کو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان نور پکڑ کر ان کے برابر کے حریف نہ بن جائیں۔ چنانچہ خود چھیڑ شہر کی۔ اور کہا کہ "قریش والے فن حرب سے نا آشنا تھے۔ ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اس کو کہتے ہیں "نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا توڑ ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال سر بھری میں ان پر چڑھائی کی۔ اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلاوطن کر دیے گئے۔ اسلام کی تاریخوں میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اس کی ابتداء اسی سے ہوئی تھی۔

### غزوہ سویق

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بیتاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لوں گا قتل تک نہ کروں گا۔ چنانچہ ذابجہ ہر بھری میں دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑا۔ اور ان کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا۔ لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ سوال سر بھری (۳۵ھ) میں جنگ احد کا مشہور واقعہ ہوا۔

### غزوہ احد سمر بھری

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور دیگر بہت سے سرداران قریش نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جاسکتا ہے۔ ابوسفیان نے قبول کیا۔ اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کنانہ اور قحطانہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ساتھ ہو گئے۔ ابوسفیان ان کا سپہ سالار بن کر بڑے سواروں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ اور ماہ سوال بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچ کر مقام کیا۔ آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ نہ کا جائے۔ لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر مجبور ہو کر جود کے دن مدینہ سے نکلے قریش کی قہقہہ آوازیں سنیں جس میں ۲۰۰ سوار اور ۱۰۰۰ زہ پوش تھے۔ میمنہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ (اس وقت تک یہ دونوں

صاحب اسلام نہیں لائے تھے) اور ہر کل ۱۰۰۰ آدمی تھے جن میں سوزہ پوش اور صرف دو سوار تھے۔ مدینہ سے قریب تین میل پر احد ایک پہاڑ ہے۔ اس کے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبر کو ۵۰ تیراندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ اوہرے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔ سوال بدھ کے دن لڑائی شروع ہوئی، سب سے پہلے قحطانہ نے اپنی رکاب کی فوج کو لے کر حملہ کیا۔ اور قریش کے میمنہ کو شکست دی، پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو جہلہ دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ اور ان کی صفیں الٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غیبت پر ٹوٹ پڑے، تیراندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے۔ اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ تیراندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعتاً عقب سے بڑے زور و شور کے ساتھ حملہ کیا، مسلمان چونکہ ہتھیار ڈال کر غیبت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں منفر کی کڑیاں چبھ گئیں۔ اس کے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ اور لوگوں کی نظرتے چھپ گئے، اس برہمی میں یہ غل پڑ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہارے گئے۔ اسی خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو متزلزل کر دیا۔ اور جو جہاں تھا وہیں سرا سیمہ ہو کر رہ گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخیر تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی یعنی سعد اور طلحہ رہ گئے تھے۔ نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ محمد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳۲ آدمیوں کا نام لیا ہے۔ اسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب اوہر اوہر پھیل گئے تو کافروں نے دفعتاً عقب سے حملہ کیا۔ اور مسلمان سرا سیمہ ہو کر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملا گیا لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے گئے۔

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ تو ایسے سرا سیمہ ہوئے کہ انہوں نے مدینہ آکر روم لیا۔ کچھ لوگ







سب زندہ ہیں" ابوسفیان نے کہا اعلیٰ ہبل "اے ہبل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو" رسول اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جواب "اللہ اعلمی واجل یعنی خدا بلند و برتر ہے۔ (سیرت شام صفحہ ۵۵۵ و طبری صفحہ ۳۵۵)

### حضرت حفصہؓ کا عقد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

اس سال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن خذافہ کے ساتھ ہوا۔ خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خواہش کی کہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی وہ بھی چپ رہے۔ کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سمر جہری شعبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔

### واقعہ بنو نضیر ۳ ہجری (۶۳۰ء)

۳ ہجری (۶۳۰ء) میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا اور ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے۔ آنحضرت نے ان سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد نقص عہد کیا اور اس جرم میں مدینے سے نکال دیئے گئے۔ بنو نضیر کا تھا۔ یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ۳ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک معاملے میں استعانت کے لئے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئے "ان لوگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عمرو بن جاش تھا آواز کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پتھر کی سی گرا دے۔ وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی "تپ اٹھ کر چلے آئے۔ اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ انہوں نے انکار کیا۔ اور مقابلے کی تیاریاں کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قابو پا کر جلا وطن کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے کچھ خیبر

میں جا کر آباد ہوئے۔ اور وہاں حکومت قائم کر لی۔ (طبری صفحہ ۳۵۵)

خیبر والوں میں اسلام بن ابی التحفین کنانہ بن الربیع اور حبش بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیبر میں پہنچ کر مطمئن ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینا چاہا "مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی" قبائل عرب کا دوبہ کیا اور تمام ممالک میں ایک آگ لگا دی۔

### جنگ خندق یا احزاب ۶ ہجری (۶۲۷ء)

چند روز میں دس ہزار آوی قریش کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور شوال ۶ ہجری میں ابوسفیان کی سپہ سالاری میں اس سیلاب نے مدینہ کا رخ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر صلح کے آگے ایک خندق تیار کرائی عرب میں خندق کا رواج نہ تھا۔ اس لئے کفار کو اس کی کچھ تدبیر بن نہ آئی مجبوراً محاصرو کر کے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی "ایک مہینے تک محاصرو رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے خندق کے اوہر اوہر کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو متعین کر دیا تھا کہ دشمن اوہر سے نہ آنے پائیں "ایک جگہ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعین تھے۔ چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زہیر کے ساتھ آگے بڑھ کر یوکا۔ اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اس قدر ان کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوئے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو ۵۵ سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا "اس کے مارے جانے کے بعد اوہر تو قریش میں کچھ بیدلی پیدا ہوئی "اوہر فہیم بن مسعود نے جو اسلام لائے تھے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی۔ جو تونز سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلاوادی "مختصر یہ کہ کفر کا ابر سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹا گیا۔ اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

۱۔ مدینہ سے ۱۱۵ ایک پناہ ہے۔ ۲۔ واقعہ شوال اولیٰ اللہ صائب نے ازالہ اقسام میں لکھا ہے۔ لیکن میں نے کسی کتاب میں اس کی سند نہیں پائی۔



## واقعہ حدیبیہ ۶ ہجری (۶۳۸ء)

۶ ہجری میں آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا۔ اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو۔ حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل پر ایک مقام ہے) پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ اور آپ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لئے۔ جبکہ مکہ معظمہ دو منزل رہ گیا تو مکہ سے بڑھیں سفیان نے آکر خبر دی کہ ”تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں سے کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انہوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی میرا حامی موجود نہیں۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز و اقارب وہیں ہیں اس لئے ان کو بھیجنا مناسب ہو گا“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک رکھا۔ اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دئے گئے رسول اللہ نے یہ سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چورہ سو تھے جہاد پر بیعت لی۔ اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی تھی یہ واقعہ بیعت الشجرہ کے نام سے مشہور ہوا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ”لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ“ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اس کو بیعت رضوان بھی کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوہ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی جا کر بیعت کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سجا رہے ہیں۔ عبد اللہ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت اٹھے اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے رو دہل کے

بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان الٹے واپس جائیں۔ اگلے سال آئیں۔ لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے۔ اور اس اثناء میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیں۔ لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو اختیار ہو گا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ابھی نکلا نہیں جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دپ کر کیوں صلح کی جائے۔ انہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسکین نہیں ہوئی خود رسول اللہ کے پاس گئے۔ اور اس طرح بات چیت کی۔

یا رسول اللہ! کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہ! بے شک ہوں۔

حضرت عمر! کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہ! ضرور ہیں۔

حضرت عمر! پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

رسول اللہ! میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا، چنانچہ بعد میں ان کو سخت عداوت ہوئی۔ اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے، غنیمت پر دھیں، خیرات دی، غلام آزاد کئے، تاہم سوال و جواب کی اصل بناء اس نکتہ پر تھی کہ رسول کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کون سے رسالت کے منصب سے۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

غرض معاہدہ صلح نکلا گیا اور اس پر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورہ فتح نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر وہ سورہ نازل ہوئی جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے







معرکہ ہو چکے تھے لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح وقوع میں آئی اور شرائط معاہدہ کی رو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے۔ لیکن چند روز بعد بنو مکہ نے نقض عہد کیا۔ اور قریش نے ان کی اجانت کی۔ یہاں تک کہ خراہ نے حرم میں جا کر پناہ لی۔ تب بھی ان کو پناہ نہ ملی خراہ نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا ابو سفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لئے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا وہ اٹھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملے کو طے کر دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں۔ اور رمضان ۸ھ ہجری میں ۱۲ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ مقام مرا النہران میں نزول اجلال ہوا۔ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غجر پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے۔ اوھر سے ابو سفیان آ رہا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا: "آئیں تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن و لاہول ورنہ آج حمیری خیر نہیں" ابو سفیان نے قیمت سمجھا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو لیا راہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامنا ہوا۔ ابو سفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیال کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی سفارش کے لئے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ بدوقت کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "عمرا! ابو سفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہ ہوتا، اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس کی جان کے خواہاں نہ ہوتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوئی تھی۔ جب آپ اسلام لائے تھے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش قبول کی۔ اور ابو سفیان کو امن دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے جاہ جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور در کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ جو بعینہ تاب نگوں میں مقبول ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مقام منہا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو چنانچہ عورتوں نے انہی کے ہاتھ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

### غزوہ حنین

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ابتداء سے اسلام کی ترقی کو رقاہت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے تو مکہ پر حملہ کے لئے بڑے سارو سامان سے روانہ ہو کر حنین میں ڈیرے بٹوالے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو بارہ ہزار کی جمیعت کے ساتھ مکہ معتمر سے روانہ ہوئے حنین میں دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملہ میں ہوازن کو بے ہنگام کیا۔ لیکن مال غنیمت کے لالچ میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا۔ اور اس قدر تیرہ سائے کہ مسلمانوں میں الجھل مچ گئی۔ اور بارہ ہزار آدمیوں سے محدود دسے چند۔۔۔۔۔ کے سوا باقی سب بھاگ نکلے۔ اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔ اور ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں۔ اور مغازی ویر کے امام مانے جاتے ہیں۔ کتاب المغازی میں لکھا ہے کہ "وہا بنیہ چند تن از مهاجرین و انصار داخل بیت بازماندہ بودند مثل ابو بکر علی و عمر عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھارت لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر بن گئی۔ یعنی مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

۸ھ ہجری میں خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا لمحہ تھا۔ حنین کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو کہ معتمر سے نو دس میل ہے۔ یہ تارن طبری۔ کے صحیح مسلم غزوہ حنین۔ میں اسحاق کی اصل کتاب میں ہے نہیں دیکھی۔ لیکن اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ فارسی زبان میں میری نظر سے گزرا ہے اور عبارت مقولہ اسی سے ماخوذ ہے یہ ترجمہ ۱۳۰۰ھ میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا۔ اور اس ایک نہایت قدیم نسخہ الہ آباد کے کتب خانہ عام میں موجود ہے۔



زمانہ تھا اس لئے لوگوں کو ذرا مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی برقیں پیش کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے لایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ غرض اسلحہ اور رسد کا سامان جیسا کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے لیکن مقام تبوک میں پہنچ کر مظلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ اسی لئے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازدواج مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی۔ اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرز عمل سے یہ خیال ہوا تھا کہ آپ نے ازدواج کو طلاق دے دی اس لئے تمام صحابہ کو نہایت رنج و اندوس تھا۔ تاہم کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہونا چاہا۔ لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکار کر دربان سے کہا کہ ”شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں تنفہ (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کے لئے آیا ہوں خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو میں جا کر تنفہ کی گردن لٹا دوں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً بلایا ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ ”کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازدواج کو طلاق دے دی؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تمام مسلمان مسجد میں سو گوار بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو انہیں یہ مژدہ سناؤں اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہی واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ ”عمر! تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے۔ یہاں تک کہ اب ازدواج میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔“

مہر بھری (۳۶ء) میں تمام اطراف عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں۔ اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آئے۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپ کا آخری حج تھا۔ ۱۲ ہجری (۶۳۳ء) ماہ صفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے مقابلے کے لئے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مامور کیا۔ اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جائیں لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیار ہو گئے اور تھوڑے ملتوی ہو گئے۔

۱۰ ترمذی و ابو داؤد میں واقعہ فضائل ابو بکر کے تحت میں منقول ہے۔ لیکن غزوہ کی شہین نہیں ہے۔ صحیح مسلم باب العام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت مشہور ۳۳ دن بیمار رہے۔ یہی سبب صحیح ان کی تعداد دس دن بیان کی ہے۔ سلیمان حمیری نے بھی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے۔ بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اس قدر افادہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا نہایت مفلوظ ہوئے اور تعجبم فرمایا۔

### قرطاس کا واقعہ

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا۔ اور فرمایا کہ ”میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم اسکو گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دہد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ ”رسول اللہ کی باتیں کر رہے ہیں۔“ (نحوذ باللہ) ہدایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہدیان کے ہیں۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے دہد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ ”لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی۔ اور اس لئے اس میں سود و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے پروائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے۔ طویہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہدیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نحوذ باللہ)

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے۔ اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائی کی ہیں۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں۔ اور اصول و روایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اس لئے مسئلہ نا منفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں۔ یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ تغیر سے ہدیان ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ ہدیان انسانی عوارض میں ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔



یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منتقل ہے اس سے کسی امر پر استناد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

- ① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم بیش ۳۵ دن تک بیمار رہے۔
- ② کاندھ و قلم روایات طلب کرنے کا واقعہ جعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں تصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار دن تک زندہ رہے۔
- ③ اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلاف حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

④ اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے۔ لیکن یہ حدیث باوجود اس کے بہت سے طریقوں سے موی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں سات طریقوں سے مذکور ہے) یا اس پر بجز عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی اور صحابی نے اس واقعہ کی تصریح نہیں فرمائی۔

- ⑤ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اس وقت صرف ۳-۴ برس کی تھی۔
- ⑥ پچھلے سے یہ کہہ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔ بخاری باب کتابہ اعظم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ میں موجود تھے اس لئے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور بہ دلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ موجود نہ تھے۔

⑦ تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاندھ و قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ پہنکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔ علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر ان کا تاثر ہے کہ صحابہ نے یہ لفظ انکار و استہجاب کے طور پر کہا تھا۔ یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی قبیل کوئی بات ہے۔ خدا عزوجل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہدیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جائے یہ تاویل گنتی ہوئی ہے۔ لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں۔ مثلاً ہجر ہجر (مذکورہ) یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجر (صحیح مسلم)

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قریبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف و حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے کہ ”قلم روایات لاؤ“ لوگوں کو ہدیان کا کیونکر خیال پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کر لو کہ انبیاء سے

ہدیان سرفرد ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے یہ تو معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہدیان کہی جائے ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ قلم روایات لاؤ میں ایسی چیزیں لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو اس میں ہدیان کی کیا بات ہے؟ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح کہی جائے تب بھی اس قدر بہر حال تسلیم کرنا ہو گا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں نہیں ہیں اور یہ ہوشی کی حالت میں قلم روایات طلب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں۔ کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ احنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ ان کی عمر اس وقت ۳-۴ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کو تاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اس کو سمجھنا چاہئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری بیعت محفوظ نہ رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہدیان اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے۔ اور اس اثنا میں تمام صحابہ ہی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں۔ عین وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا تھا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرت نے پھر ربیع الاول ہجری دو شنبہ کے دن دسویں کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ دو شنبہ کو دوپہر چلتے پر مدفن ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپ کے وفات سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ عام روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ ”جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی اس کو قتل کر دوں گا“

۱۔ ہمارے محقق سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے اس لئے آپ کا یہ فرمان کہ میں لکھ دوں ہدیان کا قریب تھا۔ لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں تھیں کہ معنی لکھوانے کے بھی آتے ہیں۔ اور یہ ہمارا مقصود شائع ذرا ہے۔ ۲۔ طبری ص ۲۰۰



لیکن قرآن اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے ہمارے نزدیک چونکہ دینے میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا۔ جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا خطرہ تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلحتاً اس خبر کو پہلے سے روکا ہو گا۔ اسی واقعہ نے مداحوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس کے مطابق نہیں ہو سکتیں۔

## سفید بنی ساعدہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی۔ اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجینز و تکفین سے فراغت حاصل کی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اور ان کے قبضہ میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہواہ تسلیم کئے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے آنحضرت کے درد غم اور تجینز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ کی تجینز و تکفین چھوڑ کر سفید بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سفید بنی ساعدہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی۔ اور اس طرح ان کو ششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پرور منوانا چاہا گو بنو ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں جو غور طلب باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے چھیڑا تھا؟

۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سفید بنی ساعدہ میں گئے تھے؟



(۳) کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے؟  
(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟

پہلی دو بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب ابو یوسف کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ فِي مَنَازِلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَجُلٌ  
يُنَادِي مِنْ وَرَاءِ الْجِدَارِ أَنْ أَخْرِجْ إِلَيَّ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ الْيَكُ  
عَنِّي فَإِنَّا عِنْدَكَ مَشَا غِيلٌ بِمَعْنَى هَامِرٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ قَدْ حَدَّثَ اسْرِقَانُ الْأَنْصَارَ اجْتَمَعُوا فِي سَقِيفَةِ بَنِي  
سَاعِدَةَ فَأَدْرِكُوهُمْ إِنْ بَعْدُوا اسْرِقَانُ يَكُونُ فِيهِ حَرْبٌ فَقُلْتُ لَا يَبِ  
بَكَرًا أَنْطَلِقُ۔

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دو شخص دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے توانہی کہ ابن الخطاب (حضرت عمرؓ) ذرا باہر آؤ میں نے کہا چلو ہٹو ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بندوبست میں مشغول ہیں اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے۔ یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد بھیج کر ان کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر انھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ اس وقت میں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ چلو۔“

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی کیفیت یہ ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی کو تین گروہوں میں تقسیم کی جاسکتی تھی۔ بنو ہاشم جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل تھے مہاجرین کے رئیس و افسر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انصار جن کے شیخ القیلید سعد بن عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان سے باہر نکلے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزاج کیسا ہے، چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کے فضل و کرم سے آپ اچھے ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے۔ کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندان عبدالمطلب کا چھو موت کے قریب کس طرح خفیہ ہوتا ہے۔ آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب (خلافت) کس کو حاصل ہو گا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لیے وصیت فرمائیں گے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا تو پھر آئندہ کوئی امید نہ رہے گی۔“

(صحیح بخاری باب مرض النبی مع صحابہ)

اس روایت سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یقین نہ تھا اس لئے انہوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا اس کے علاوہ اپنے انتخاب کئے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کمر میں ایک مجمع ہوا تھا جس میں تمام بنو ہاشم اور ان کے اتباع شریک تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی روایت ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الہدایہ باب من الملی)

كَانَ مِنْ خَيْرِ نَاحِيْنِ نَوَ فِي اللَّهِ نَبِيْهِ اِنْ الْاَنْصَارُ خَالِفُوْنَا  
وَاجْتَمَعُوا بِاسْرِهِمْ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ وَخَالَفَ عَنَا عَلِيٌّ  
وَالزُّبَيْرُ مِنْ مَعْهُمْ وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُونَ اِلَى ابْنِ بَكْرٍ۔

”ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا تو انصار نے قابلیت ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی۔ اور مہاجرین ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمع



ہوئے۔

یہ تقریر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بہت بڑے مجمع میں کی تھی جس میں بیٹکوں صحابہ موجود تھے اسلئے اس بات کا گمان نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو۔ ورنہ یہ لوگ ان کو وہیں ٹوکے۔ امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے۔ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

وان عليا والزبير ومن كان معهما تخطوا الي بيت فاطمة بنت

رسول الله (فتح الباری شرح حدیث مذکور)

”اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے۔“

تاریخ طبری میں ہے۔

وتخلف علي والزبير واخترط الزبير سيفه وقال لا اصدق حتى

يبايع علي۔ (تاریخ طبری صفحہ ۸۲۰)

”اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علیہ کی اختیار کی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار میان میں نہ ڈالوں گا۔“

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے۔

(۱) انصار (۲) مہاجرین (۳) جوہاشم

② مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔

③ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے آئے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غم و الم میں مصروف تھے اور ان کو ایسے پروردگار پر خلافت کا خیال نہیں آ سکا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین اور انصار جمع تھے۔ اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعویٰ کی تائید نہ کرتا۔ کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

آخر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بے جا تھا یا بجایا؟ اس کو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو یا آسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا جو مدت سے اس بات کے..... منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں کیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع اور گریہ زاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے۔ اور ایک منظم حالت قائم ہو جائے انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا۔ کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلے تو عقبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ ”محمد! ہم تاجروں سے نہیں لڑ سکتے“ کسی طرح انصار کے آگے ہر تسلیم ظم نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا ”وان العرب لا تعترف بهذا الا امرالا لهذا الحي من قريش“ اس کے علاوہ انصار میں خود گروہ تھے، اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضروری تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دیا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے با اثر بزرگ اور معمر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور فوراً ان کا انتخاب بھی ہو جاتا۔ لیکن لوگ انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے۔ اور بحث طویل پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعۃً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمان، ابوعبید بن جراح، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی ہاتھ بڑھائے اور پھر عام خلعت ٹوٹ پڑی۔ اس کاروائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک

۱۔ ابن الدارمی نے الامام السلفیہ میں لکھا ہے کہ ان صرف پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی۔



کیا۔ اور لوگ مطمئن ہو کر کامیاب میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے اوعار پر کے رہے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہور ان سے بیعت لینی چاہی۔ لیکن بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا ”یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تاہم اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح جمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔“ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم روایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدعی اور عجز مزاحمی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کاروائیاں کیں ان میں کو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کہ انہی بے اعتدالیوں نے اٹھے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا۔ اور وہیں خانہ جنگیاں بپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں واقع ہو گئیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت سواند برس ہے۔ کیونکہ انہوں نے جملوی الثانی سہر بھری میں انتقال کیا۔ اس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت سے انجام پائے۔ تاہم ان واقعات کو ہم القاریق نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں۔ اور اس شخص کا حصہ ہیں جس کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ بدقول کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگراں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کسی سے اٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب انہوں نے رائے کا اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عید الرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قابلیت میں کیا کلام ہے۔ لیکن مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”ان کی سختی اس لئے

تھی کہ میں نرم تھا۔ جب کام انہی پر آپڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا ”انہوں نے کہا کہ میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں۔“ جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا۔ چنانچہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ ”آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہو گئے تو خدا جانے کیا کریں گے۔ اب آپ خدا کے ہاں جاتے ہیں۔ یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔“ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔“ یہ کہہ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔ اور عہد نامہ لکھوانا شروع کیا۔ ابتداً فی الفاظ لکھوائے جا چکے تھے کہ غش آیا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا لکھا ہے مجھ کو پڑھ کر سنو۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ”کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے“ عہد نامہ لکھا جا چکا تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنائے پھر خود بالا خانے پر جا کر لوگوں سے جو غپے جمع تھے مخاطب ہوئے۔ اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ بلکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔ کیا تم لوگ اس پر راضی ہو گئے سب نے سمعنا واطعنا کہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت ملاڑ اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے عہد دستور العمل کی جگہ کام آئیں۔



## خلافت اور فتوحات

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں کئی عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات مکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی ستر ہجری میں عراق میں لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ ستر ہجری (۶۳۳ء) میں شام پر حملہ ہوا۔ اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان صہبات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عنان خلافت اپنے ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام اپنی مہلت کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب بابیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ اس کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر ہے کہ عاد اور عمالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عراء جو یمن کے فرمانروا تھے ان کی حکومت ایک زمانہ میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسر کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہو گئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا۔ اور بیت المقدس کی بربادی نے ان کے نام کو شہرت دے دی ہے۔ جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اس کے مطیع ہو گئے۔ اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی۔ جس کا پہلا فرمانروا مالک بن فہم عدنانی تھا۔ اس خاندان میں جریمہ الارش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی۔ اس کا بھانجا عمر بن عدی جو اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس نے حیرہ کو دار السلطنت قرار دیا۔ اور عراق کا بادشاہ کہلایا۔ اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہو گیا تھا کہ ہشام کلبی کا بیان ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرہ میں اس زمانے

میں تصنیف ہوئی تھیں۔ اسی زمانے میں ابو شیر بن مالک نے طوائف الملوکی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو یا بکر بن مالک یا عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا۔ لیکن درحقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاہ پور بن ابو شیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا رہا تھا۔ اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں با بیکار ہو گئے۔ اور امراء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا۔ اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی چنانچہ شاہ پور بنی الاکناف جب صفر سنی میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ قبیلہ عبدا القیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا۔ اور ایاد نے عراق کے صوبے دیالے شاہ پور کو بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا۔ اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ ہجر میں پہنچ کر نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبدا القیس کو برباد کرنا ہوا۔ نہ منورہ تک پہنچ گیا۔ دسائے عرب جو گرفتار ہو کر اس کے سامنے آتے تھے ان کے شانے اکھڑا ڈالتا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذوالاکناف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطین حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانہ میں تھا۔ عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیل مذہب پر یا کسی اور سبب سے پرویز نے اسکو قید کر دیا۔ اور قید ہی میں اس نے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتھیار و غیر وہابی کے پاس امانت رکھوا دیے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا۔ پرویز نے اس سے وہ چیزیں طلب کیں۔ اور جب اس نے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ بنو ورجین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ڈی و قار ایک مقام میں بڑے سرداران سے جمع ہوئے۔ اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی۔ اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا کہ

هذا اول يوم انتصفت العرب من العجم

یعنی ”یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا۔“

عرب کے تمام شعراء نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ سنہ ۱۷ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو ہاں جو اس کے کہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ نہ تھا۔ پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ بازان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیج دو کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے دربار میں لائے۔“



اتفاق سے اسی زمانے میں پردیز کو اس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ یہیں تک رہ گیا۔

دوی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلج و عسان و ہذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کھلانے لگے تھے لیکن یہ لقب خود انکا خاندان ساز لقب تھا۔ ورنہ جیسا کہ مولف ابن الاثیر نے تصریح کی ہے در حقیقت وہ دوی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔

ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اور اس وجہ سے ان کو دومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی، اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے۔ سنہ ۸ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا۔ اور وجہ کلمہ (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارض ہذام میں پہنچے تو انہی شاہی عربوں نے وجہ پر حملہ کر دیا۔ اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دے کر بصری کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شریکل نے ان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اس کے انتقام کیلئے رسول اللہ نے سنہ ۸ ہجری میں لشکر کشی کی اور غزوہ موذی کا واقعہ پیش آیا، اس لڑائی میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بڑے بڑے رتبہ کے صحابہ تھے، شہید ہوئے۔ اور گو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی تاہم نتیجہ جنگ حقیقت شکست تھا۔

ہر ہجری میں دومیوں نے خاص مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اس وقت عارضی طور سے لڑائی رک گئی لیکن دوی اور عسانی مسلمانوں کی فکر سے کبھی غافل نہیں رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مشہور ہوا کہ آپ نے انداز مظہرات کو طلاق دے دی تو ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ کچھ تم نے سنا! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا؟ کہیں عسانی تو نہیں چڑھ آئے

اسی حفظ باللہ م کے لئے ہر ہجری میں رسول اللہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا۔ اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بڑے بڑے نامور صحابہ نامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار ہو کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص مارا جائے گا شہید ہو گا۔ اور جو بچ جائے گا مدافع عن الدین ہو گا۔ یعنی دین کو اس نے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہو گا۔ ان واقعات سے ظاہر ہو گا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس کی تکمیل کی اس کے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

### ۱۔ فتوحات عراق

فارس کی حکومت کا چوتھا دور جو ساسانی کہلاتا ہے نو شیراز عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس معزور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اسی اتھری پیدا ہو گیا کہ ایوان حکومت مدت تک محروم رہا۔ شہزادہ اس کے بیٹے نے کل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم بیش پسند نہ تھے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ارد شیرے برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن ذریعہ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اس کو قتل کر دیا۔ اور آپ بادشاہ بن بیٹھا یہ سنہ ہجری کا بارہواں سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اس کو قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا۔ وہ ایک برس کے بعد قتل کر دیا۔ اب چونکہ خاندان میں بزرگروں کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا، اولاد ذکر باقی نہیں رہی تھی۔

۱۔ جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصے کئے ہیں یعنی جو حصہ عرب سے ملتا ہے اس کو عراق عرب اور جو حصہ عجم سے ملتا ہے اس کو عراق عجم کہتے ہیں عراق عرب کی حدود اردن و یمن ہیں شمال میں جزیرہ جنوب میں بحر فارس مشرق میں خزرستان اور مغرب میں دیار مصر ہے جس کا مشہور شہر موصل ہے اور دار السلطنت اس کا بلخ ہے اور جو بڑے بڑے شہر اس میں آباد ہیں وہ موصل و واسطہ و دیوبند ہیں۔ ۲۔ طارے سور نہیں کا تمام طریقہ یہ ہے کہ وہ مسکین کو مٹوان قرار دیتے ہیں لیکن اس میں یہ نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آئے ہیں کہ سنہ ۳۰ ہجری میں ایران کا سلسلہ نوے شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھڑن پڑتا ہے اس لئے میں نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جاشام کو ایک جا مصر کو ایک جا لکھا ہے۔



پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یزگرد بن شعور کو پہنچ جائے گا تو وہی تخت و تاج کا مالک ہو گا۔ (شعور کے بعد حکومت کی ترتیب اور ناموں کی ترتیب میں سور نہیں اس قدر مختلف ہیں کہ وہ سورج بھی باہم متفق نہیں فردی کا بیان سب سے الگ ہے میں نے لحاظ قدیم ائمہ اور فارسی النسل ہونے ابو حنیفہ و جوری کے بیان کو ترجیح دی ہے)

یزید کے بعد جو انتخابات حکومت ہوتے رہے اس کی وجہ سے ملک میں جا بجا بے امنی پھیل گئی پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوان شاهی میں بٹھار رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ واکل کے دو سرداروں ثنی شیبانی اور سوید بھلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرہ وابلہ کی طرف غارت گری شروع کی۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیف اللہ بھامہ اور دیگر قبائل عرب کی مسلمات سے فارس ہو چکے تھے۔ ثنی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی ثنی خود اگرچہ اسلام لائے تھے۔ لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت سے واپس آکر انہوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ ان نو مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ نے کر عراق کا رخ کیا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کے تمام سرحدی مقام فتح کر لئے۔ اور حیرہ پر علم نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے۔ اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے حوزنق ایک مشہور نخل بنایا تھا وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں لیکن ان کے بیان کرنے کا یہ نکل نہیں تھا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمات عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اوپر شام کی صدمہ درپیش تھی اور جس زور شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اس کے مقابلے کا وہاں پورا سامان نہ تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربیع الثانی سمر ہجری (۳۳ھ) میں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور ثنی کو اپنا جانشین کرتے جاؤں اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات و فتوحات رک گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی صدمہ پر توجہ

کی بیعت خلافت کے لئے تمام اطراف و دیار سے پیشار آوی آئے تھے۔ اور تین دن تک ان کا تانتا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور مجمع عام میں جماد کا وعظ کیا۔ لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے۔ اور وہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی دن تک وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل مل گئے۔ ثنی شیبانی نے اٹھ کر کہا کہ ”مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزمایا ہے۔ وہ مومیدان نہیں ہیں عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے۔ اور ہجم ہمارا وہاں مل گئے ہیں“ حاضرین میں سے ابو عبیدہ ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے وہ جوش میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا لھنا یعنی اس کام کے لئے میں حاضر ہوں۔ ابو عبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرا دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ اور بے مضامفات سے ہزار آدمی انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبیدہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا۔ یعنی صحابی نہ تھے اس وجہ سے ان کی افسری پر کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آواز دیا کہ ”ہمرا! صحابہ میں سے کسی کو یہ منصب و فوج میں سینکڑوں صحابہ ہیں اور ان کا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ ”ہم کو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لڑنے سے جی چاہے وہ افسر مقرر کئے جائیں“ تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضروری تھی ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ ان کا اوپ ٹوطہ رکھنا اور ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایران کو چوتکا دیا تھا۔ چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد کوہ نر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا دیار میں طلب کیا۔ اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ سپید کا مالک ہے یہ کہہ کر اس کے سر پر تاج رکھا۔ اور دیاروں کو جن میں تمام امرا اور اخیان سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں۔ چونکہ اہل فارس اپنی طاقتوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز میں تمام بد انتظامیاں مٹ گئیں اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کی گئی جو ہرگز یوز کے



نہانے میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے پہلے غدیریہ کی کہ اضلاع عراق میں ہر طرف ہر کارے اور نقیب و زادیے جنہوں نے مذہبی حیثیت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھلا دی۔ چنانچہ ابو عبیدہ کے چننے سے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پورا دن دھشت نے رستم کی اعانت کے لئے ایک اور فوج گراں تیار کی۔ اور نری و جابلان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جابلان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا۔ اور عرب سے اس کو خاص عداوت تھی۔ نری کسری کا خالہ زاو بھائی تھا۔ اور عراق کے بعض اضلاع قدیم اس کی جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے اور ابو عبیدہ اور ثقیف جیو تک پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ مصلحت دیکھ کر خھان کو ہٹ آئے جابلان نمازق پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اثناء میں فوج کو سروسامان سے آراستہ کر لیا۔ اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لئے بڑھے۔ نمازق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جابلان کے میمنہ و میسرور جو شن شاہ اور موان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے لیکن بلا آخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے۔ موان شاہ بد قسمتی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جابلان اس حملے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ اس کو پہچاننا نہ تھا۔ جابلان نے اس سے کہا کہ اس پر صافے میں میں کس کام کا ہوں، مجھ کو چھوڑ دو مجھ کو جانے میں مجھ سے دو جوان غلام لو۔ اس نے منظور کر لیا۔ بعد کو لوگوں نے جابلان کو پہچانا تو غل بچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔ ابو عبیدہ نے اس معرکہ کے بعد کسکر کا رخ کیا۔ جہاں نری فوج لئے پڑا تھا۔ سقاطیہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نری کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ اور خود کسری کے دو ماہوں زاو بھائی ہندیہ اور تیمویہ میمنہ اور میسرور تھے۔ تاہم نری اس وجہ سے لڑائی میں دیر کر رہا تھا کہ پایہ تخت سے اندازی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبیدہ کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ بہت بڑے معرکہ کے بعد نری کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبیدہ نے خود سقاطیہ میں مقام کیا۔ اور تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بھیج دیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہے ان کو وہاں سے نکال دیں۔

قرن اور قراوند جو ہاروسا اور نوابی کے رئیس تھے۔ مطیع ہو گئے، چنانچہ انھماہر خلوص کے لئے ایک دن ابو عبیدہ کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے ابو عبیدہ نے دریافت کیا

کہ یہ سلمان کل فوج کے لئے ہے یا صرف میرے لئے؟ فرخ نے کہا کہ اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا۔ ابو عبیدہ نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے موان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا۔ اور جس کو نوشیرواں نے تقدس کے لحاظ سے بسمن کا خطاب دیا تھا۔ چار ہزار فوج کے ساتھ اس سلمان سے روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیلانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا۔ اور فتح و ظفر کا دریاچہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروجہ تھا۔ دونوں حریف صف آرا ہوئے چونکہ بیچ میں دیا حائل تھا۔ بسمن نے کہا بھیجا کہ یا تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں ابو عبیدہ کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کو اس طرف رہنا چاہئے لیکن ابو عبیدہ جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے کہا کہ یہ ناموسی کی دلیل ہے۔ سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جابلان کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں موان شاہ جو پیغام لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا کہ ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ ”عرب مو میدان نہیں ہیں“۔ اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا۔ اور ابو عبیدہ نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا۔ ثقی اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت و شان میں ان کا رتبہ ابو عبیدہ سے بڑھ کر تھا۔

جب ابو عبیدہ نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہو جائے گی۔ تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اتر کر غنیم سے معرکہ آرام ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا نظام نہایت سیب تھا بہت سے کوہ پیکر تھے جن پر کھٹے لگتے تھے، اور بڑے زور سے بچتے جاتے تھے گھوڑوں پر آہنی پائکھریں تھیں سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے عرب کے گھوڑوں نے یہ سیب نظام کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہدک کر پیچھے ہٹے ابو عبیدہ نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلا۔ گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو لاکاراکہ جانبانہ ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت الٹ دو اس توازن کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی







اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر فوج حریف و ہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکبیر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے۔ اور تیسری فوج پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ شئی نے دوسری تکبیر بھی یہی کہا تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان مضطرب نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش میں آکر صف سے آگے نکل گئے۔ شئی نے غصے میں آکر ڈاڑھی دانٹوں میں دہائی اور پکارے کے ”خدا کے لئے اسلام کو روانہ کرو“ اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آکر جم گیا، چوتھی تکبیر کہہ کر شئی نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح کرتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اٹھا، شئی نے فوج کو لٹکارا کہ گھبراہٹا نہیں یہ ناموا نہ غل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو۔ اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انہوں نے لپیک کہا، شئی نے ان سرداروں کو دونوں بانوں پر لے کر حملہ کیا۔ اور پہلے حملہ میں مہران کا سینہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دیکھا کہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اکٹڑ گئے۔ شئی نے لٹکارا کہ ”مسلمانو! کہاں جاتے ہو میں یہ ٹکڑا ہوں“۔ اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے شئی نے ان کو سیٹ کر حملہ کیا۔ عجمی اس حالت میں مسجود جو شئی کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔ ان کی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی شئی نے لٹکارا کہ ”مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ ہوا نہیں“ شرفاء یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمہارے علم جھکنے نہ پائیں۔“ خود مسجود نے گرتے گرتے کہا کہ ”میرے مرنے سے بے دل نہ ہونا۔“

دیر تک بڑی محسوس کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جابجاری سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا، شئی نے خود گھوڑے سے اتر کر اس کو گود میں لیا۔ اور اپنے بھائی مسجود کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے لیکن شئی کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کل کا کل بہاد ہو گیا۔ شہر راز جو ایک مشہور افسر تھا۔ قرط کے ہاتھ سے مارا گیا تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا۔ اور بڑی بہادری سے تیج بھٹ لڑ رہا تھا۔ کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان نے اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجے میں پکارا۔ ”میں تغلب کا نوجوان ہوں اور رکش عجم کا قاتل ہوں۔“

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت اچھی سے بھاگے۔ شئی نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مہران عجم کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا ادھر گزر ہوا۔ تو انہوں نے جا بجا پڑیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو رعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسریٰ کے اخیر دن آگئے۔ خود شئی کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں۔ اس وقت سو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا شئی نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر ادھر ادھر بھاگ گئے اور بے شمار غنہ اور اسباب ہاتھ آیا۔ پائے تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ”زمانہ حکومت اور آپس کے اختلافات کا یہی نتیجہ تھا“ اسی وقت پوران بدست کو تخت سے اتار کر یزید کو جو سولہ برس کا جوان تھا۔ اور خاندان کسریٰ کا وہی ایک نرینہ یادگار رہ گیا تھا۔ تخت نشین کیا۔ رستم اور شیوز جو سلطنت کے دست بانو تھے۔ آپس میں عناد رکھتے تھے۔ درباریوں نے ان سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ غرض یزید گود کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آگئی۔ مکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور چھاوٹیاں مستحکم کر دی گئیں۔ عراق کی تباہیاں جو فتح ہو چکی تھیں عجم کا سہارا پا کر وہاں بھی بغاوت پھیل گئی۔ اور تمام مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً شئی کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ۔ اور ریجہ و مصر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو طلبی کا حکم بھیج دو کہ ناسخ معین پر جمع ہو جائیں۔

اس کے ساتھ خود بڑے سارو سامان سے فوجی تباہیاں شروع کیں۔ ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی رکش مساحب تدبیر، شاعر، خطیب، اہل الرائے ہو۔ فوراً دیوار خلافت میں آئے، چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا۔ خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا۔ سعد بن ابی وقاص



نے تین ہزار آدمی بھیجے۔ جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضرت مصوفؓ نے فرمایا: "غیلان" کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لے کر آئے مشہور قبائل میں سے یمن کے ہزار ہوں تمیم و رہاب کے چار ہزار ہواسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو۔ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ ہر اول پر طلحہ، میمنہ پر زبیر، میسرور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کئے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا۔ اور سب نے مرنے پر کمر بستہ ہو لیا۔ صرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔ چونکہ امیر المومنین کا خود معرکہ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ اس لئے صرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی۔ عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیر المومنین! یہ ہم آپ کے بغیر سر نہ ہوگی۔ لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نصیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلوں ہیں۔ اگر خدا نخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمرے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی۔ اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ "میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں" غرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارگراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی مہمات میں مصروف تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی جیسے یمن میں تھے کہ دفعۃً عبدالرحمن بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کون ابو لے کہ "سعد بن ابی وقاص" رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مرتبہ کے صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ ان کی بہادری اور شجاعت بھی آگے تھی۔ لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی تروڑ تھا۔

لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمن بن عوف کی رائے کی تائید کی چاروں چار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے لشکر کی تمام مہمات قبضہ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب و فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ احکام بھیجے رہتے تھے۔ اور ایک کام بھی ان کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینے سے عراق تک کی فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے نامزد کر دی تھیں۔ چنانچہ مؤرخ طبری نے نام بنام ان کی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۸ منزلیں طے کر کے ثعلبہ پہنچے۔ اور یہاں مقام کیا، ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں میٹے کے سینے بازار لگتا تھا۔ تین میٹے یہاں قیام رہا۔ مٹی موضع ذی قار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے۔ جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مٹی کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کوفہ پر بڑھیں۔ لیکن جسر کے معرکہ میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی صدمے سے انتقال کیا۔ سعد نے ثعلبہ سے چل کر مشرف میں ڈیرے ڈالے، یہاں مٹی کے بھائی ان سے آکر ملے اور مٹی نے جو ضروری مشورے دیئے تھے سعد سے بیان کئے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں۔ سعد نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پیراؤ، فرود گاہ کا ڈھنگ، رسد کی کیفیت ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا۔ جس میں بہت سی ہدایتیں اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم و بیش تیس ہزار تھیں۔ پھر میمنہ و میسرور کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ہر اول	زہد بن عبداللہ بن قناب	جاہلیت میں یہ بحرن کے بادشاہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔



سید (ایاں حصہ)	عبداللہ بن ابی قتیس	صحابی تھے۔
میسو (ایاں حصہ)	شریح بن السد	نہروان تھی تھے 'مرتدین کی جنگ میں نہایت شہرت حاصل کی تھی۔
ساق (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو الخیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواہ بن مالک	
بحر (بے قاعدہ فوج)	سلمان بن عبد اللہ الباطلی	
پہیل	جمال بن مالک الاسدی	
شر سوار	عبداللہ بن قیس السعینی	
قاضی و خواجی	عبداللہ بن سعید الباطلی	
راہد یعنی رسد و غیو کا	سلمان قاری	مشہور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے۔
بندوبست کرنے والے		
محرّم	بلال بھری	
نشی	زید بن ابی سفیان	
طیب		

امراء اعشار میں سے سترہ صحابہ تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے 'تین سو وہ جو بیچہ الرضوان میں حاضر تھے 'اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شراف ہی میں تھے کہ دوبار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ (کوئٹہ سے ۳۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر ہے) میں مقام کرو اور اہل طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے جاؤ اور خدا انخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔

قادسیہ نہایت شاداب 'منہوں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرتے تھے اور اس موقع کی بہت اور کیفیت سے واقف تھے۔ چنانچہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان بھیجا اس میں قادسیہ کا موقع اور افسوس ہے کہ طبری نے طیبوں کے نام نہیں لکھے۔ صرف اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جون کے ساتھ طیب بھیجے۔

محل بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پرانا تجربہ تھا۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ قادسیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ بھیجو کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ کر بھیجے۔ دوبار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعد شراف سے چل کر غذبہ پہنچے۔ یہاں انگیسوں کا میگزین رہا کرتا تھا جو مفت ہاتھ آیا۔ قادسیہ پہنچ کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر طرف ہر کارے دوڑائے کہ غنیم کی خبریں لائیں۔ انہوں نے آکر بیان کیا کہ رستم پسر فرخ زاد جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعد نے سردار بن قباہل میں سے چودہ نامور اشخاص انتخاب کئے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے 'عطارد بن حاجب 'شعث بن قیس 'حارث بن حسان 'عاصم بن عمرو 'عمرو بن معدی کرب 'مغیو بن شعبہ 'معنی بن حارث قدو قاست اور طاہری رعب و داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن 'بسر بن ابی رہم 'حملہ بن جوتیہ 'مظاہر الریح 'نسیسی 'فرات بن حیان 'ابن معدی بن سمیل 'مغیو بن زرارہ 'مطل و تدیر اور حرم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پائے تخت قدیم زمانے میں اضطخو تھا۔ لیکن نو شیروان نے مدائن کو دار السلطنت قرار دیا تھا۔ اسی وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا 'یہ مقام سعد کی فرد گاہ یعنی قادسیہ سے ۴۰-۴۵ میل کے فاصلے پر تھا۔ سفر گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزر ہوتا تھا۔ تماشا نیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی 'یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچ کر ٹھہرے۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا۔ تاہم بیباکی اور دلیری ان کے چہروں سے نکلتی تھی اور تماشا نیوں پر اس کا اثر پڑتا تھا۔ گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سفر لو آئے ہیں۔ یہ سن کر بڑے ساند سامان سے دوبار سجایا اور سفر اہل کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی تھے پنے کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لئے موزے چڑھائے دوبار میں داخل ہوئے پچھلے معرکوں نے تمام ایران میں عرب



کی دھاک بٹھا دی تھی۔ یزید گرد نے سفیوں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے یزید گرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ برد (قاری کے معنی کے لحاظ سے) کہا ”جہاں بُرد“ پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ ”سوط“ وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ ”پارس راسو خند“ ان بد فالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگرد تھے جواب دینے کے لئے آگے بڑھے، پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کئے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ جزیہ یا ٹکوار یزید گرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بد بخت کوئی قوم نہ تھی تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہارا اہل نکال دیتے تھے۔

اس پر سب نے سکوت کیا۔ لیکن سفیو بن زراء ضبط نہ کر سکے اٹھ کر کہا کہ ”یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے) بڑے سائے عرب ہیں۔ علم و قار کی وجہ سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے جو کچھ کہا یہی زبانتھا۔ لیکن کہنے کے قابل باتیں نہ گئیں۔ ان کو میں بیان کرتا ہوں یہ سچ ہے کہ ہم بد بخت اور گمراہ تھے آپس میں کٹھنہ مرتے تھے اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑھ دیتے تھے لیکن خداے تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب نسب میں ہم سے ممتاز تھا اول اول ہم نے اس کی مخالفت کی۔ وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے وہ آگے بڑھتا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی باتوں نے دلوں میں اثر کیا وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کچھ کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں جن کو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جس کو دونوں باتوں سے انکار ہو اس کے لئے ٹکوار ہے۔“ یزید گرد غصے سے چہاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہو تا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہہ کر مٹی کا ٹوکرا منگوا دیا۔ اور کہا تم میں سب سے معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا ”میں“ ملازموں نے ٹوکرا ان کے سر پر رکھ دیا وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے سجد کے پاس پہنچے کہ ”فتح مبارک! دشمن نے اپنی دشمن خود ہم کو رو دی۔“

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا۔ ساباط میں لشکر لئے پڑا تھا۔ اور یزید گرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ہلاتا جاتا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے۔ اور رستہ کے لئے سونٹی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اس عرصہ میں بعض بعض رئیس ادھر سے ادھر آئے۔ ان میں جو شن ماد بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویس پر مامور تھا۔ اس حالت نے طول کھینچا تو رعایا جوق در جوق یزید گرد کے پاس پہنچ کر فریادیں ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چارو ناچار رستم کو مقابلے کے لئے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادیسیہ پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پی کر بد مستیاں کرتے تھے۔ اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جس دن ساباط سے بڑھیں سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دئے کہ وہ دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کشی کی ترتیب، آثارے کا رخ ان باتوں کے دریافت کے لئے فوجی افسر متعین کئے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ طلحہ ایک دفعہ رات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے ایک جگہ پیش ہوا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا ٹکوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے نکالی۔ اس عرصہ میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا۔ اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اس نے قریب پہنچ کر برہمیں کا وار کیا۔ انہوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انہوں نے جھک کر برہمیں ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اس کے ساتھ دو سوار تھے ان میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں اتنے میں تمام فوج میں مل چل پڑ گئی اور لوگ ہر طرف سے فوج پڑے لیکن طلحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رو گئی۔ قیدی نے سعد کے سامنے اسلام قبول کیا۔ اور کہا کہ دونوں سوار جو طلحہ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ میرے ابن عم تھے۔ اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اس کی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت



قدی اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑنے سے ہی چاہتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آوی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے سیدہ بیتی عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب و غریب ہمت سے چلے عرق گیر کی زبردستی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چھتڑے لپیٹ لئے اس ہمت کدائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور ایرانیوں نے بڑے ساند سامان سے دوبار سجایا دیا کا فرش زربین گاؤں تکے حریر کے پردے صدر میں مرصع تخت بھی فرش کے قریب اگر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو گاؤں تکے سے اٹکا دیا۔

دوباری بے پردائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتھیار رکھوا لینا چاہا۔ انہوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں الٹا پھر جاتا ہوں دوباریوں نے رستم سے عرض کی اس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پردائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برہمچی جس سے عصا کا کام لیا تھا اس کی اٹی کو اس طرح فرش میں چھوٹے جاتے تھے کہ پر ٹکلف فرش اور قالین جو بچے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر پکڑ ہو گئے تخت کے قریب پہنچ کر نشن پر بیٹھ مارا جو فرش کو آہ پار کر کے نشن میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ "اس لئے کہ تخلیق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے" رستم نے کہا میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ دوباری بار بار بھی کے پاس اگر ان کے ہتھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے اسی سلمان پر ایرانی بھی فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب بھی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں ہلکی کوئ سی گئی۔ اور جب اس کے کات کی آٹا نکس کے لئے دھالیں پیش کی گئیں تو بھی نے ان کے گلے اڑا دیئے بھی اس وقت چلے آئے لیکن نام و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔

آخر سفارت میں منیو گئے اس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دوبار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاج پسن کر کرسیوں پر بیٹھے خیمے میں دبا دسجاب کا فرش بچھایا گیا۔ اور خدام اور منصب دار قرینے سے دو دیوہ چکے جما کر کھڑے ہوئے منیو گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رستم سے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے اس گستاخی پر تمام دوبار برہم ہو گیا۔ یہاں تک کہ چند ایوں نے بانو پکڑ کر ان کو تخت سے اتار دیا۔ منیو نے افسران دوبار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ "میں خود نہیں آیا بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اس لئے

مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبانہ تھا۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکا لیں حتریم جس کا نام عبود تھا حیو کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دوبار متاثر ہوا۔ اور بعض بعض اٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ "یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایمانیا حکم نہ تھا" پھر بے تکلفی کے طور پر منیو نے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لے کر کہا کہ "ان تکلوں سے کیا ہوگا؟ منیو نے کہا کہ "آگ کی تو گو چھوٹی ہے پھر بھی آگ ہے"۔ رستم نے ان کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا "کس قدر بوسیدہ ہے"۔ انہوں نے کہا کہ "ہاں لیکن تلوار پر بازہ ابھی رکھی گئی ہے" اس نوک جھونک کے بعد معاملے کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ کچھ انعام دلا دیا جائے گا۔ منیو نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ "اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا" رستم غصہ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کردوں گا۔ منیو اٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

## سہ قادیسیہ کی جنگ اور فتح

محرم ۳۲ ہجری (۶۳۵ء)

رستم اب تک لڑائی کو برابر لڑتا جاتا تھا لیکن منیو کی گفتگو نے اس کو اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کربندی کا حکم دیا۔ سر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنادی جائے صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوسرے پہلے پہلے فوج سر کے اس پار آگئی۔ خود سامان جنگ سے آراستہ ہوا۔ دوہری زردیں پٹنیں سر پر خود رکھا۔ ہتھیار لگائے پھر اسب خاصہ طلب کیا۔ اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ "کل عرب کو چکنا چور کردوں گا" کسی سپاہی نے کہا "ہاں اگر خدا نے چاہا" بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی۔"

فوج کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا۔ آگے پیچھے صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا۔ ہر دو جوں اور غباریوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے مہمند و میسوں کے پیچھے۔ قادیسیہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا اور ان سید کے وسط میں تھا اب وہاں پر اہل بیت تھے اس کو شہر مدائن کے متصل سمجھا جاتا ہے۔



قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے خبر رسائی کے لئے موقع جنگ سے پانچ گھنٹے تک کچھ کچھ فاصلے پر آوی بیٹھا دئے جو واقعہ پیش آتا تھا۔ موقع جنگ کا آوی چلا کر کہتا تھا۔ اور درجہ بدرجہ دائیں تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادیسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عراق النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے اس لئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے بالا خانے پر میدان کی طرف رخ کر کے ٹکیہ کے سارے سے بیٹھے اور خالد بن عرطفہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے۔ یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہو تا تھا پرچوں پر لکھوا کر اور گولیاں پھینکا کر خالد کی طرف بھیجتے جاتے تھے۔ اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قائل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب مضمون سے نکلے اور اپنی آتش فشاں سے تمام فوج میں آگ لگادی۔ شعراء میں شامخ، حلیہ، اوس بن مغراء، عبدة بن الصیب، عمرو بن معدی کرب اور خطیبوں میں قیس بن مرثد، غالب بن ابدیل، اسدی، ہسرو بن ابی رہم، الجثنی، عاصم بن عمرو، ربیع معدی، ر۔ یعنی بن عامر میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے۔ اور فوج کا یہ حال تھا کہ ان پر کوئی جاؤ کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض جملے یاد رکھنے کا قائل ہیں۔

ابن النذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے۔

يا معاشر سعداً اجعلوا حصونكم السيف وكونوا عليهم كاسود

الاجم واخرجوا العجاج الا بصاروا اذا قلت السيوف

فارسلوا الجنادل فانها يوفن لها الحمالا يوفن للحديد

”خاندان سعد! تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر

بن کر جاؤ۔ گروہ کی زبردستی کو اور لگاؤں نیچی کر لو جب تلواریں تھک

جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بارل جاتا ہے

تلواروں کو نہیں ملتا۔“

اس کے ساتھ قادیسیہ میں نکل کر نہایت خوش الحالی اور جوش سے سورہ جہاد کی آیتیں پڑھتی شروع کیں۔ جس کی تاثیر سے دل مل گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوئی۔ سب

سے پہلے ایک ایرانی قدر اندازہ کیا کی قیادت میں کرباں کر دئے گئے، زریں کر دئے گئے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پنے میدان میں آیا۔ اور اسے عمرو بن معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اس نے حیر کمان میں جوڑا اور ایسا ٹاکل کر دیا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو دبا اور قریب پہنچ کر کمر میں ہاتھ ڈال کر سعلق اٹھا زمین پر دے پٹکا۔ اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں ”لوگوں نے کہا ”ہر شخص معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے۔“

اس کے بعد اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر جو سب میں ممتاز تھا، ہاتھیوں کو رٹا مغرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے۔ دفعہ بد کے منتشر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی۔ لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکڑ جاتے تھے۔ سعد نے یہ دھچک دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو، علیہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے، ہاتھیوں سے کہا ”میرے بھائی سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔ تمام قبیلے نے جوش میں آکر بائیں اٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ان کی پاموسی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تخم گئی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ تخیم کو جو تیر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی؟ یہ سن کر وہ دفعہ بدھے اور اس قدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور عماریاں الٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں عریف میدان سے ہٹے۔ قادیسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الامرات کہتے ہیں۔

سعد جس وقت بالا خانہ پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے ان کی بی بی سللی بھی ان کے برابر بیٹھی تھیں۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو رٹا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے جیاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کوٹیں بدلتے تھے سللی یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا آئیں کہ ”افسوس کج شئی نہ ہوا“ سعد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ کر مارا کہ ”شئی ہوتا تو کیا کر لیتا“ سللی نے کہا ”سبحان اللہ ہندل کے ساتھ غیرت بھی“ یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولوں کی



لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے، مرہم پٹی کے لئے جو رتوں کے حوالے کئے پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا۔ گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آپہنچیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زمانے میں ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو شام کی صدم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کو جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اس کو حکم دو کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج سے جار کر مل جائے چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید بھیجی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار رومیہ و مصر اور ہزار خاص حجاز کے تھے ہاشم بن عقبہ سعد کی بھائی سپہ سالار تھے اور ہر اول تھقفاع کی رکاب میں تھا، تھقفاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے اور ہر سے بسمن نکلا۔ تھقفاع بسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اٹھے کہ ”علینا ابو عبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے“ دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے اور کچھ دیر کی دویدل کے بعد بسمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تھا تھا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیدستان کا شہزادہ ”راز“ اعوان بن قتبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرگ عمر ہدانی جو ایک مشہور بہادر تھا۔ تھقفاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھویئے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔ شام کی امدادی فوج کو تھقفاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیئے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دور سے نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تمام دن فوجوں کا آنا بٹنا بندھا رہا۔ اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور تھقفاع اس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔ ہاتھیوں کے لئے تھقفاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ تھقفاع نے جمال بن مالک، رتیل بن عمرو، علیہ بن خویلد، عاصم بن عمرو، تمیم کو تلواریں حوالہ کیں اور

قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے رتیل نے فخر کے جوش میں اگر فی البدیہہ یہ شعر کہا۔

لقد علم الا لوام انا احقہم اذا حصلوا بالمرہفات البواتر

”جب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں جس وقت لوگوں نے کائے والی نازک تلواریں پائیں“

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو عجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر شاعر تھے اور جن کو شراب پینے کے جرم میں سعد نے قید کر دیا تھا۔ قید خانے کے در پہلے سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوتے جاتے تھے آخر ضبط نہ کر سکے، سہلی (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لئے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بھاتا خود اگر بیڑیا پہن لوں گا۔ سہلی نے انکار کیا یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پروردگار میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

کفنی حزناً ان تردی الخیل بالنار واترک مسدوداً علی وثاقہا

”میں سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا ہوں“

اذا قتلت عنانی الحديد واخلفت مصارع من دونی تصم العنادیا

”جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی اور دواڑے اس طرح بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے“

ان اشعار نے سہلی کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود اگر بیڑیاں کاٹ دیں انہوں نے فوراً اصطبل میں جا کر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا اور میدان جنگ پہنچ کر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ مسند سے میسر و تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف الٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ کون بہادر ہے۔

سعد بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو عجن کا ہے لیکن وہ قید خانے میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابو عجن نے اگر خود بیڑیاں پکن لی۔ سہلی نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کئے سعد نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا ”خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں غار ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا“۔

ابو عجن نے کہا ”مجھ میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔“

(کنز العمال ج ۱ ص ۱۰۱)



خضاء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی۔ اس معرکے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی تھے لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لَمْ تَنْبِ بِكُمْ الْبِلَادَ وَلَمْ تَقْعَكُمُ السِّنَةُ ثُمَّ جِئْتُمْ بِأَكْمِ  
عَجُوزٍ كَبِيرَةٍ فَوَضَعْتُمُوهَا بَيْنَ أَيْدِي أَهْلِ فَارَسَ وَاللَّهِ أَنْتُمْ  
لَبَنُورٌ جَلَّ وَاحِدٌ كَمَا أَنْتُمْ بَنُو أَسْرَاءَ وَاحِدَةٍ مَا خَنَتِ أَبَاكُمْ وَلَا  
لَفَضَحَتْ خَالَكُمْ أَنْطَقُوا الشَّاهِدُوا أَوَّلَ الْقِتَالِ وَآخِرَهُ۔

”پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دو بھرنہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو۔ اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی، نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا تو جاؤ! آخر تک لڑو۔“

بیٹوں نے ایک ساتھ بائیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے جب نگاہ سے اوچھل ہو گئے تو خضاء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا ”خدا ایا میرے بیٹوں کو بچانا۔“

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معرکہ اغواٹ کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے اس میں قحطان نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوج کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور شام کی طرف نکل جائیں۔ پوچھنے سو سو سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں۔ اور رسالے اسی طرح برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہوئے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعوا مارا۔ اور غل پڑ گیا۔ کہ نئی اداوی فوجیں آگئیں ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق سے یہ کہ ہشام جن کو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لئے بھیجا تھا۔ عین موقع پر سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ یرو گرد کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور وہ برابر فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا ہے اور فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہو گا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز ہوا کہ

۱۔ خضاء کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب ہیں اس کا وہ ان بیانات میں چھپ گیا ہے اور اس کے منسل حالات خاصہ ابو القحطن اسماعیلی نے کتاب الاغانی میں لکھے ہیں۔ اسلاف شمر میں مروی کوئی میں اس کا کوئی نظیر نہیں گزرا چنانچہ بازار کا نام اس کے غیبی کے دروازے پر ایک غم نصیب کیا جاتا تھا جس پر قحطان ہوا تھا اور فی العرب یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر عربیہ کو وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر ہوئی تھی۔

ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آیا۔

اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اس کے مقابلے سے جی چراتے تھے۔ لیکن عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ ایرانیوں نے تجزیہ اٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دیں تھیں۔ عمو معدی کرب نے رفیقوں سے کہا ”میں مقابل ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں“ تم ساتھ رہنا“ ورنہ عمو معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہو گا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے تھسیٹ لی۔ اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعۃً ان پر ٹوٹ پڑیں اور اس قدر گراٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے یہ دیکھ کر ان کی فوج حملہ توڑ ہوئی اور بڑے معارکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا بدن پر جا بجا برہمیوں کے زخم تھے تاہم تلوار قبضے میں تھی۔ اور ہاتھ چلنا جاتا تھا اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا انہوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار ممیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے ہل نہ سکا، آخر سوار اتر کر ہاک نکلا۔ اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہیں دل کا دل پھٹ جاتا ہے۔ ضخم و سہم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے انہوں نے کہا کہ ان کی سوئڈ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر گویا کل ہاتھیوں کے سوار تھے ایک ایضاً دو سراا جرب کے نام سے مشہور تھا سعد نے قحطان، عاصم، مہاکل، رنیل کو بلا کر کہا کہ یہ ہم تمہارے ہاتھ ہے قحطان نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیئے کہ ہاتھیوں کو زخم میں کر لیں۔ پھر خود برچھا ہاتھ میں لے کر ہسپے سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پوسٹ ہو گئے۔ ہاتھی بھر بھری لے کر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قحطان کی تلوار پڑی اور سوئڈ متک سے الگ ہو گئی۔ اوھر رنیل و مہاکل نے ا جرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہوئے اور دم کے دم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب ہمدانوں کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس فور کارن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دھل دھل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکہ کو یلثہ المرے کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی قلب میں اور دائیں بائیں تھو تھو تھیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا۔ اور آگے پیچھے تین پرے جمائے سب سے آگے سواروں کا رسالہ ان کے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعد رضی اللہ



تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ تیسری بجبر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کئے تو تھقار سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور اپنی رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصولوں کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا دھنگ اور تھقار کا جوش دیکھ کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے بے اختیار نکلا **اللھم اعظموا نصرہ**

”یعنی اے خدا تھقار کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔“ تھقار کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی جمع ہجملہ کفہ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا یا اس کو معاف کرنا اور یا اور رہتا، اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں۔ اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور یہاں حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سر تپا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ حمیر نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں زبرہوں پر اچٹ اچٹ کر رہ گئیں۔ سرداران قبیلہ نے لاکار۔ سب نے کہا زبرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اس نے غصے میں آکر ایک ایرانی پر برہمے کا وار کیا کہ کر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوسوں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے شمار میں ہاتھ پاؤں پیکار ہوئے جاتے تھے۔ اس پر بھی جب فوج و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو تھقار نے سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کئے اور سپہ سالار فوج (رستم) کی طرف رخ کیا ساتھ ہی قیس، اشعث، عمرو معدی کرب، ابن ذی البوین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے ساتھیوں کو لاکار کہ دیکھو! یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں اور سواروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور فیوزان و ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئے۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک موانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔ ہلال نامی ایک سپاہی نے تعاقب کیا، اتفاق سے ایک نہر سامنے آگئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے ساتھ ہی ہلال بھی کودے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔

ہلال نے لاش فوجوں کے پاؤں میں ڈال دی۔ اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ ”رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا۔“ ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا تمام فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔ افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

برآمد خروشے بکر واررد  
زیک سوئے رستم زیکسوئی سعد  
چو دیدار رستم بخون تیو گشت  
بواں مو تازی بد چو گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعہ میں سرے سے شریک نہ تھے شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے ان میں شہریار، ابن البرید، فرخان ابوازی، خسرو شتوم، ہدائی نے موانہ وار جان دی۔ لیکن ہرمزان، ابو ز، قارن موقع پا کر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کشتوں کا تو شمار نہ تھا، مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔ اس فتح میں چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے، فوج کو ان کی طرف سے بدگمانی رہی یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وقالت حتی انزل اللہ نصرہ وسعدیاب القاصد تسعیم

”میں برابر لڑا کیا یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی، لیکن سعد قاصد کے دروازے ہی لپٹے رہے۔“

قائما و قدامت نساء کثیرة ونسوة سعدیاب لہن اہم

”ہم واپس پھرے تو سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں، لیکن سعد کی بیوی بیوہ نہیں ہوئی۔“

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے۔ یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے انہوں کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قاصد کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلنے دینے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ

کا نامہ بازار دی نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ لیکن عمرو معدی کرب، علی بن خویلد، قزطری، داران ابن قیس نے اس پر حملہ کیا تھا۔ میں نے جو روایت لکھی ہے۔ وہ اخبار اعلیٰ کی روایت ہے۔



دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے اوہر سے ایک شترسوار آ رہا تھا۔ بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مرثدہ فتح لے کر آیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کئے اس نے کہا کہ خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شترسوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا جو شخص آتا ہے ان کو "میرا المؤمنین کے لقب سے پکارا جاتا ہے" اور کہا کہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔ فرمایا "نہیں کچھ حرج نہیں۔ تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو۔ چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھڑ تک آئے۔ بے پہنچ کر مجمع ہمام میں فتح کی خوشخبری سنائی۔ اور ایک نصیحت پر اثر تقریر کی جس کا اخیر فقرہ یہ تھا۔ "مسلمانوں! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں" میں خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے اگر میں اسی طرح تمہارا کام کروں کہ تم مجھ سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر یہ میری خواہش ہو کہ تم میرے دواڑے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن باتوں سے نہیں عمل ہے۔"

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑتے تھے ان میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں پکڑے آئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ گئے تھے فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی سعد نے دوبار خلافت کو لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو بلا کر رائے لی۔ اور سب نے بالا اتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیا گیا جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آکر قباو ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط برعکاس کہ اکثر بربروں نے ان میں رشتہ داریاں کر لیں۔ ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان صیا کر لئے تھے اور فیوڈان کو لشکر قرار دیا تھا۔ سعد نے ان کے استیصال کے لئے ہمدان بھری میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بصری سدر راہ ہوا اور میدان جنگ میں زخم کھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جس کا نام "سلاطین" تھا صلیح کر لی۔ اور بابل تک موقع بہ موقع پل تیار کرادیئے کہ اہل بابل فوجیں بے تکلف گزر جائیں بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار غنیمت جان، ہرمزان، مہران، مہرجان وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے سعد نے خود بابل میں مقام کیا اور زہرہ کی افسری میں فوجیں آگے

روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوئی میں غصہ تھیں اور شہر بار جو رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا زہرہ کوئی سے جب گذرے تو شہر بار آگے بڑھ کر مقابل ہوا۔ اور میدان جنگ میں آکر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن جب تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو آجائے گا۔ یہ کہہ کر بابل کو جو قبیلہ حمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہر بار دو کاسراتن و قوش رکھتا تھا۔ بابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک گردن میں ہاتھ ڈال کر زور سے کھینچا۔ اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہر بار کا انگوٹھا بابل کے منہ میں آگیا۔ بابل نے اس زور سے کانٹا کہ شہر بار تھملا گیا۔ بابل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے بیٹ چاک کر دیا۔ شہر بار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ بابل نے زہرہ وغیرہ اس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دیں۔ سعد نے جہت کے لئے حکم دیا بابل وہی لباس اور اسلحہ سجا کر آئے۔ چنانچہ شہر بار کے زہرہ بقی لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر جب مجمع ہمام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں نمائے کی خیرگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوئی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمودنے یہیں قید کیا تھا۔ چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اس کی زیارت کو گئے اور دود پڑھ کر آیت پڑھی قلک الایمان ندالوا لہا بن الناس کوئی سے آگے پائے تخت کے قریب بہر شیر ایک مقام تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا۔ جو ہر روز ایک بار قسم کھا کرتا تھا کہ "جب تک ہم ہیں سلطنت فارس میں کبھی نڈال نہیں آسکتا۔" یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کرسی سے بہت پلا ہوا تھا۔ اور اسی لئے اس کو بہر شیر کہتے تھے سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ ٹپ کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو ہر اول کے افسر تھے اس مقام سے تلوار ماری کے وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہر شیر کا محاصرہ کیا۔ اور فوج نے اوہر اوہر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے۔ شیر زادے جو ماباط کار نہیں تھا۔ سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشکار ہیں۔ ان کے قید کرنے سے کیا حاصل چنانچہ سعد نے ان کے نام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا۔ اس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا۔ لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھ لیں اور تھوڑے ساتے ہوئے آٹکے مسلمانوں نے برابر



کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے ان کی زہرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئیں تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زہرہ کو بدل کرنی پڑے گی۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر انہی کو اگر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک زندہ بھی ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑے اور شر براز کو جو ایک نامی افسر تھا۔ تلواریں مارا تھوڑی دیر لڑ کر اپنی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھر اڑا دیا۔

ہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد، ہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بنے تھے توڑ کر بیکار کر دیے تھے۔ سعد دجلہ کے کنارے پہنچے نہ پل تھا نہ کشتی فوج سے مخاطب ہو کر کہا ”یہ داران اسلام دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ ہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔“ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی۔ اور دجلہ سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ دریا اگرچہ نہایت زخار اور موانع تھا، لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں اگر یہ اشتغال پیدا کر دیا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آکر کھڑکیں اور یہ رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں دیوار کی جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے جب فوج کنارے کے قریب آگئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں۔ چنانچہ ”ایوان آئندہ دیوان آئندہ“ کہتے ہوئے بھاگے۔ تاہم سپہ سالار خرواز تھوڑی سی فوج کے ساتھ بھاگا اور گھاٹ پر خیر اندازوں کے دستے متعین کر دیے۔ ایک گروہ دریا میں اتر کر سد راہ ہوا۔ لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور خیر اندازوں کو خس خاشاک کی طرح مٹاتے پار نکل آئے۔ یو گردنے حرم اور خاندان شاهی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی۔ اور بے اختیار آیتیں زبان سے نکلیں۔ کم تر کوا من جثب و عیون و زروع و مقام کریم و نعمۃ کانوا لہا لکھن کذلک و اور ثنھا قومنا آخرین۔

ایوان کسریٰ میں تخت شاهی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پانچواں جمعہ عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے قہقارے کو تعجب ہو گا کہ سعد نے ہر وجود

۱۔ آسن طبری میں بیہوشی کا قاطع ہے۔

یہ کہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور رسول جناب رسالت مآب کی محبت میں رہے تھے۔ عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کہ بلکہ ایوان میں جس قدر جسم قصوریں تھیں سب قرار دے دیں۔

(علامہ طبری نے جو یہ حدیث بھی تھے تصریح کے ساتھ اس وقت کو لکھا ہے)

”وتمن دن نصر کر سعد نے حکم دیا کہ دیوانات شاهی کا خزانہ اور تاورات لا کر یکجا کئے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لے کر نو شیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگاریں تھیں۔ خاکان چین، راجہ دہلی، قیصر روم، منعمان بن منذر، سیاوش، بہرام چوہیں کی زریں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ ہرمز اور کیقباد کے خنجر تھے۔ نو شیرواں کا تاج زرنگار، اور بلوس شاهی تھا، سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت اور زمرد سے بڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور سار میں بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے، نافہ سوار کے پاؤں تک جو اہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی ہمار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار تھا کہ جب ہمار کا موسم نکل جاتا تھا تو اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں ہمار کے تمام مسلمان میاں کئے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شکوفے اور پھول پھل تھے۔ طویہ کہ جو کچھ تھا زہرہ جو اہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبزہ، پتھر کی جدولیں، سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے جو اہرات کے پھل تھے۔“

یہ تمام مسلمان فوج کی عام عمارت گہری میں ہاتھ تیا تھا۔ لیکن اہل فوج ایسے راست باز اور دیانتدار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی، بھنب لا کر افسر کے پاس حاضر کر دی۔ چنانچہ جب سب مسلمان لا کر سجایا گیا اور دور دور تک میدان جنگ کا اٹھا تو خود سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان تاورات کو ہاتھ نہیں لگایا، بے شبہ انشاء کے دیانتدار ہیں۔

مال غنیمت حسب القاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دوبار خلافت میں بھیجا گیا، فرش اور قدیم یادگاریں، بھنب بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے چاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب یہ سامان پہنچے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استقامت پر حیرت ہوئی۔

حکلم نام کا مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔



حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات اس کو لا کر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جدا، دربار کا جدا، جشن کا جدا، تنہیت کا جدا، چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محکم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زر نگار پہنا تو تماشاخیوں کی آنکھیں خیر ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے نگلتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مظاہر تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خراں آئی اور دولت نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف نبوی کی عزت نہیں کی جاتی تھی۔ دنیاوی یادگاروں کی کیا پرواہ کر سکتا تھا۔

### ۱۰ جولاء ۶۳۷ء ہجری (۶۳۷ء)

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولا میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرواز نے جو رستم کا بھائی اور سر لشکر تھا۔ نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور راستوں اور گذر گاہوں پر گڑھ لگا دیے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عقبہ ہزار فوج لے کر اس محم پر جائیں اور مقدمۃ الجیش پر تعینات، مینہ پر مشعر بن مالک، میسور بن عمرو بن مالک، سادہ بن عمرو بن مومقر ہوں، ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے روز جلولا پہنچے اور شہر کا محاصرو کیا۔ مہینوں محاصرو رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے اس طرح اسی (۸۵) معرکے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی۔ تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی۔ بیدل نہیں ہوتے تھے ایک دن بڑے زور شور سے نکلے مسلمانوں نے بھی جنم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دھشتا اس زور کی آمد می چلی کہ زمین آسمان میں اندھیرا ہو گیا۔ ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے لیکن گردوغبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جان بوجہ خندق کو

۱۔ جلولا بغداد کے سوا میں ایک شہر ہے جو بسبب چھوٹے ہونے کے نقشے میں مندرج نہیں ہے۔ بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ میں پڑتا ہے۔ گوکہ ایک کا کا جو سے گوشہ ہوتا ہے (پنجابی) جگہ الوہی کے بتے ہوئے کائے نور جن کی راہ میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ فیروز اللغات (انوار الحق قاسمی)

ہات کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملہ کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے سہ کو کھڑو پھجوا دئے اور فوج کو ساند سامان سے درست کر کے قلعہ کے دیوارے پر جما دیا۔ دونوں جہتوں اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ البر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اول تیروں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو پسادروں نے نیزے سنبھال لئے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا۔ تعینات نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ قلعہ کے پچانگ تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے۔ اور فوج کا بڑا حصہ انہیں کی رکاب میں تھا۔ تعینات نے نقیبوں سے کہلوایا کہ سپہ سالار قلعہ کے دیوارے تک پہنچ گیا۔ فوج نے تعینات کو ہاشم سمجھا اور دفعۃً ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر اوہر اوہر بھاگے لیکن جس طرف جاتے جاتے تھے گو کھڑو بچھے ہوئے تھے مسلمانوں نے بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مورخ ظہری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے عرذہ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو عرذہ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع میں بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا، چنانچہ مجمع عام ہوا اور انہوں نے اس فصاحت اور بلاغت سے تمام واقعات بیان کئے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ خطیب اس کو کہتے ہیں انہوں نے برجستہ کہا۔

ان جندنا اطلقونا بالفعال لساننا

اس کے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اس وقت شام ہو چکی تھی اسی لئے تقسیم ملتی رہی اور محکم مسجد میں ان کا ذخیرہ لگا دیا گیا، عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے رات بھر سردیاں صبح کو مجمع عام میں چادر بٹائی گئی۔ درہم و درہم کے علاوہ انبار کے انبار جو اہرات تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ساختہ دوڑے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے۔

یہو گردو جلولا کی شکست کی خبر پہنچی تو طحطاں چھوڑ کر رے کو روانہ ہوا اور خسرو شہنشاہ کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ طحطاں کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ سعد خود



جلولاء میں ٹھہرے اور تھقاع کو حلوآن کی طرف روانہ کیا۔ تھقاع قصر شریں (حلوآن سے تین میل) کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شهنوم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ تھقاع نے حلوآن پہنچ کر مقام کیا۔ اور ہر طرف امن کی منادی کرا دی۔ اطراف کے رئیس آ کر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

## فتوحات شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی تاریخی حالات بھی نصارت انبال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آغاز سہرہ ہجری ۱۱ھ شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کی، ابو عبیدہ کو حمص پر، یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرجیل کو اردن پر، عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۳۰ ہزار تھی، عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر مدیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلے پر بھیجیں، یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اس پر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں۔ اس کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کی جائیں چنانچہ خالد بن ولید جو عراق کی مہم پر مامور تھے عراق سے چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے و دمشق پہنچے اور اس کو صدر مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا، قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لئے روانہ کی جس نے اجنادین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ خالد اور ابو عبیدہ خود پیش قدمی کر کے اجنادین پر بڑھے اور افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آکر مل جائیں چنانچہ شرجیل، یزید، عمرو بن العاص وقت مقرر پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جس میں تین ہزار مسلمان مارے گئے فتح کامل حاصل ہوئی، یہ واقعہ حسب روایت ابن اسحاق ۸ھ جمادی الاول سہرہ ہجری (۳۳ء) میں واقع ہوا، اس مہم سے فارغ ہو کر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر دمشق کا رخ کیا۔ اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ اگرچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں شروع ہوا چونکہ فتح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں حاصل ہوئی، اس لئے ہم اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

## فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اس کی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ ان دنوں سے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کئے شہر نہاد کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا، جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے چنانچہ عمرو بن العاص باب توہار، شرجیل باب الفراءیس پر، ابو عبیدہ باب الجابیہ پر متعین ہوئے اور خود خالد نے پانچ ہزار فوج ساتھ لے کر باب الشرق کے قریب ڈیرے ڈالے۔ محاصرہ کی سختی دیکھ کر عیسائی بہت ہارے جاتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کے جاسوس جو دریاقت حال کے لئے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے ان کو دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک ہوش کا عالم ہے۔ ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہوا ہے۔ ہر فرد میں دلیری، ثابت قدمی، راہبازی عزم اور استقلال پایا جاتا ہے۔ تاہم ان کو یہ سارا تھا کہ ہر قل سر پر موہود ہے۔ اور حمص سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں اسی اثناء میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سرحد کو بڑاشت نہیں کر سکتے اس لئے موسم سرما تک یہ باطل آپ سے آپ چھٹ جائے گا۔ لیکن ان کی دونوں امیدیں بیکار گئیں، مسلمانوں کی سرگرمی جانوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوالکاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ اور سے مدد نہ آنے پائے۔ چنانچہ ہر قل نے حمص سے جو فوجیں بھیجی تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل یاس ہو گئی اسی اثناء میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید نہیں کا کام دے گیا۔ یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلے کئے اور کثرت سے شرابیں پیں کہ شام سے پڑ کر سو رہے خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے اس سے عہدہ موقع کہاں ہاتھ آسکتا تھا..... اسی وقت اٹھے اور چند ہمارے افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر نہاد کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی۔ منگ کے سارے پار اترے اور کند کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے اور جا کر رسی کی بیڑھی کند سے انکا کر نیچے لٹکا دی۔ اور اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جاندار۔ تفصیل پر پہنچ گئے خالد نے اتر کر پہلے دربانوں کو یہ بتایا۔ پھر قتل توڑ کر یہ طبری کی روایت ہے بلاذری کا بیان ہے کہ خالد کو عیسائیوں کے نشن کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور بیڑھی بھی عیسائی لائے تھے۔



دروازے کھول دیئے اور ہرج و مرج پہلے سے تیار کھڑی تھی دروازے کھلنے کے ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی اور بہرہ کی فوج کو تہ تیغ کر دیا۔ عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر بھاگ کے تمام دروازے کھول دیئے اور ابو عبیدہ سے ملتی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچائیے مصلطہ میں جو غنیمتوں کا بازار تھا۔ ابو عبیدہ اور خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کر لیا تھا۔ اگرچہ لڑکر فتح کیا تھا۔ لیکن ابو عبیدہ نے چونکہ مصلح منظور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصے میں بھی مصلح کی شریعتیں تسلیم کی گئیں۔ یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی نہ کوئی شخص لوٹنے کی غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلاد شامیہ کی فتح کا بیاچہ تھی رجب ۳۲ ہجری (۶۳۵ء) میں ہوئی۔

### فصل ذوقعدہ ۳۲ ہجری (۶۳۵ء)

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کر دیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے اندر اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں، شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لئے جو فوجیں بھیجیں تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکتی تھیں، وہ بھی اس میں اگر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع جمع ہو گیا۔ جس کا سپہ سالار سکارنام کا ایک رومی افسر تھا۔

موقعہ جنگ سمجھنے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے دمشق، حمص، اردن، فلسطین مشہور اضلاع ہیں اردن کا صدر مقام طبرہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبرہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی لمبائی ایک ٹھیل ہے جس کے قریب چند میل پہنچ کر پھنسا شہر جگا پڑنا نامعلوم خیانتیوں نے یہاں کی شہر کے نام سے یہ مقام اب بالکل فراموش ہے تاہم اس کے کچھ کچھ آثار اب بھی سندھ کی سطح سے چھ سو فٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبرہ کی جنوبی طرف بارہ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں جس طرح بیسان میں جمع ہوئیں۔ اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے اس دُور سے کہ مسلمان دفعتاً آئیں۔ اس پاس جس قدر نہریں تھیں سب کے بند توڑ دئے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کچھ زور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی مصلح پر تلوار ہوئے اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بن کر آئے۔ ابو عبیدہ نے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ معاذ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں

دیہائے تھریں کا فرش بچھا ہے وہیں ٹھہر گئے ایک عیسائی نے آکر کہا کہ کھوڑا میں تمام ریتا ہوں آپ دربار میں جا کر بیٹھے معاذ کی بزرگی اور تقدس کا نام نہ چاہتا۔ اور عیسائی تک اس سے واقف تھے اس لئے وہ واقعی ان کی عزت کرنی چاہتے تھے اور انکا باہر کھڑا رہنا ان کو گراں گزرتا تھا۔ معاذ نے کہا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنا چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے معاذ کو غصہ آیا۔ کھٹنوں کے تل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ جس کو تم عزت سمجھتے ہو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟ رومی ان کی بے پروائی اور آزادی سے حیرت زدہ تھے یہاں تک ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھ کر ہے؟ انہوں نے کہا کہ ”معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہ ہوں“ رومی چپ ہو گئے۔ معاذ نے کچھ دیر انتظار کر کے مترجم سے کہا کہ ”ان سے کہہ دو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ نہیں کہتا ہے تو میں واپس جاتا ہوں“ رومیوں نے کہا ہم کو یہ پوچھنا کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے ہو۔ ابلی سینا کا ملک تم سے قریب ہے فارس کا بادشاہ مرجکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔ ان کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رخ کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں۔ معاذ نے کہا کہ سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ ہمارے کعبہ کی طرف نساہ پڑھو، شراب پینا چھوڑ دو۔ سوار کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے نکواری ہے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم تم کو کثرت اور کثرت کی پروا نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کہ کم من لیلۃ علیہ لیلۃ کثیرۃ ہلکۃ اللہ تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو۔ جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زندہ کرے تو اس کو دورے لگائے جائیں، چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں، وہ پودے میں نہیں بیٹھتا اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال و دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں“ رومیوں نے کہا ”چھا ہم تم کو بلقاء کا ضلع اور اردن کا حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ۔ معاذ نے انکا ہر کیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ رومیوں نے براہ راست ابو عبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی۔



چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا ابو عبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جن کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاوہر خشم رکھتا ہو گا۔ اور یہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہو گا۔ لیکن وہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سوار کون ہے؟ لوگوں نے ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیا درحقیقت تم ہی سوار ہو؟

ابو عبیدہ نے کہا! ”ہاں“ قاصد نے کہا! ہم تمہاری فوج کوئی کس دو دو اشرافیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ قاصد براہم ہو کر اٹھا۔ ابو عبیدہ نے اس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ لکھ کر بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب مناسب لکھا اور ”موصلہ دلا“ یا کہ ثابت قدم رہو خدا تمہارا دیا اور اور مددگار ہے۔“

ابو عبیدہ نے اسی دن کمر بندی کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے۔ اگلے دن تھا خالد میدان میں گئے۔ صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا۔ رومیوں نے بھی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری میدان میں بھیجے، پہلا دستہ خالد کی طرف بائیں اٹھائے چلا آتا تھا کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہیرہ نے صف سے نکل کر ان کا آگاہی کا اور سخت کشت و خون ہوا۔ یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالد نے سبوتہ بن مسوق کو اشارہ کیا وہ اپنی رکاب کی فوج کو لے کر مقابل ہوئے، تیسرا لشکر بڑے ساز و سامان سے نکلا۔ ایک مشہور سوار اس کا سپہ سالار تھا۔ اور بڑی تدبیر سے فوج کو پھراتا آتا تھا۔ قریب پہنچ کر خود ٹھہر گیا۔ اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلہ پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا۔ آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی انکر مل گئیں، دیر تک معرکہ رہا۔ مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا، اور الٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو لگا کر کہ رومی اپنا دوز صرف کر چکے ہیں۔ اب ہماری باری ہے۔ اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتاً ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دبا دے چلے گئے۔

عیسائی وفد کے انتظار میں لڑائی ہالتے جاتے تھے خالد ان کی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ نیلے کا یہی وقت ہے چنانچہ اسی وقت ان فوج انتقام انڈی میں ہے کہ یہ ایک شاہی لے کر آیا اور حضرت عمرؓ کی طرف سے مسلمان ہو گیا۔

نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہو گا۔ فوج ساز و سامان سے تیار رہے۔ رات کے پچھلے پہر ابو عبیدہ بستر خواب سے اٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو سینہ پر مقرر کیا، ہاشم بن عقبہ کو میسوی افسر دی۔ پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے سوار خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں دیئے گئے فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سرے سے اس سرے تک کا ایک چکر لگایا ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

عباد اللہ! استر حبوا من اللہ! النصر بالصبر! لان اللہ مع الصبرین  
”یعنی خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے۔“

رومیوں نے جو تقریباً ۱۵ ہزار تھے آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز میں اور میسور سواروں کے رسالے پیچھے یا وہ فوجیں اس ترتیب سے نکلاں وہاں بجائے مسلمانوں کی طرف بڑھے خالد چونکہ ہر اول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا رومی قدر اندازوں نے تھیوں کا اس قدر سینہ برسا یا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر سے پہلو دے کر سینہ کی طرف جھکے کیونکہ اس میں سوار ہی سوار تھے، قدر انداز نہ تھے۔ رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ سینہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا۔ خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افسران کے ہاتھ سے مارے گئے ادھر قیس بن ہیرہ نے میسور پر حملہ کر کے دو سرا باند بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج حیرانہ انداز کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عقبہ نے جو میسور کے سوار تھے علم ہلا کر کہا ”خدا کی قسم جب تک اس قلب میں پہنچ کر نہ گاڑوں گا“ پھر نہ انوں کا ”ہے کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے ہاتھ میں پر لے کر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیجہ خدنگ سے گذر کر تیجہ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کابل گھنٹہ بھر لڑائی رہی۔ اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واقعہ فعل کی تفصیل فوج الشام ازری سے لی گئی ہے طبری وغیرہ میں نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقعہ کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔



جواب میں لکھا کہ ”رعایا ذی قرار دی جائے اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔“

اس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لی جائے گی۔

### محس ۳۲ ہجری (۶۳۵ء)

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اس کو ایضا کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اس کی شہرت زیادہ اس وجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا بیکل تھا جس کے حیرت کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے اور اس کا پجاری ہونا بڑے غریبی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر ہو گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس، محس اور انطاکیہ جہاں خود ہر قل مقیم تھا، محس ان دونوں کی بہ نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و مسلمانوں میں دونوں سے کم تھا۔ اس لئے لشکر اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا۔ راہ میں بطیکہ پڑا تھا وہ خیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ محس کے قریب دو میلوں نے خود ہیہ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ فوج کثیر محس سے نکل کر جو یہ میں مسلمانوں کے مقابل ہوئی لیکن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکٹڑ گئے۔ خالد نے ہرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر محس کو روانہ کیا۔ راہ میں دو میلوں کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے جو ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں منہ بھینز ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شریل حمیری نے اکیلے سات سو سواروں کو قتل کیا اور فوج سے الگ ہو کر جریدہ محس کی طرف بڑھے شہر کے قریب دو میلوں کے ایک رسالہ نے ان کو تھما دیکر حملہ کیا۔ انہوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے ہاتھ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر محل کے نام سے مشہور تھا جا کر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی۔ یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور ڈھیلوں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں زخمی ہو کر شہادت حاصل کی۔ سبوتا کے بعد خالد نے اور ابو عبیدہ نے بھی محس کا رخ کیا۔ اور محاصروں کے سامان پھیلا دیئے۔ چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی اور دو میلوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ لڑ سکیں

محس کے ساتھ ہر قل کا قاصد آپکا تھا کہ بہت جلد امدادی فوج بھیجی جاتی ہے۔ چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ ہوئی۔ لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی مصم پر مامور تھے یہ خبر سن کر کچھ فوجیں بھیج دیں۔ جس نے ان کو وہیں روک لیا۔ اور آگے بڑھنے نہ دیا۔ محس والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابو عبیدہ نے عباد بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حماہ والوں نے ان کے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیرہ دینا منظور کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر شیرز اور شیرز سے معرۃ النعمان پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی ان سے قاصد ہو کر لازقہ کا رخ کیا۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر۔ فنیشین عہد میں اس کو اماٹا کہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلہ پر مقام کیا۔ اور اس کی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی۔ یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اور محاصروں کو محس کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے اور ان کا تمام کاروبار بند تھا۔ اس کو تائید غیبی خیال کیا۔ اور شہر نہا کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے، مسلمان اسی رات کو واپس آکر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کہیں گاہوں سے نکل کر دفعہ حملہ کیا۔ اور دم میں شہر فتح ہو گیا۔ محس کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہر قل کے پائے تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج بھی دیں۔ لیکن دوبار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلالی گئیں۔ اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی اہتری نہ ہونے پائے۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود محس میں اقامت کی۔

### یرموک ۳۵ رجب ۳۲ ہجری (۶۳۶ء)

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و محس و غیرہ سے نکلے تھے ان کا یہ پہنچے ہر قل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہر قل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دوبارہ طلب کیا اور کہا کہ ”عرب تم سے زور میں جمعیت میں مسلمانوں میں کم نہ لڑ سکیں۔“ لکھنؤ کا لکھنؤ۔ یہ ایک قدیم شہر محس اور فنیشین کے درمیان میں واقع ہے۔



ہیں پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟ اس پر سب نے مذمت سے سر جھکا لیا۔ اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن ایک تجربہ کار بڑھے نے عرض کی کہ ”عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے آپس میں ایک سے ایک برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں بد کاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے، اوسلوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے۔ اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر در حقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق در جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ تیار ہوا کہ شاہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ دوم قسطنطنیہ، جزیرہ، آرمینیا ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کئے جائیں۔ ان احکام کا پتہ نہ تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا مڑی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقامات فتح کئے تھے وہاں کے امراء اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا۔ اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ پر پورے اترے۔ چنانچہ اس کے صلہ میں خدا نے ہمیشہ تم کو منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اس سادہ سامان سے تمہارے مقابلے کے لئے چلا ہے کہ دشمن کاٹپ اٹھی ہے۔ اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان نے دعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی (کھڑے ہوئے اور کہا کہ ”میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں۔ اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں“ اس کے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مد کو آئیں“ شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہئے۔ یزید نے جو رائے دی بلاشبہ خیر خواہی سے دی ہے لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ

کر قیصر کے حوالے کر دیں۔ یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں۔ شرجیل نے اٹھ کر کہا اے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں۔ اس لئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے حضرت ابو عبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔ عام حاضرین نے رائے دی کہ تمہیں میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ تمہیں کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے، یہ ارادہ معکم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیرہ یا خراج لیا جاتا ہے اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دے دو۔ اور ان سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے۔ لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیرہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے واپس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا ”تو رات کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر تمہیں پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر شہر ناہ کے دروازے بند کر دیے اور ہر جگہ چوکیاں پہرہ بٹھادیا۔ ابو عبیدہ نے صرف تمہیں والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیرہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔ (ان واقعات کو بلاذری نے فوج البلدان صفحہ ۷۳ میں۔ قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج میں صفحہ ۷۷۔ ازہری نے فوج الشام صفحہ ۳۸ میں تفصیل سے لکھا ہے)

غرض ابو عبیدہ دمشق کو روانہ ہوئے اور ان تمام حالات سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر کہ مسلمان روٹیوں کے ڈر سے تمہیں چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ فوج اور افسران نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے سے متفق کیا ہو گا۔ ابو عبیدہ کو جواب لکھا کہ ”میں مد کے لئے سعد بن ابی عامر کو بھیجتا ہوں۔ لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو

۱۔ میں نے یہ تفصیلی واقعات فوج الشام ازہری سے لیے ہیں لیکن ابو عبیدہ کا تمہیں چھوڑ کر دمشق چلا نہ ابی و اشج عیسیٰ اور دیگر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے۔



جمع کیا اور ان سے مشورت کی یزید بن ابی سفیان، شریل بن حسنہ، معاذ بن جبل سب نے مختلف رائیں دیں۔ اسی اثناء میں عمرو بن العاص کا قاصد خط لے کر پہنچا جس کا یہ مضمون تھا کہ ”اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رحیمی کا سبب ہوا ہے“ ابو عبیدہ نے جواب میں لکھا کہ حمص کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جا بجا پھیل ہوئیں ہیں کجا ہو جائیں۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یہ سوک پہنچ کر قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آکر ملے۔ یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لئے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کے سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی۔ اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا۔ جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ اور رومیوں کی آمد اور ان کے سالن کا حال سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے ابو عبیدہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا۔ اور لکھا کہ ”رومی، بخور سے ابل پڑے ہیں۔ اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گذرتی ہے راہب اور خانقاہ نشین جنھوں نے بھی غلبت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔“ خط پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ ”امیر المؤمنین! خدا کے لئے ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر غار ہو جائیں۔ خدا نخواستہ ان کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے مہاجر و انصار کا جوش بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ امیر المؤمنین! تو خود سپہ سالار بن اور ہم کو ساتھ لے کر چل، لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ اور رائے یہ تھی کہ اور اردن کی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آگئے ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ سوک سے تین چار میل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ ”افسوس اب کیا ہو سکتا ہے؟“ اتنے عرصہ میں کہ گھر و پہنچ سکتی ہے“ ابو عبیدہ کے نام نہایت پر تاثر الفاظ میں ایک خط لکھا

اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنا اور زبانی کہنا۔

الا عمر بنک السلام ویقول لکم باہل الاسلام اصدق القاء  
ونشد علیہم شد اللیوث ولیکونوا اہون علیکم من الذر فانما  
قد کنا علمنا انکم علیہم منصورون۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا۔ اسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی اور انہوں نے نہایت استحکام کے ساتھ لڑائی کر تیا ریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، انہیں خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، مینہ پر مقرر کیا۔ قباث بن اسیم کو میسو اور ہاشم بن عقبہ کو پیدل فوج کی افسری دی، اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کے ایک ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پر قیس بن ہبیرہ، میسو بن مسوق، عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا۔ یہ تینوں ہمارے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ اور اس وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے۔ وہی بھی بڑے سواروں سے نکلے دو لاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی۔ اور ۳۳۳ میں صفیں تھیں جن کے آگے آگے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں سلیبیں لئے جوش دلاتے جاتے تھے فوجیں بالکل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صف چر کر نکلا اور کہا کہ میں تمہارا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسو بن مسوق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ نہایت تومند اور جوان تھا۔ خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا۔ وہ یہ اشعار پڑھتے پڑھے۔

سانل نساء الحمی فی احبالہا السجود الحرب من ابطالہا

”پرہہ نشین عورتوں سے پوچھ لو کیا میں لڑائی کے دن ہماروں کے کام نہیں کرتا۔“

قیس اس طرح بھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتھیار بھی نہیں سنبھال سکا تھا۔ کہ ان کا وار چل گیا تلوار سر پر پڑی اور خود کا نٹی ہوئی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈنگا کر گھوڑے سے گرا۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے حکیم کا نعروں مارا خالد نے کہا ”مٹکون اچھا ہوا اور اب خدا نے چاہا تو آگے ہے“ عیسائیوں نے خالد کے ہر رکاب افسروں کے مقابلے میں جدا جدا فوجیں متعین کی تھیں۔ لیکن سب نے شکست کھائی اس دن عیسائیوں تک فوت ہو کر لڑائی ملتوی رہ گئی۔

رات کو بابان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑ چکا ہے بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے نکالا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ ”کسی معزز افسر کو ہمارے پاس



ہمارے ملک میں اگر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ سلوک نہ ہمارا خیال تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہو گا، لیکن خلاف توقع ہماری ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو، ہم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بار بار ایسے ارادے کئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئے اب تم کو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم دشمنی اور بے ساندہ سلیمان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے، ہم اس پر بھی درگزر کرتے ہیں۔ بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسر کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو ڈیڑے جائیں گے۔

بابان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اٹھے اور حمد نعت کے بعد کہا کہ ”بے شبہ تم دولت مند ہو، مالدار ہو، صاحب حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہم کو معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگدست اور خانہ بدوش تھے، ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کنوڑ کو پیس ڈالتا تھا، قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے بہت سے خدا بتا رکھے تھے اور ان کو پوچھتے تھے ”اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا۔ اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض، پاک، خوش تھا۔ اس نے ہم کو توحید سکھائی اور بتلادیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں وہ بیوی و اولاد نہیں رکھتا۔ وہ بالکل یکساں و یکساں ہے۔ اس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں، جس نے ان کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے۔ جس نے نہ مانا، لیکن وہ جزیہ دینا قبول کرتا ہے اس کے ہم حائی اور محافظ ہیں جس کو دونوں سے انکار ہو اس کے لئے تلوار ہے۔“

بابان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ”یہ سر کر بھی جزیہ نہ دیں گے ہم جزیہ لیتے ہیں دبتے نہیں“ غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اٹھ کر چلے آئے اب اس آخری لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں جس کے بعد مدی پھر کبھی سنبھل نہ سکے خالد کے چلے آنے کے بعد بابان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ ”تم نے سنا اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے لئے سے محفوظ نہیں رہ سکتے تم کو ان کی غلامی منظور ہے تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ”ہم مر

میں دو ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں“ ابو عبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا، قاصد دو پیغام لے کر آیا تھا اس کا نام جارج تھا۔ جس وقت پہنچا شام ہو چکی تھی۔ درادیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور جس سکون و وقار ”اب“ و ”خضوع“ سے انہوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کئے، جن میں ایک یہ تھا کہ تم عیسائی کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

بَاہِلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوا فِی دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلٰی اللّٰہِ الْاَلٰحِقُ  
اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ کَلِمَتَہُ الْغَاہِ اَلٰی مَرْیَمَ  
وَ لَنْ یَسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اِنْ یَکُوْنُ عِبْدَ اللّٰہِ وَلَا الْمَلٰئِکَۃُ  
الْمَقْرُوْنُ تِلْکَ

مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا۔ تو جارج پکار اٹھا کہ ”بے شک عیسائی کے یہی اوصاف ہیں اور بے شک تمہارا پیغمبر سچا ہے“ یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ مدیوں کو بد عہدی کا گمان نہ ہو، مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدیوں کی لشکر گاہ میں گئے مدیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لئے پہنچے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب سواروں کی صفیں قائم کی تھیں، دوسرے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے لیکن خالد اس بے پرواہی اور تحقیر کی نگاہ سے ان پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے بابان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ اور انا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ بابان نے معمولی بات چیت کے بعد لکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی حضرت عیسائی کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا۔ اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے بابان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا۔ لیکن ہم نے جس کو سوار بنا رکھا ہے اس کو ایک لمحہ کے لئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں گے بابان نے پھر تقریر شروع کی ”اور اپنے جاہ و دولت کا تحریبان کر کے کہا کہ ”اہل عرب تمہاری قوم کے لوگ



جائیں گے مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سو سامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہو گئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نے طور سے فوج آرائی کی 'فوج جو ۳۵ ہزار تھی اس کے ۳۶ حصے کئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفیں قائم کیں 'قلب فوج ابو عبیدہ کو دیا۔ یمن پر عمرو بن العاص اور شریک مامور ہوئے۔ یمن و یثرب میں ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کئے جن جن کو ان لوگوں کو کیا جو ہمدردی اور فوج جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے خطباء جو اپنے زور کلام سے لوگوں میں مل جل ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پر جوش تقریروں سے فوج کو ہوش دلائیں انہی میں ابی سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے۔

الا انکم زاوۃ العرب وانصار الاسلام وانہم زاوۃ الروم  
وانصار الشرک اللہم ان ہذا یوم من ایامک اللہم انزل نصیرک  
علی عبادک۔

عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایہا الناس غضوا ابصارکم واشرعوا الرماح والزموا مراکزکم  
لاذاحمل عدوکم فامهلوہم حتی اذارکبوا اطراف الاسنة  
فلبوا فی وجوہہم وثوب الاسد۔

"یا رب! نگاہیں نیچی رکھو پر چھیاں تان لو اپنی جگہ پر جے رہو پھر جب  
دشمن حملہ آور ہوں تو آئے ہو۔ یہاں تک کہ جب پر پھیلوں کی نوک  
پر آجائیں تو شیر کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ قوی نہ تھے۔ لیکن تمام عرب میں منتخب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک دیکھا تھا۔ ایک ہزار تھے 'سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کلب تھے 'عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف اند کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی۔ ہمدان 'غولان' 'لحم' 'جذام' وغیرہ کے مشہور بہادر تھے۔ اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت ہمدردی سے لڑیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں ہندہ حملہ کرتی ہوئی بڑھی تھیں۔ تو

پکارتی تھیں عطفوا الغلطان بسوقکم۔ امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورۃ انفال (جس میں خدا کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

اور ہمدردیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ بٹنے کا خیال تک نہ آئے؟ جنگ کی ابتدا ہمدردیوں کی طرف سے ہوئی۔ دولاکھ مذی ول لشکر ایک ساتھ ہر ہزاروں پادری اور ہشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگئے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ کی بے پکارتے آتے تھے یہ ساند سامان دیکھ کر ایک مسلمان کی زبان سے بے اختیار نکلا اللہ اکبر کس قدر بے اختیار فوج ہے۔ خالد نے جھٹا کر کہا "چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ عیسائی اتنی ہی فوج اور برہم لیں۔"

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا اور تھوڑے عرصے میں ہمدردیوں کا سینہ ہر ساتے بڑھے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ زور کا تھا کہ مسلمان کا سینہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا۔ اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا نہایت یافتہ ہتھے ہتھے حرم کے خیمہ کھنگ گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر گھٹ گھٹ آیا اور خیمہ کی چوبیس اکھاڑ لیں۔ اور پکاریں کہ "نامرود اور آئے تو چوبیسوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے" خولہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یا ہمارا یمن نسوة ثقیات رمت بالسهم والحنات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو یمن کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ "میں تو پیدل لڑتا ہوں، لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔" ان کے بیٹے نے کہا "ہاں یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں" غرض دونوں باپ بیٹے فوجوں میں گھسے اور دہری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبیدہ کے سردار تھے پانچ سو آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے آگاہ کر لیا۔ یمن میں قبیلہ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا۔ عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور ان پر ڈالا لیکن وہ پناہ کی طرح جے رہے۔ جنگ میں یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف سر ہاتھ بانڈ کٹ کٹ کرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائے ثبات کی لغزش نہیں ہوتی تھی عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے کہ ازبیدہ دیکھا۔ مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ



آئے۔ تو بڑے بڑے بہادران کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعہ صاف چر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں اتر کر دیں، عکرمہ نے جو ابو جہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑتے تھے۔ گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا ”جیسا ہیو!“ میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ چکا ہوں کیا آج تمہارے مقابلہ میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے؟“ یہ کہہ کر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن انور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی کچھ کچھ دم باقی تھا خالد نے اپنے رانوں پر ان کا سر رکھا اور گلے میں پانی پکا کر کہا ”خدا کی قسم عمر کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔“ (تاریخ طبری واقعہ ۲۷۰)

غرض عکرمہ اور ان کے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے۔ لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیئے خالد کے حملوں نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی۔ یہاں تک کہ آخر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور خالد ان کو دہاتے ہوئے سپہ سالار در بنخار تک پہنچ گئے۔ در بنخار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر دھال ڈال لئے کہ اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔

پھر اس وقت جب اوہر پہنچے میں بازار قتل گرم تھا ابن قاطیر نے میسور پر حملہ کیا۔ بد قسمتی سے اس جگہ میں اکثر لہم و غسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود باش رکھتے تھے ”ایک مدت سے روم کے باجگزار رہتے آئے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دلوں میں سنایا ہوا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکٹڑ گئے۔ اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی بھانگوں کا پیچھا کرتے ہوئے غیموں تک گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور ان کی پاموئی نے جیسا ہیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ اتر ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم، سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، شرجیل بن حسد، داؤد شجاعت لے رہے تھے۔ قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جاتے تھے مگر ان کے تیور پر بل نہ آیا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر گرنا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے بچے گا تو مر کر پٹے گا۔ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں

لا کر دے دیتے۔ اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے ”ابوالاعور گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”مصبوا استقلال دنیا میں عزت ہے۔ اور عقلی میں رقت دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے“ سعید بن زید غصہ میں کھٹکے ٹپکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے اتفاق سے ان کے باپ ابو سفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے ان کی طرف نکلے بیٹے کو دیکھ کر کہا ”جان پدرا! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے۔ تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے“ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے زخم تھا اور یہ جگہ میں پیادگی طرح کھڑے تھے قرآن کی یہ آیت ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة یقاتلون فی سبیل اللہ لیقتلون ویقتلون پڑھتے تھے اور نغمہ مارتے تھے کہ خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟ یہ تو از جس کے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ اکٹری ہوئی فوج سنبھل گئی اور شرجیل نے ان کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو لڑتے چلے آتے تھے بڑھنے سے رک گئے۔

اوہر عورتیں غیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر اکٹری ہوئیں۔ اور چلا کر کہتی تھیں کہ ”میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔“

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے بلکہ غلبہ کا پلہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعہ قیس بن مسیرہ جن کو خالد نے فوج کا ایک حصہ دے کر میسور کی پشت پر متعین کر دیا تھا۔ عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں اتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کر دیا۔ رومی دور تک ہٹتے چلے گئے۔ یہاں تک میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اس کے کنارے تک آگئے۔ تھوڑی دیر میں ان کی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا۔ اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت غمسان کی لڑائی ہو رہی تھی حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جاہ بازی سے لڑ رہے تھے اسی اثناء میں کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔



تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو دھوڑتے پھرتے تھے کہ ”میرا پاؤں کیا ہوا؟“ ان کے قہقہے کے لوگ اس واقعہ پر ہنسنے لگے۔ چنانچہ سوار بن اوی نامی ایک شاعر نے کہا۔

ومنا ابن عتاب وناسد وجلد  
ومنا اللذی اوسى النبی الحی حاجباً

رومیوں کے جس قدر آوی مارے گئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں ضرار بن اندور، ہشام بن العاصی ابان، سعید وغیرہ تھے۔ قیصر انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی اسی وقت قسطنطینہ کی تیاری کی چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا ”لو انا اے شام“۔

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی جن میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک کی خبر کے انتظار میں کنی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دھوڑتے سجدہ میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک سے حمص کو واپس گئے اور خالد کو تفسیرین روانہ کیا۔ شروالوں نے اول مقابلہ کیا لیکن پھر قلعہ بن ہو کر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تنوخ مدت سے آکر آباد تھا۔ یہ لوگ برسوں تک کسل کے قیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن پر یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوالی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے ہم قوی کے لحاظ سے ان کو اسلام کی ترغیب دی چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف بنو سلج کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا۔ اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے۔ انہوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ تفسیرین کی فتح کے بعد ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلب کا رخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انہوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمہ الجیش کے افسر تھے شہر کا محاصرہ کیا۔ اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ اور ان کی جان و مال، شہرناہ، مکانات، قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے چونکہ یہ قیصر کا خاص دار السلطنت تھا بہت سے رومیوں اور عیسائیوں نے یہاں

آکر پناہ لی تھی۔ ابو عبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان صدر مقامات کی فتح نے تمام شام کو مرعوب کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا عیسائی خود آکر اس صلح کے خواستگار ہوتے تھے چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چاروں طرف فوجیں بھیلا دیں۔ بنو قاصد، سرین، توذی، قورس، قل، غراز، لوک، رعبان یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا اسی طرح جاپس اور قاصیرین بھی پہلے بلہ میں فتح ہو گئے۔ بنو جومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا۔ اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے، ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی تھی یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان، تنوخ، ایاد، رومیوں کے ساتھ ہر قل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا۔ اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔

## بیت المقدس ۱۸ ہجری (۶۳۷ء)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام پر جہدِ حالی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے چنانچہ فلسطین عمرو بن العاص کے حصے میں آیا عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے عہد میں فتح کر لئے تھے اور قاروقی عہد تک تو ٹائیس، لد، عمواس، بیت جریں تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتے تھے۔ اور ان کو مدد دیتے تھے۔ لیکن قاصغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے۔ اور اپنے کام میں مشغول ہوتے۔ تھے یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ میں بند ہو کر لڑتے رہے۔ اس وقت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے انتہائی اضلاع تفسیرین وغیرہ فتح کر چکے تھے چنانچہ ادھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رخ کیا۔ عیسائیوں نے بہت بار کر صلح کی درخواست کی۔ اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا



جائے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا۔ اور مشورت کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں۔ آپ ان کی درخواست کو رد کر دیں تو ان کو اور بھی ذلت ہو گی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں۔ بغیر شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان ہی کی رائے کو پسند کیا اور سفر کی تیاریاں لے کیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کامیاب ان کے سپرد رکھئے۔ اور رجب ۱۸ ہجری میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہو گا کہ قادیق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا۔ کس ساز و سامان سے ہوا ہو گا؟ لیکن یہاں نقادہ دنوت خدم و حشم لاؤ لشکر ایک طرف معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجر انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ تراز پہنچی تھی کہ قادیق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے دشمن دہل جاتی تھی۔

سواروں کو اطلاع دی جائیگی تھی کہ جابیہ میں انکران سے ملیں۔ اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے عیسائی استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی ساواکی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس دنوت سے آئے کہ بدن پر حریر و بیاکی چکنی اور پر کھلف قبائیں تھیں۔ اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ ”قبائیں کے نیچے ہتھیار ہیں“۔ (یعنی پٹے گری کا جو ہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے) فرمایا تو کچھ مضائقہ نہ نہیں۔ شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے نیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے اور شاندار مکانات سامنے تھے دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ ہجرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی کہ تو کو امن جنت و عیون بالغ پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

۱۔ یہ طبری کی روایت ہے۔ ۲۔ قسطنطین ایلداز ص ۱۳۰ ۳۔ طبری سفر ۱ ص ۲۴

جابیہ میں دیر تک قیام رہا۔ اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی عیسائیوں کو عیسائیوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر پہلے سے پہنچ چکی تھی چنانچہ ریمسان شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعتاً کچھ سوار آئے جو گھوڑے اڑاتے چلے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھیراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آئے ہیں غرض معاہدہ صلح لکھا گیا۔ بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے۔ یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری اور ازہری نے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا ہے کہ اس معاہدے کو ہمماہم نے اس کتاب کے دوسرے حصہ میں نقل کیا ہے۔ دیکھو اس کتاب کا سراسر حصہ۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم کھس کر بیکار ہو گئے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ستر کی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شورخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار ہوئے تو تکمیل کرنے لگا فرمایا ”کعبہ بنت یہ غور کی چال تو نے کہاں سیکھی“ یہ کہہ کر اتر پڑے اور سیاہ پاپلے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لباس اور ساز و سامان جس معمولی حیثیت کا تھا۔ اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔“ غرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد مکے، محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور اودھر اور دھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کئے۔ ایک دن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رسول اللہ کے مژدن) نے اگر شکایت کی کہ امیر المؤمنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور مہیہ کی روٹیاں کھاتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افسران کی طرف



دیکھا، انہوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں مٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اسی قیمت پر پرندہ کا گوشت اور میدہ ملتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افسروں کو مجبور نہ کر سکے، لیکن حکم دیا کہ مال غنیمت اور تحفہ کا وہ کے علاوہ سپاہی کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلال نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج (اور صرف آج) آپ کا ارشاد بجالاؤں گا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آگیا۔ اور رقت طاری ہوئی۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ بن جبل روئے روئے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہنگامی لگ گئی۔ دیر تک یہ اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ میں گئے اور کعب بن احبار کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے مسجد اقصیٰ میں ایک حجر ہے جو انبیائے سابقین کی یادگار ہے اس کو محروم نہ کیے ہیں۔ اور یہودی اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ ”حجر کی طرف“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے۔ اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے حجر کے پاس اگر جوتی آمادی“ اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصہ کے صفحہ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہئے۔

## حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش

۶۳۸ء ہجری (۶۳۸ء)

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیا کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا تھا۔ ایران اور روم کی حمص میں اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ لیکن اس وقت تک آرمینیا پر لشکر کشی کے لئے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔

چنانچہ اوہر جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجئے ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی۔ اوہر جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی فوج کی بھینر بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوہر اوہر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفیں بنائیں۔ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام حالات کی اطلاع دی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ بڑے بڑے شہوں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف سے قاصد دوڑا دیے۔ تعلقان بن عمرو کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔ سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ عبد اللہ بن عثمان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تھام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے جزیرہ والوں نے جب یہ سنا کہ خود ان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیے۔ عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی ہچکچاتے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”بھیکھا کہ“ افسوس! میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پرواہ نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔ اوہر فوج نے ابو عبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انہوں نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا ”میری جو رائے ہے معلوم ہے عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے مل پر لڑتے ہیں اب کثرت بھی نہیں رہی۔ مگر کس بات کا اندیشہ ہے“ اس پر بھی ابو عبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پر زور اور مؤثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو طاہت قدم ہو کیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا۔ اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لئے بے قرار تھی ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرمادیا۔ اور وقتاً سب نے ہتھیار سنبھال



لئے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلب فوج اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عباس مہینہ میسوا کو لے کر بڑھے، تھقل نے جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدو کو آئے تھے۔ خمس سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی فوج چھوڑ کر سوسواروں کے ساتھ ابو عبیدہ سے آئے مسلمانوں کے حملہ کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا) اپنی کے ساتھ پیچھے ہٹے ان کے ہٹنے سے عیسائیوں کا باندہ ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر لڑ کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ صرف الدیراج تک ان کے قدم نہ جتے یہ اخیر معرکہ تھا جس کی ابتداء خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی۔ اور جس کے بعد ان کو پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

### حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور عہد ہجری (۳۸ء) کے واقعات میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ عام مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آئے ہیں۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں، خود ہی سمر ہجری کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی عہد ہجری کے واقعات میں ان کی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے۔ تاہم آغاز خلافت میں ان سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے۔ اس لئے ان کو تاکید لکھی کہ آئندہ سے اس کا خیال رکھیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں۔ اور اب اسکے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی۔ اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدار کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شرط کو نامنظور کیا۔ اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے

کتاب الاصابہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں تفصیل سے لکھا ہے۔  
پس ہمہ ان کو بالکل معزول نہیں کیا۔ بلکہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت کر دیا، اس کے بعد عہد ہجری (۳۸ء) میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دے دیئے پرچہ نویسیوں نے اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گھر سے دیا تو اسراف کیا۔ اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالد جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا۔ مجمع عام میں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ ”یہ انعام تم نے کہاں سے دیا“۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ ان سے درگزر کی جائے۔ لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتاری۔ اور ان کے سر تابی کی سزا کے لئے انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے۔ اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے محض پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ ”میرا موٹھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا۔ اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔“ اس تقریر پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سرور چپ رہ! ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ خالد نے کہا ”ہاں! لیکن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت سے بڑھ کر فتنہ کا کیا احتمال ہے۔“

خالد مدینہ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا کی قسم تم میرے معاملہ میں نا انصافی کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ”تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی“۔ خالد نے کہا کہ مال غنیمت سے۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ ”مساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم لگے وہ میں آپ کے حوالہ کرتا



ہو۔ چنانچہ میں ہزار روپے زیادہ نکلے اور رویت المال میں داخل کر دیے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ”خالد! اللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں یہ کہہ کر تمام عمالان ملکی کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالد کو ناراضی سے یا خیانت کی بناء پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں رکھتا تھا کہ لوگ اس کے مفتوں ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔“ ان واقعات سے ایک نکتہ بین شخص یا آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے۔ اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

### عمواس کی وبا ۸ ہجری (۶۳۹ء)

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۸ ہجری کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اول جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لیے خود روانہ ہوئے۔ سرخس پہنچ کر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے جوان کے استقبال کو آئے تھے۔ معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مساجد میں اولین اور انصار کو بلایا۔ اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ لیکن فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ اللہ کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نہایت غصہ آیا۔ اور طیش میں آکر کہا اَلْوَارِثُ مِنَ الْقَوْلِ اللّٰہِ یعنی اے عمر! تقدیر الہی سے بھاگتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا۔

اَلْمَرْءُ مِنْ قَضَاءِ اللّٰہِ اِلٰی قَضَاءِ اللّٰہِ یعنی ہاں تقدیر الہی سے بھاگتا ہوں۔ مگر بھاگتا بھی تقدیر الہی کی طرف ہوں۔

غرض خود مرے چلے آئے اور ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کام ہے کچھ دنوں کے لئے یہاں آ جاؤ۔ ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو گا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے

لئے یہاں سے نکل نہیں سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خط پڑھ کر روئے اور لکھا کہ فوج جہاں اتری ہے وہ نصیب اور مرطوب جگہ ہے اس لئے کوئی عہدہ موقع تجویز کر کے وہاں اٹھ جاؤ۔ ابو عبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر مقام کیا۔ جو آپ و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔ جابیہ پہنچ کر ابو عبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا۔ اور نہایت پر اثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور چونکہ نماز کا وقت آپ کا تھا۔ حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں اور نماز ختم ہوئی اور انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا بیماری اسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا انہی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے یہاں سے بھاگنا چاہئے۔ معاذ نے سنا تو منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وہ بلا نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے تو بیٹے کو بیمار پایا نہایت استقلال کے ساتھ کہا۔ **بَابُنِی الْعَقِیْ مِنْ رِیْکٍ وَلَا تَكُوْنُ مِنَ الْعَمْرُوْیْنَ** یعنی اے فرزند یہ خدا کی طرف سے حق ہے دیکھ شہ میں نہ پڑنا۔ بیٹے نے جواب دیا **سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ** یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے یہ کہہ کر انتقال کیا۔ معاذ بیٹے کو دفن کر گئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی بڑے اطمینان اور مسرت سے جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے ”دیا کا وہ نذر تھا اور ہزاروں آدمی طعمہ اجل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذ اس کو خدا کی رحمت سمجھا کئے۔ اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی۔ لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ انہوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اس لئے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پھاڑوں پر جا رہنا چاہئے۔ اگرچہ ان کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہم خیال تھے ناپسند آئی، یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج ان کے حکم کے مطابق اور اور پھاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل میں آئی کہ ۵۵ ہزار مسلمان جو تو حمی دنیا فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے۔ موت کے مسمان ہو چکے تھے۔ ان میں ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید بن ابی سفیان، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، عقیب بن سہیل بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی اور



مناسب احکام بھیجے رہے تھے یزید بن ابی سفیان اور معاویہ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شریشل کو امون کا حاکم مقرر کیا۔

اس قیامت خیز دہائی کے دوران سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعہ رک گیا۔ فوج بجائے اس کے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی ہزاروں لڑکے تھیم ہو گئے ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ جو لوگ مرے تھے ان کا مال و اسباب مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت دی اور خود ایلم کو روانہ ہوئے، یہاں ان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے ایلم کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے کہ امیر مومنین کہاں ہیں فرماتے کہ تمہارے آگے اسی حیثیت سے ایلم آئے اور یہاں دو روز قیام کیا گزی کا کتبہ جو زیب بدن تھا کپڑے کی رگڑ کھا کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لئے ایلم کے پاس پوری کو حوالہ کیا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے پوند لگائے۔ اور اس کے ساتھ ایک نیا کتبہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کتبہ پہن لیا۔ اور کہا کہ اس میں بائینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلم سے دمشق آئے اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کئے فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں۔ جو لوگ دباؤ میں ہلاک ہوئے تھے ان کے دو روزہ نوک کے وارثوں کو بلا کر ان کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو آسامیاں خالی ہوئی تھیں۔ ان پر نئے عہدیدار مقرر کئے۔ ان باتوں کی دوسری تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔ چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا۔ اور جو انتظامات کئے تھے ان کے متعلق تقریر کی۔

اس سال عرب میں سخت قحط پڑا اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے اسی سال مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزیے مقرر کئے۔ چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔

### قیساریہ کی فتح شوال ۱۷ ہجری (۶۳۰ء)

یہ شہر صومالیہ کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ کن جویران پڑا ہے۔ لیکن اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا۔ اور بتول بلاذری کے تین سو ہزار آباد تھے اس

شہر پر اول اول سہ ہجری (۶۳۵ء) میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی۔ اور مدت تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابو عبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کو ان کی جگہ مقرر کیا تھا۔ اور حکم دیا کہ قیساریہ کی محاصرہ جائیں۔ وہ کا ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن ۱۸ ہجری (۶۳۹ء) میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنے قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے ساند سلمان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے۔ لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دو دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اس کی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دو دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتیوں کے پٹھے لگا دیئے۔ سوار نہیں کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی۔ چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا اس کی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہو گیا۔

### جزیرہ ۱۸ ہجری (۶۳۷ء)

مدائن کی فتح سے دفعہ تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ حقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب ان کو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار بجالا کیونکہ اس کی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی سعد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات سے اطلاع دی وہاں سے عبداللہ بن المقثم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اس لئے افسر کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمہ الجیش پر ر. عی بن الاقل، سمیہ بخارث بن حسان، یسوع فرات بن حیان، ساقہ پرانی بن قیس مامور ہوئے عبداللہ بن المقثم پانچ ہزار کی جمعیت سے ع. عکریہ کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کیا مینے سے زیادہ محاصرہ رہا اور ۲۳ دفعہ حملے ہوئے۔ چونکہ عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد، تغلب، نمر بھی شریک تھے عبداللہ نے خفیہ پیغام بھیجا اور غیرت دلائی کہ

۱. جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے جو جبل اور فرات کے بیچ میں ہے اس کی حدود دار جند یہ ہیں مغرب آرمینیا کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک جنوب شام مشرق عراق شمال آرمینیا کے کچھ حصے یہ تمام درجہ نقشہ ہے۔  
۲. عکریہ جزیرہ کا سب سے شمالی شہر ہے جس کی حد عراق سے ملی علی ہے جبل کے قریب جانب واقع ہے اور موصل کے قریب ہے۔



تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا اثر یہ ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا۔ اور کھلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو ہم عین موقع پر تمہیں سے ٹوٹ کر تم سے اطمینان گے۔ یہ بندہ بست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا کیا، عجمی مقابلہ کو نکلے تو خود ان کے ساتھ عربوں نے عقب سے ان پر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر پامال ہو گئے۔

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی سمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اس کا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے میں آگیا تھا اس لئے مؤرخین اسلام جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے۔ اور خود اس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ عہد ہجری میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں۔ سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اس صوم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر ہما کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا ڈیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیرہ پر صلح کر لی۔ رہا کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اس سرے تک فتح ہو گیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں تو ان کے نام یہ ہیں۔ رقد، حران، نصیبین، میادفار قین، مساط، سورج، قرطبہ، نوزان، عین الوردہ۔

## ۱۔ خوزستان

۵۸ (۳۶۶) ہجری میں مغیو بن شعبہ بصرو کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرو سے ملی ہوئی ہے، انہوں نے خیال کیا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرو میں کافی طور سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا، چنانچہ ۵۸ ہجری (۳۶۷ء) کے شروع میں ابوزہر جس کو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر رقم دے کر صلح کر لی۔ مغیو وہیں رک گئے۔ ۵۸ ہجری (۳۶۸ء) میں مغیو معزول ہوئے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے۔ اس انقلاب میں ابوزہر کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور اعلانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ اشعری نے لشکر کشی کی اور ابوزہر کو جاگیر شاهی فوج جو یہاں رہتی تھی اس نے بڑی پاموسی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔ غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لوہڑی غلام بن کر تقسیم کئے گئے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ہوئی کہ خوزستان اس حد آبادی کا ہم ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس میں ۳۰۰۰۰ شہریں جس میں سب سے بڑا شہر ابوزہر ہے جو نقشہ میں درج کر دیا گیا ہے۔

تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابو موسیٰ نے ابوزہر کے بعد مناظر کا رخ کیا، یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو روکا۔ اس معرکہ میں مساجدین زیادہ جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے ان کا سرکات کربج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

ابو موسیٰ نے مساجد کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے ربیع نے مناظر کو فتح کر لیا۔ اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی، قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شہر نے صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سوا آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا تھا اور اس کو اسمن دے دیا جاتا تھا۔ بد قسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب سوس کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسیٰ اشعری نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کر دیا۔ سوس کے بعد رامروز کا محاصرہ ہوا۔ اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ یزید گرد اس وقت قم میں مقیم تھا۔ اور خاندان شاهی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابو موسیٰ کی دست درازوں کی خبریں اس کو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیروہ کا ماسوں اور بڑی قوت کا سردار تھا یزید گرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر ابوزہر و فارس میری حکومت میں دے دیئے جائیں تو عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزید گرد نے اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوش تھا اور شاهی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں ہرمزان نے وہاں پہنچ کر قلعہ کی مرمت کرائی اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا اس کے ساتھ ہر طرف قیام اور ہر کارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش و ہلاکت کے لئے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسرہ ہو گیا تھا۔ پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت عظیم فراہم ہو گئی، ابو موسیٰ نے دربار خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی، وہاں سے عمار بن یاسر کے نام جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں۔ لیکن غنیم نے جو ساندو سامان کیا تھا۔ اس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی، ابو موسیٰ نے دوبارہ لکھا کہ جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ آدمی فوج کو عبداللہ بن مسعود کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر خود ابو موسیٰ کی مدد کو جاؤ، ادھر جریر بھلی ایک بڑی فوج لے کر جلوہ پہنچا۔ ابو موسیٰ نے اس ساندو سامان سے شوش کا رخ کیا۔ اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے، ہرمزان کثرت فوج کے مل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا، ابو موسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف بکرائی کی، یمنہ براہ بن مالک کو دیا (یہ حضرت انس



رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی کے بھائی تھے۔ میسر پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں نوچیں خوب جی توڑ کر لڑیں، براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہرناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے، ادھر ہرمزان نہایت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا۔ براء ہارے گئے، ساتھ ہی غزاق بن ثور نے جو سینہ کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا لیکن ہرمزان نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجی ایک ہزار مقتول ہوئے اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابو موسیٰ کے پاس آیا۔ اور کہا اگر میرے جان مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کر ادوں گا۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا۔ اور نہو بھل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوسٹر کے نیچے بہتی ہے پار اتر کر ایک تہہ خانے کی راہ میں داخل ہوا۔ اور اشرس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا۔ ہرمزان رئیسوں اور دیباہیوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی۔ اور موقع کے خیب و فراز دکھائے، ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں آگے تمہاری ہمت اور فطرت ہے، اشرس نے اس کے بیان کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ دو سو جاں باز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے، ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دو سو بہادریوں نے بڑھ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اسی تہہ خانے کی راہ شہرناہ کے دیوازے پر پہنچے اور یہودیوں کو تہہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دیوازے کھول دیئے، ادھر ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے دیوازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں پھیل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ مسلمان قلعے کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں۔ اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اترتا ہوں کہ تم مجھ کو عینہ پانچاؤ۔ اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے ہو۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ اور حضرت انس کو مامور کیا کہ عینہ تک اس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لئے مدینہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصع جو آذین کے عقب سے مشہور تھا۔ سر پر رکھا، دنیا کی قیامت تن کی۔ مشاہیران عجم کے طریقے کے موافق

زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی۔ غرض شان و شوکت کی تصویر بن کر دینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دیدہ نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس کا دربار بھی بڑے سارو سامان کا ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اور فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشاخی ساتھ تھے۔ جو اس کے ذوق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے۔ اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ کھلی تو عجیب شان و شوکت کا موقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”یہ دنیا بے دلوں کی دلفریبیاں ہیں“ اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اس وقت تک مترجم نہیں آیا تھا، منیو بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے اس لئے انہوں نے ترجمانی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے وطن پوچھا۔ منیو وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے اس لئے کہا کہ ”۲۰ زکد ام ارضی؟“ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی۔ اور ہمیشہ اقرار سے پھر جاتا تھا۔ شوسٹر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان ہاتھوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے۔ اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے ہیں۔ یہ کہہ کر پیٹے کا پانی مالکا پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کر لیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مخالطہ پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تمہارا اس لئے کی کہ لوگ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈار سے اسلام قبول کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت خوش ہوئے۔ اور خاص مدینہ رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزانہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاری وغیرہ کی سماعت میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوسٹر کے بعد چند ہی ساہو پر حملہ ہوا۔ جو شوسٹر سے ۳۰ میل ہے، کئی دن تک ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر باب الیکم فی الحرب۔



مجاہدوں کا ایک دن شہر والوں نے خود دروازے کھول دیے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا۔ اور اس کا سبب دریافت کیا۔ شہر والوں نے کہا ”تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا رہا“ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ ”ایک غلام کی خودداری نجات نہیں ہو سکتی“ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھ گیا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ ”مسلمان غلام بھی مسلمان ہے۔ اور جس کو اس نے ایمان دے دی تمام مسلمان ایمان دے چکے۔“ اس شرکی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔ اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نئے ملک کا اضافہ ہو گیا۔

### عراق عجم اور ہجری (۶۳۱ء)

جلولان کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یزید گردے چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے یوقانی کی۔ اس لئے رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر مو میں اقامت کی۔ آتش پارسی ساتھ تھی اس کے لئے آتش کدہ تیار کرایا۔ اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا۔ اور ہرمزان جو سلطنت کا زور دہاند تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا رعب وواب باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر و نفوذ نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اس وقت تک یہ سمجھتے تھے کہ عرب کی آمد ہی سرحدی مقامات تک پہنچ کر رک جائے گی اس لئے ان کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا۔ لیکن خوزستان کے واقعہ سے ان کی آنکھیں کھلیں۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور قیوب پہنچے، اس سے دفعہ طبرستان اور جہان پلوں رے، اصفہان، ہمدان سے گذر کر خراسان اور سندھ تک غلامی ہو گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ ہڈی دل لشکر قم میں آکر ٹھہرا۔ یزید گردے موان شاہ کو (ہرمز کا فرزند تھا) سر لشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکہ میں درفش کاہانی جس کو عجم قال ظفر کہتے تھے مبارک قال

سزمن عراق و خلیل و خشم ہے مغلی ہے کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی ہے کو عراق عجم کہتے ہیں عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں کہ شمال میں طبرستان جنوب میں خراسان مشرق میں خوزستان اور مغرب میں شہر موانہ واقع ہیں۔ اس وقت اس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رے تھے۔ جیسے جیسے اس وقت رے بالکل ویران ہو گیا۔ اور اس کے قریب طبرستان آباد ہو گیا ہے جو شاہان کا چار کا دار السلطنت ہے۔

کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ موان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھر اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات سے اطلاع دی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمار کا خط لے کر ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور سب کو سنا کے کہا کہ ”مگر عرب اس مرتبہ تمام ایران کمر بستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟“ طلحہ بن عبید اللہ نے اٹھ کر کہا کہ امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے۔ ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دیں نبیائیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میری رائے ہے کہ شام، یمن، بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں اور آپ خود اہل حرم کو لے کر مدینہ سے انھیں کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں، اور پھر نہاوند کی طرف رخ کیا جائے۔ حضرت عثمان کی رائے کو سب نے پسند کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا وہ بولے کہ ”شام اور بصرہ سے فوجیں نہیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہو جائے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ جائیں۔ اور شام اور یمن بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہیں ایک ایک ٹکٹا دھر روانہ کر دی جائیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میری رائے بھی یہی تھی۔ لیکن تھا اس کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم میں سپہ سالار بن کر کون جائے لوگ ہر طرف خیال دوڑا رہے تھے۔ لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور اور مہمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف ان کی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا۔ اور سب نے اس کی تائید کی۔ نعمان تیس ہزار کی جمعیت لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔ جن میں سے حذیفہ بن الیمان، عبد اللہ بن عمر، جریر بن حنظل، مغیبہ بن شعبہ، عمرو معدی کرب، نواہہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوسوں کو بھیج کر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند سے ہر میل ادھر اسپہان ایک



مقام تھا۔ وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمرو بنی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں ان کو لکھا کہ ایرانی اس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ پائیں۔ اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم ہو گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیو بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا۔ مہمان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زرین پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شہزادے دیبائے زرکش کی قبائیں سر پر تاج زیبائے تھیں۔ سونے کے کنگن پہن کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی صفیں قائم کیں۔ جن کی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوتی جاتی تھیں۔ حترج کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مہمان شاہ نے کہا کہ اہل عرب سب سے بد بخت سب سے زیادہ فائدہ مست سب سے زیادہ ناپاک جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو یہ قدر اندازو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کرویتے۔ لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون میں اکوہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔ مغیو نے کہا ”ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل تھے۔ لیکن اس ملک میں اگر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا۔ اور یہ مزہ ہم اسی وقت چھوڑیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔ غرض سفارت بے حاصل گئی۔ اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ نعمان نے یمن اور میسور پر حذیفہ اور سہیل بن مقرب کو مجروحہ پر تعینات کو مقرر کیا۔ سادہ پر مجاشع تعین ہوئے اور حمریمین پر زہوک اور میسور پر یمن تھا۔ انھوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف کو کھو بچھا دیئے تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا۔ اور عجی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھ کر انہوں کو جمع کیا۔ اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں اور تعینات کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں۔ عجی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس ہندوستان کے لئے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹے پائے جس قدر بڑھتے۔ آتے تھے گو کھو بچھاتے آتے تھے تعینات نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجی برابر بڑھتے چلے آئے یہاں تک کہ گو کھو کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے اوپر جو فوجیں بھاری تھیں۔ موقع کا انتظار کر دی تھیں۔ جو نہی عجی نہ پر آئے انہوں نے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن نعمان نے روکا عجی جو برابر تھیر سارے تھے اس سے سینکڑوں مسلمان کام آئے۔ لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم

کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیو بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوتی جاتی ہے۔ اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اس خیال سے دلہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض وہ پڑھلی تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے پہلے نعرے پر فوج سنانو سالان سے درست ہو گئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلواریں نکل لیں۔ تیسرے پر دھڑکے حملہ کیا۔ اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پٹے لگ گئے میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہو گئے۔ ان کا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے۔ کلاہ اور سفید قبائلی۔ جو ضعیف گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن کے بھائی نے علم کو بھٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاہ اور قبائیں کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے ضبط و استعجال دیا تھا اس کا اندازہ اذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے۔ اور دم توڑ رہے ہیں گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا ان کا حکم یاد آیا۔ اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سہانے گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا ”مسلمانوں کو فتح ہوئی“ خدا کا شکر ادا کر کے کہا ”غوراً عمرو بنی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دو۔“ رات ہوتے عجیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں ایک مشہور آتش کدہ تھا۔ اس کا موبہ حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسی پردیز کے نہایت بیش بہا جواہرات لاکر پیش کئے جس کو کسی نے مشکل و تھکن کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمرو بنی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمرو بنی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مرثیہ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہداء کو کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جن کو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمرو بنی اللہ تعالیٰ عنہ پھر روئے اور فرمایا کہ



”عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا ان کو جانتا ہے جو اہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ ”غوراً واپس لے جاؤ۔ اور حذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں“ چنانچہ یہ جو اہرات چار کھڑے اور ہم کے فروخت ہوئے۔

اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے۔ اس معرکہ کے بعد عجم نے بھی کبھی اندر نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتح رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت لکھی تھی۔ اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

## ایران پر عام لشکر کشی ۱۸ ہجری (۶۳۲ء)

اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق کا البتہ ممالک عجمیہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ”کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے۔“ لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں اندر کر دیا کرتے تھے۔ نہماوند کے معرکہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر خیال ہوا۔ اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالک مملوکہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے۔ یہ فتنہ فروغ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہے گا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے۔ اس وقت تک ان کی امیدیں منتطع نہیں ہو سکتیں۔“

اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کئے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم حضرت بن قیس کو، ساہو واد و شیر کا مجاشع بن مسعود کو، مصر کا عثمان بن العاص، اصفہن کو، افسام کا ساریہ بن رہم، الکلبانی کو، کرمان کا سہیل بن عدی، کوسستان کا عاصم بن عمرو، کرمان کا حکم بن عمیر، التھبلی کو، آذربائیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ ۱۸ ہجری میں یہ

افسر اپنے اپنے متعین ممالک کے طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم ان کی الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فوجات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ ۱۸ ہجری میں عبداللہ بن عبداللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی، یہاں کے رئیس نے جس کا نام اسعدار تھا۔ اصفہان کے نواح میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی جس کے ہر اول پر شہر یزد جاوید ایک پرانہ تجربہ کار افسر تھا۔ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جاوید نے میدان میں آکر پکارا کہ جس کا دعویٰ ہو، تمنا میرے مقابلہ کو آئے، عبداللہ خود مقابلے کو آئے۔ جاوید مارا گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اسعدار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی۔ عبداللہ نے آگے بڑھ کر بے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذو سغان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دو سووں کی جاتیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑ کر خود فیصلہ کر لیں، دونوں حریف میدان آئے فاذو سغان نے کموار کا وار کیا، عبداللہ نے اس پامردی سے اس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذو سغان کے منہ سے بے اختیار آفریں نکلے۔ اور کہا کہ میں تم سے نہیں لڑنا چاہتا۔ بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دے کر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے عبداللہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور معاہدہ صلح لکھ دیا۔

اسی اثناء میں خبر ملی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعیم بن مقرن کو اور مروانہ کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچ کر محاصرہ کے سامان کئے۔ لیکن جب محاصرہ میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا۔ لیکن ولیم نے رے اور آذربائیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باپ زینبیدی جو رے کا رئیس تھا۔ انہیں کثیر لے کر کیا دوسری طرف سے اسعدار رستم کا بھائی پانچا۔ داری رود میں یہ فوجیں مقابل ہوئیں۔ اور اس اندر کارن پڑا کہ لوگوں کو نہماوند کا معرکہ یاد آگیا۔ آخر ولیم نے شکست کھائی۔ عہدہ جو واقعہ جیسر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شکست کی خبر لے کر گئے تھے۔ اس فتح کا پیغام لے کر گئے تھے تاکہ اس دن کی طمانی ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولیم کی تیاریاں سن کر نہایت تردد میں تھے۔ اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعتاً عہدہ پہنچے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ شکیں اچھا نہیں، بے ساختہ زبان سے انا للہ نکلا۔ عہدہ لے کر آیا کہ آپ گھبراہٹ میں نہیں۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔



حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے روانہ ہوں۔ رے کا حاکم اس وقت سیاوش تھا جو بہرام چوہیں کا پوتا تھا۔ اس نے دنیاوند طبرستان، قوس، جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں۔ لیکن زمیندی جس کو سیاوش سے کچھ ملال تھا۔ نعیم بن مقرن سے اٹلا۔ اس کی سازش سے شہر پر حملہ ہوا اور حملہ کے ساتھ دھنسا شہر فتح ہو گیا۔ نعیم نے زمیندی کو رے کی دیاست دی اور پرانے شہر کو ہراد کر کے حکم دیا کہ نئے سرے سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رے میں قیام کیا۔ اور اپنے بھائی سوید کو قوس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراقی عجم پر پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

### ۱۔ آذربایجان ۲۲ ہجری (۶۴۳ء)

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آذربایجان کا علم عقبہ بن فرقہ اور کبیر کو بھیجا تھا اور ان کے بڑھنے کی تمہیں بھی متعین کردی تھیں، کبیر جب میدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا، اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عقبہ کا سردار ہوا وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو کبیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربایجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضے میں تھا۔ عقبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربایجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مؤرخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربایجان کا علم حذیفہ بن یحییٰ کو ملا تھا وہ نہادند سے چل کر اردبیل پہنچے جو آذربایجان کا پایہ تخت تھا یہاں کے رئیس نے ماجران، سمند، سرا، سبز، میانج وغیرہ سے ایک اثمد کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا۔ اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موکان و جیلان پر حملہ کیا۔ اور فتح کے پھرے اڑائے۔

اسی اثناء میں دوبار خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عقبہ بن فرقہ ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ عقبہ کے چھٹے چھٹے آذربایجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی

۱۔ نقشہ دیکھئے آذربایجان کا پچاس طرح کے نام شہر تہران کو اس کا صدر مقام سمجھا جائے (سابق میں شہر مراند (دارالصدر تھا) بعد اور اردبیل اسی صوبہ میں آباد ہیں آذربایجان کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سوید اور آتار نے ایک آتش کھنڈ بکایا تھا۔ جس کا نام آتار تھا لہذا آتار کہلا گیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ لغت پہلوی میں آتار کے معنی آتش کے ہیں۔ اور بائبل میں آتار کے معنی آتش کے ہیں لہذا آتار کہلا گیا تھا۔ اس صوبہ میں آتش کدوں کی کثرت تھی۔ اس کی وجہ سے یہی نام ہو گیا جس کو عربوں نے اپنی زبان میں آذربایجان کر لیا۔

چنانچہ عقبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

### ۱۔ طبرستان ۲۲ ہجری (۶۴۳ء)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رے فتح کر لیا تو ان کے بھائی سوید قوس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ میں آ گیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سوید نے وہاں کے رئیس ہوزبان سے نامہ پیام کیا۔ اس نے جزیہ پر صلح کر لی۔ اور معاہدہ صلح میں بتصریح لکھ دیا کہ مسلمان جرجان اور دیستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں۔ اور ملک والوں میں جو لوگ بیوفی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر من کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کھانا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا اور مسلمانوں کو ان پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہو گا۔

### ۱۔ آرمینیا

کبیر جو آذربایجان کی صوبہ پر مامور ہوئے تھے۔ آذربایجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نئی فوج تیار کر کے ان کی مدد کو بھیجی، باب کا رئیس جس کا نام شہر راز تھا جو سی تھا۔ اور سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سن کر خود حاضر ہوا۔ اور کہا مجھ کو آرمینیا کے مکینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے۔ میانہ کی نسل سے ہوں۔ اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں، لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امدادی جائے۔ چونکہ جزیہ در حقیقت صرف محافضت کا معاوضہ ہے اس لیے یہ شرط منظور کر لی گئی اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمن بن ریحہ، بلخیز کی طرف جو مملکت خرز کا پایہ تخت تھا، روانہ ہوئے۔ شہر راز ساتھ تھا۔ اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو نصیحت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبدالرحمن نے کہا کہ ”لیکن میں جب تک اس

۱۔ نقشہ میں طبرستان فتوحات شمال میں ملے گا۔ اس لئے کہ خلافت فاروقی میں جزیہ دے کر ہمدرد کیا تھا۔ اس کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں خراسان و جرجان، مغرب میں آذربایجان، شمال میں جرجان اور جنوب میں بلخ، ہمدان اور استرآباد اس کے مشہور شہر ہیں۔

۲۔ صوبہ آرمینیا کو بلاد ارمن بھی کہتے جو ایشائے کوچک کا ایک حصہ ہے۔ شمال میں، خراسان و دیستان میں کوہی اور صحرائی حصہ، در تک چلا گیا ہے۔ مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلاد روم واقع ہیں۔ چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی میں داخل ہوا تھا۔ اس لیے نقشہ میں فاروقی رنگ سے جدا ہے۔



کے جگر میں نہ کھس جاؤں باز نہیں آسکتا۔ چنانچہ بیضاح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ اور حکم کرنے کا قان کو جہان سے اردن کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال المان کا رخ کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھر اڑا تا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ یہ تمام سماعت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

### فارسی ۳۳ ہجری (۶۴۴ء)

فارسی پر اگرچہ اول اول عہد ہجری میں حملہ ہوا۔ لیکن چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اس وقت چنداں کامیابی ہوئی۔ ہم نے اس زمانے کے واقعات کے ساتھ اس کو لکھا مناسب نہ سمجھا عراق اور ابواثر جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا۔ لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی علاء بن الحضری عہد ہجری میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے وہ بری ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ مدینہ و قاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی۔ ہرمیدان میں ان سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے سعد نے جب قادیسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا یہاں تک کہ دوبار خلافت سے اجازت تک نہ لی۔ اور فوجیں تیار کر کے دیہا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن ولید سر لشکر تھے اور جاسد بن المعلق اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اسلحہ پہنچ کر حجاز نے لشکر کیا۔ اور فوجیں کنارے پر اتریں یہاں کا حاکم ایک ہیرہ تھا وہ ایک انہجہ کیش لے کر پہنچا اور دیہا اتر کر اس پار صفیں قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی۔ اور حجاز بھی گویا دشمن کے قبضے میں آگئے تھے۔ لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ کو بڑھے اور فوج کو لگاوا کہ مسلمانوں بے دل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے جہانوں کو پھیننا چاہا ہے۔ لیکن خدا نے چاہا تو حجاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔

خلید اور جاسد بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو مار ڈالا۔ خلید کا

جزئیہ تھا۔

۱۔ حال کے ہنرانیہ میں عراق کی حدود گھا کر فارس کی حدود بصرہ کی تھیں۔ مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اس وقت فارس کے حدود یہ تھے۔ شمال میں اصفہان جنوب میں خرفہ فارس مشرق میں کہان اور مغرب میں عراق عرب اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے۔

بال عبد القیس للنزاع  
قد حطل الامداد بالجراع  
وکلهم فی سنن المصاع  
بحسن ضرب القوم بالقطاع

فرض سخت معرکہ ہوا۔ اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ ہمدان ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر تقسیم نے جہاز غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا۔ بد قسمتی سے اوہر بھی راہیں بند تھیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور چاہتا فوجیں متحین کر دی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے علاء کو نہایت شدید کا نامہ لکھا۔ ساتھ ہی عقبہ بن غزو ان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لئے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے چنانچہ بارہ ہزار فوج جس کے سپہ سالار ابو ہریرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہاں رکے پڑے تھے وہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ اوہر بجوسیوں نے ہر طرف قیوب دوڑا دیئے تھے۔ اور ایک انہجہ کیش جس کا سر لشکر شمر تھا اکٹھا کر لیا تھا۔ دونوں حریفوں توڑ کر لڑے۔ بالآخر ابو ہریرہ نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا۔ بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعہ نماؤنہ کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی۔ اور جدا جدا فوجیں متحین کیں۔ پارسیوں نے توج کو صدر مقام قرار دے کر یہاں بڑا سامان کیا تھا۔ لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات پر پھیل گئیں تو ان کو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ ان کی شکست کا وجہ بنا۔ چنانچہ سپاہیوں اور شیر توج اسلحہ سب باری باری فتح ہو گئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت یعنی ۳۳ ہجری میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شمر نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مغتورہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ ہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ ابکاوان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھائی ڈال دی۔ مسجدیں قیمر کیں۔ اور عرب کے بہت سے قبائل تباہ کئے یہاں سے کبھی کبھی لشکر کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آجاتے اس طرح اور شیر سپاہی اسلحہ اور جان کے بہت سے حصے دیا لئے شمر یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا۔ اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بصرہ شمر پہنچا تھا کہ اوہر سے حکم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے شمر نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی ایک دستہ سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی



بچے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شمرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک پڑ گئی۔ عثمان نے جس طرف رخ کیا ملک مک فتح ہوئے چلے گئے۔ چنانچہ گازیوں نوہند جان، ار جان شیراز، ساہور جو فارس کے صدر مقامات ہیں۔ خود عثمان کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ فساد دارالعمرو غیور فوجیں لگیں اور کامیاب آئیں۔

### ۳۳ ہجری (۶۴۳ء)

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۳۳ ہجری میں ایک فوج لے کر جس کا ہر اہل بشیر بن عمر الجلی کی افسری میں تھا۔ کرمان پر حملہ آور ہوئے یہاں کے مرزبان نے قفس وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسر کے ہاتھ سے مارا گیا، چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی۔ حیرت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں۔ اور بے شمار اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ حیرت کرمان کا تجارت گاہ اور سر جان کرمان کلب سے بڑا شہر تھا۔

### ۳۴ سیستان ۳۳ ہجری (۶۴۳ء)

یہ ملک عامر بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑکر بھاگ نکلے عامر برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زرخ کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے۔ خاصو کیا محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ان کی تمام اراضی حلی کیجی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور اس طرح وفا کی کہ جب مزدوعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر سرخ بل تک جس قدر ممالک تھے ان کی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی۔ چنانچہ وفاقاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہے۔

۱۔ اس کا قدیم نام کسانہ ہے۔ حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں کوہستان جنوب میں بحرمان شرق میں سیستان مغرب میں فارس ہے۔ زمانہ سابق میں اس کا دارالصدر کواسی (جو سیر) تھا جس کی جگہ اب حیرت آباد ہے۔  
۲۔ سیستان کو عرب بحرستان کہتے ہیں۔ حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں ہرات جنوب میں کرمان شرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان یہاں کا مشہور شہر زرخ ہے۔ یہاں میدا و افراط ہے۔ پید اور نا ہے۔ رقبہ ۲۵۰۰۰ کل میل ہے۔

### ۳۳ ہجری (۶۴۳ء)

کرمان پر حکم بن عمرو التغلیبی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۳۳ ہجری میں دیر ہو کر شمر کرمان کے اس طرف فوجیں اتاریں، کرمان کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پارا تر کر آیا اور صف آرائی کی ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور کرمان پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے نامہ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے دوبار خلافت میں بھیجے۔ صغار عبیدی جو نامہ فتح لے کر گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کرمان کا حال پوچھا انہوں نے کہا: ارض سهلها جبل ماء ها وعل وثمرها وقل وعدوها بطل وخیرها قليل وحرها طویل والكثير بها قليل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واقعات کے بیان کرنے میں کافی ہمدی کا کیا کام ہے انہوں نے کہا کہ میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ فوجیں جہاں تک پہنچی چکی ہیں وہیں رک جائیں۔ چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد کی کرمان ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ دہیل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہندوستان میں بھی آپکا تھا۔

### ۳۴ خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت

#### ۳۳ ہجری (۶۴۳ء)

اور ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں اشعث بن قیس بھی تھے۔ اور ان کو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ اشعث نے ۳۳ ہجری میں خراسان کا رخ کیا۔ فہسن ہو کر ہرات پہنچے اور اس کو فتح کر کے مو شاہجہان پر بڑھے۔ یزدگرد شاہشاہ فارس میں مقیم تھا۔ ان کی آمد سن کر مرمود چلا گیا۔ اور ۳۴ ہجری میں کرمان کا نصف حصہ بلوچستان کھاتا ہے اگرچہ مؤرخ بلاذری فتوحات فاروقی کی قہ سندھ کے شہر دہیل تک لکھتا ہے۔ مگر طبری نے کرمان کی کو اخیر حد قرار دیا ہے اس لئے ہم نے بھی نقشہ میں فتوحات فاروقی کی یہیں تک حد قرار دی ہے۔

۱۔ طہار بلاذری کے نزدیک تمام دارالعمرو فرما کہ 'خوارزم' طارستان اور سیستان کا رقبہ خراسان میں داخل تھا مگر اصل یہ ہے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں اس کے مشہور شہر نیشاپور، موہرات، سج طوس، فسا اور ابیورد وغیرہ تھے جن میں سے پہلے اب بالکل ویران ہیں۔



خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استدعا کے نام لکھے۔ اُخت نے موشا جہان پر حارث بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود موہو کی طرف بڑھے یزگرد سے بھی بھاگا۔ اور سید صالح پہنچا۔ اس اثناء میں کوفہ سے امدادی فوجیں آئیں جس سے سینہ دیمسویہ کے افسر ملتھر بن النفری، ربیع بن عامر، تميمی، عبد اللہ بن ابی عقیل، اخصی ابن ام غزال، الہدائی تھے۔ اُخت نے تانہ دم فوج لے کر بلخ پر حملہ کیا۔ یزگرد نے شکست کھائی اور دہرا اتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ اُخت نے میدان خالی پا کر ہر طرف فوجیں بھیج دیں اور نیشاپور، بخارا، سمرقند تک فتح کر لیا۔ موہو کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا۔ اُخت کے روانہ حوصلوں کی اگرچہ تعریف کی اور فرمایا کہ اُخت شرقیوں کا سر تاج ہے۔ تاہم جواب میں جو نامہ اس میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا، اور یزگرد خاقان کے پاس گیا اس نے بڑی عزت و توقیر کی۔ اور ایک فوج کثیر ہمراہ لے کر یزگرد کے ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ اُخت جو میں ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے۔ خاقان کی آمد سن کر موہو کو روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا موہو پہنچا۔ یزگرد سے الگ ہو کر موشا جہان کی طرف بڑھا۔ اُخت نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا، نہرا اتر کر ایک میدان میں جس کی پشت پر پناہ تھا۔ صف آرائی کی۔ دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صفیں جمائے پڑی رہیں۔ فجر صبح اور شام سانہو سلمان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ اوہر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا۔ بغیر لڑے واپس آجاتے تھے ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین ہمارے جنگ میں باری باری طبل و دھم کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن اُخت خود میدان میں گئے اوہر سے معمول کے موافق ایک طبل و علم کے ساتھ نکلا۔ اُخت نے حملہ کیا۔ اور دیر تک دوپہل رہی آخر اُخت نے جوش میں آکر کہا۔

ان علی کل دنیس حقا ان یخضب الصلۃ او یسلقا

قائد کے موافق دو اور ہمارے ترک میدان میں آئے اور اُخت کے ہاتھ سے مارے گئے خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے ہماروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں، چونکہ فوجیں برا تھا۔ نہایت تپتو تپتو کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بے فائدہ پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔

چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔

یزگرد موشا جہان کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی فتح سے ناامید ہو کر خزانہ اور جواہر خانہ ساتھ یا اور ترکستان کا قصد کیا درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ روکا اور جب اس نے نہ مانا تو برسر مقابلہ آکر تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت تک فرمانہ میں جو خاقان کا دار السلطنت تھا، مقیم رہا۔ اُخت نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مژدہ فتح سنایا۔ اور ایک پرائز تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دے دے گا۔



## مصر کی فتح ۲۰ ہجری (۶۳۱ء)

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مہابی عمویں العاص تھے وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر ان کی تجارت کا جولا نگاہ تھا اس زمانے میں مصر کی نسبت کو اس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہو گا۔ لیکن اس کی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ ان کی نظر میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اس میں یہ ان سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا۔ لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی اس پر بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اٹھ پھر آنا۔ عربی پہنچے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا۔ لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا۔ عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آچکے ہیں۔ (مصر زری و فیوہ میں لکھا ہے کہ قاصد مقام ریف میں عمرو سے ملا۔ انہوں نے اس خیال سے آگے بڑھنے سے منع کیا اور قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لے لوں گا۔ عربی کے قریب پہنچے تو خط لے کر کھولا اور پڑھا اور کہا کہ امیر المؤمنین نے لکھا ہے کہ ”مصر پہنچ چکے ہو تو رک جانا“۔ لیکن ہم تو مصر کے حد میں آچکے لیکن عمویں العاص کی نسبت ایسی جلد بازی کے اتمام کی کیا ضرورت ہے۔ اولاً تو بلادی و فیوہ نے تصریح کی ہے کہ خط ان کو عربی ہی میں ملا لیکن ریف میں ملا ہو تب بھی خرچ نہیں کیونکہ ریف خود مصر میں داخل ہے)

غرض عربی سے چل کر قریا پہنچے یہ شہر بحرہوم کے کنارے پر واقع ہے اور گواب ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آیا تھا۔ اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی۔ اس نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ اور ایک مہینے تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ بالاخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمرو فرما سے چل کر بلیس اور ام دغین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے فسطاط اس زمانے میں کف دست میدان تھا۔ اور اس قلعہ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبل منقلم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اس وقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا۔ اور بڑی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے اس کے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہاز اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں۔ ان وجوہ سے سرکاری ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی کو آکا اور محاسرو کی

تجاریاں کیں۔ متوقس جو مصر کا فرمانروا اور قیصر کا بائیکاٹ تھا عمویں العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچا تھا۔ اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت کو دیکھ کر عمرو نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا۔ اور اعانت طلب کی۔ انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے یہ افسر زبیر بن العوام، عمار بن العاص، مقداد بن عمرو، سلمہ بن علقمہ تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمرو نے ان کو افسر بتایا۔ اور محاسرو و فیوہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا۔ اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے اس کے ساتھ منہجیتوں سے پتھر برسائے شروع کئے اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آکر کہا آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کرنگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیزمی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہ نے ان کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ بجگیر کے نعرے بلند کئے۔ ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی دشمن دہل اٹھی۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگے۔ زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ متوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی۔ اور اسی وقت سب کو ایمان دے دی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمویں العاص اور افسران فوج کی دحوم و حمام سے دعوت کی۔ عمویں العاص نے قبول کر لی۔ اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے ان لوگوں کی دعوت کی۔ بڑی بڑے تڑک و احتشام سے آئے۔ اور تھلی کر سیوں پر بیٹھے کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیا تھا سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز اور عادات کے موافق کھانے بیٹھے کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوئیاں شور بے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شور بے کی چھوٹیں اڑ کر رومیوں کے کہنوں پر پڑتی تھیں۔ رومیوں نے کہا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں تھے۔ یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سلیقہ نہ تھے عمرو نے کہا ”وہ اہل البرائے تھے اور یہ سہا ہی ہیں“۔

حقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لئے معاہدہ صلح لکھوایا تھا۔ لیکن ہر قل کو جب خبر ہوئی تو اس نے نہایت ناراضگی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبلی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچ کر



مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار ہو۔

## اسکندریہ کی فتح ۱۲۲ ہجری (۶۴۱-۶۴۲ء)

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا۔ اور عیسٰی سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بھجوائی جائیں۔ وہاں سے منقوری آئی عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسا بنایا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی حکم دیا کہ اس کو عیسٰی رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے چونکہ علی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں۔ اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس اگر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اس لئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ ہر حال ۱۲۲ ہجری میں عمرو نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں انہوں نے سد راہ ہونا چاہا۔ چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جس میں ہزاروں قبیل بھی تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں۔ مقام کریون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت طیش میں اگر جنگ کی اور بے شمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرات نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ متوقس جزیہ دے کر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لئے صلح ہو جائے۔ عمرو نے انکار کیا۔ متوقس نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر شہر باندھ دیں اور فسطاط کے سامنے صف بٹھا کر کھڑے ہوں۔ عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جاسکیں انہوں نے شہر کی طرف منہ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہا بھیجا کہ ہم تمہارا مطلب سمجھتے ہیں۔ لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اب تک جو ملک فتح کئے کثرت فوج کے بل پر نہیں کئے۔ تمہارا بادشاہ جو ہر قل جس ساند سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی غلطی۔ نہیں۔ متوقس نے کہا ج ہے۔ ”یہی عرب ہیں جنہوں نے ہمارے بادشاہ کو قحطی پہنچا کر چھوڑا۔“ اس پر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے متوقس کو بہت برا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

متوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی اس لئے عمرو سے اقرار لے لیا تھا کہ ”چونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبیل) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے“ قبیلوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکے میں دونوں سے الگ رہے بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کر کے اور سڑکیں بناتے گئے۔ خود اسکندریہ کے محاصروں میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیرو خدنگ سے گذر کر تلوار کی نوبت آئی ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جس کا دعویٰ ہو تمہارا میرے مقابلے کو آئے مسلمہ بن مخلد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے ان کو زمین پر دے مارا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے اگر جان بچائی ”عمرو کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی خیال نہ کر کے کہا کہ ”زخموں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔“ مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا۔ لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔ لڑائی کا زور اسی طرح قائم رہا آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا۔ آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا۔ اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دیو اڑے بند کر دیئے اتفاق یہ کہ عمرو بن العاص اور مسلمہ اور دو شخص اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن جب ان لوگوں نے موانہ دار جان دینی چاہی تو انہوں نے کہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔

عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منکور کیا۔ اور خود مقابلے کے لئے نکلتا چاہا مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو تم پر آج آئی تو انتظام میں خلل ہو گا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا ”رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے۔ بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے۔ انہوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دیوانہ کھول دیا۔ اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی کستاخی کی معافی مانگی اور انہوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔

محاصروں جس قدر طویل سمجھتا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ ”شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی۔ جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جماد پر خطبہ دو۔“



اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ عمرو نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پر اثر تقریر کی کہ مجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھ کو دیجئے خود سر سے غلام اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ زبیر بن العوام اور مسلمہ بن علقمہ کو فوج کا ہر اول کیا۔ غرض اس سرداران سے قلعہ پر دھاوا ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں شمر فتح ہو گیا۔ عمرو نے اسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ جس قدر تیز جاسکو جاؤ۔ اور امیر المؤمنین کو مژدہ فتح سناؤ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سے منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔ اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہ خلافت میں جانے سے پہلے سیدھے مسجد نبوی کا رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لونڈی ادھر آنکلی اور ان کو مسافر کی ہیئت دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اسکندریہ سے۔ اس نے اسی وقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المؤمنین بلااتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لئے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی الصلوٰۃ جامعہ سنتے ہی تمام مدینہ امڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے وہاں سے اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے گھر پر گئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور دو عن زیتون لائی۔ مسمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے انہوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں۔ فرمایا افسوس تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔ (یہ تمام تفصیل مقررہ سے لی گئی ہے)

عمو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر سانا چاہا۔ الگ الگ قلعے متعین کئے اور دماغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں۔ تفصیل اس کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا۔ تاہم چونکہ مصر کے

تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ اسکندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہ جائے چنانچہ خارجہ بن حذافہ العدوی فیوم، اشروتین، انعم، بشروات، معید اور اس کے تمام مضافات میں چکر لگا آئے اور ہر جگہ لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن وہب الجمعی نے تھیس و میاط، توتہ، دمیہ، شطا، وقہلہ، ہتا، بوہیر کو مسخر کیا، عقبہ بن عامر الجندی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کئے۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۷)

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبلی اور رومی گرفتار ہوئے تھے عمرو نے دوبار خلافت کو لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ ورنہ جزیہ دینا ہو گا۔ جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے عمرو نے تمام قیدی جو قندلوس میں ہزاروں سے زیادہ تھے ایک جا جمع کئے عیسائی سرداروں کو طلب کیا اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آنے سامنے بیٹھے بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں کی ہر اسلام کے نطق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو مسلمان اللہ اکبر کا نعوباند کرتے تھے اور خوشی سے بچے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا۔ اور مسلمان اس قدر غمزہ ہوتے تھے کہ بہتوں کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہ رسد کی موافق کامیاب آئے۔ (طبری صفحہ ۲۷۷-۲۷۸)



## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

(۲۶ ذوالحجہ ۲۳ ہجری - ۶۴۴ عیسوی)

(کل مدت خلافت دس برس چھ مہینے چار دن)

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ جس کی کنیت ابولولو تھی اس نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر شکایت کی کہ میرے آقا صفیہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محمول مقرر کیا ہے، آپ کم کرا دیجئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعداد پوچھی اس نے کہا روزانہ دو درہم (قریبات آئے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، تو کونسا پیش کرتا ہے، ہوا کہ ”بھاری نقاشی، آہنگری“ فرمایا کہ ”ان صنعتوں کے مقابلہ میں رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیوز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح کی نماز کو نکلے تو فیوز خیرے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہو جائیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کے لئے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیوز نے دفعہ گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سانسے بہل پڑے تھے فیوز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑا گیا اور ساتھ ہی اس نے خود کشی کر لی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ گھیرائے سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ ”میرا قاتل کون تھا۔ لوگوں نے کہا کہ فیوز“ فرمایا کہ الحمد للہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مار گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔ لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں غالباً شفا

ہو جائے۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اس نے نمیدہ کو دھو پلایا۔ اور دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ”اب آپ اپنا اولیٰ عہد منتخب کر جائیے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ ”معاشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ اور کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ عبد اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ”اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پر ترجیح دوں گی۔“ عبد اللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر کی، بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے فرمایا ”میں سب سے بڑی آرزو تھی۔“

اس وقت اسلام کے حق میں محسب سے اہم کام تھا کہ وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا۔ اور اکثر سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ بیٹھ بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطیاں دیکھاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمی نہ تھی۔ بارہا ان کے منہ سے یہاں آؤ نکل گئی۔ کہ ”افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا“ تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب میں کچھ نہ کچھ کی باتے۔ تھے اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کیا۔ حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خورہ کیوں کہیں، گو ہم نے ان کو اب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جائے کام نہیں ابھی حضرت علیؓ کے متعلق جو کچھ کہی حضرت عمرؓ کی زبانی عام کارہائوں میں متعلق ہے۔ یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں خلعت جب سے ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے حضرت علیؓ عریف تھے مگر اسی قدر جتنا لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے تعلق سے کچھ کہی جاتی ہے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا تھے۔ عام طور پر ان کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کر رہے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا راز مرصع معلوم ہو گا۔ مکالمہ عبد اللہ بن عباسؓ سے ہوا۔ جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمرؓ کیوں عبد اللہ بن عباسؓ! علیؓ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟ (ابو جحیفہ مؤرخ)



کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارکس بتفصیل مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (طبری صفحہ ۲۷۷)

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ”میں چھ مھنوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوم اور ملک کی یہودی گنجو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور حواس نے یاد دی وہی اسی دشمن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ”جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین، انصار، اعراب وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر تیار ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی، یہودی، پارسی جو اسلام کی رعایا تھے)“ پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ

عبداللہ بن عباسؓ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ تمہارے باپ رسول اللہؐ کے چچا اور تم رسول اللہؐ کے چچرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ بن عباسؓ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سوا ہونا کوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباسؓ کیوں؟

حضرت عمرؓ وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابو بکرؓ نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابو بکرؓ نے تم سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دیتا بھی جاتے تو ان کو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ مفید نہ ہوتا۔

دوسرا نکالہ اس سے زیادہ مفید ہے کچھ باغی تو وہی ہیں جو پہلے مکہ میں گذرے تھے۔ اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمرؓ کیوں عبداللہ بن عباسؓ تمہاری نسبت میں بعض بعض باغی بنا کر آتے ہیں لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کہ نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت سداً اٹھلا لی۔

عبداللہ بن عباسؓ اٹھلا کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ بات کسی پر لگتی نہیں۔ لیکن حسد تو اس کا موجب کیا ہے۔ لیکن میں نے تم پر حسد کیا اور ہم لوگ تو ہم ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا موجب ہے؟

حضرت عمرؓ افسوس خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے رائے دن اور کھینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباسؓ ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی باغی ہی تھے۔

حضرت عمرؓ اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباسؓ بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۹ تا ۲۸۰)

ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اس بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیلی اور سبب سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور یہ زیادہ تر اسی وجہ سے تھا کہ حضرت عمرؓ تزاوی اور حق کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔

کہے وہ یہ تھے ”میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے۔ یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔“

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے۔ معلوم ہوا کہ چھیالیس ہزار درہم۔ فرمایا کہ میرے متروکہ سے لوا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے۔ لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ (دیکھو کتاب المناقب باب فتۃ البیہ والا اتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شیبہ نے کتاب البدیع میں سند صحیح روایت کیا ہے کہ نافع جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے کہتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا۔ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وارث کو ایک لاکھ میں بیچا تھا۔ (دیکھو تاریخ الباری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۷۷)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چھیالیس ہزار کا قرض ضرور تھا۔ لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا سکونت مکان بیچ ڈالا گیا۔ جس کو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب رحمت کے بیچ میں واقع تھا۔ اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا۔ ایک مدت تک دارالقضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ ”خلا متہ الوفا فی اخبار دارالمصطفیٰ“ میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے۔ (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۷۷ تا ۷۸)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین دن کے بعد انتقال کیا۔ اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے نماز جنازہ سبب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمن، حضرت علی، حضرت عثمان، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالم کتاب خاک میں چھپ گیا۔



مغرب کی جانب چونکہ صرف جدو تک حد حکومت تھی اس لئے وہ قاتل ذکر نہیں۔  
اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق، گنم، آرمینیا، آذربائیجان، فارس،  
کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا حصہ آجاتا ہے شامل تھا، ایشیائے کوچک پر  
جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں، مہر ہجری میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار  
ہونے کے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات ہیں۔  
اور اس کی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

### فتح کے اسباب یورپین مؤرخوں کی رائے کے موافق

پہلے سوال کا جواب یورپین مؤرخوں نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس و روم دونوں  
سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے نظام سلطنت بالکل درہم برہم  
ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا ہو موجود نہ تھا اور بار کے عمائدین  
دار کاں میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں۔ اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں اول  
بدل ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین چار برس کے عرصے میں ہی عمان حکومت چھ ساتھ فرمانرواؤں  
کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مزوکیہ فرقہ کا  
ہست زور ہو گیا تھا۔ جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نوشیرواں نے گو تلواریں کے ذریعے سے  
اس مذہب کو دبا دیا تھا۔ لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے  
کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب و عقائد  
سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں مسطورین فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں  
ملتی تھی وہ اسلام کے سایہ میں اگر مخالفوں کے ظلم سے بچ گیا، اس طرح مسلمانوں کو وہ بڑے  
فرقوں کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آگئی، روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس  
کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک  
مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا  
بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوتی جاتی تھی۔

### یورپین مؤرخین کی رائے کی غلطی

یہ جواب گودا قیامت سے خالی نہیں، لیکن جس قدر واقعت ہے اس سے زیادہ

### حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

### فتوحات پر ایک اجمالی نظر

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمہارے دل پر اس عمد  
کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا۔ لیکن اسلاف کی  
داستان سننے میں تم نے اس کی پرواہ نہ کی ہو گی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا  
جائے۔

لیکن ایک نکتہ سنا مؤرخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحرا  
نشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر الٹ دیا! کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر  
اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی  
جاسکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات  
کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ فتوحات فاروقی کی  
وسعت اور اس کے حدود اربعہ کیا تھے۔

### فتوحات فاروقی کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۸۸۰۰۰ میل مربع  
یعنی مکہ سے شمال کی جانب ۸۰۰۰ میل، شرق کی جانب ۸۰۰۰ میل، جنوب کی جانب ۸۰۰۰ میل تھا۔



طرز استدلال کی طبع سازی ہے۔ جو یورپ کا خاص انداز ہے بے شبہ اس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں۔ لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پر زور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں نہ یہ کہ عرب جیسی مسرور سالان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جاتیں روم و فارس کو کسی حالت میں تھے تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جواب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک ان کا عملی رواج رہا۔ اس کے ساتھ رسد کی فراوانی مسرور سالانی کی بہتات، کلات جنگ کے تنوع فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنی تھی، مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شان و شوکت کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لے لئے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ جلال تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے۔ اتنے تھوڑے عرصے میں ایسی قوم اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی۔ البتہ تخت نشینوں کی اول بدل سے نظام میں فرق آگیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ فوج اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس لئے جب یزید کو تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے نہیں ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزوکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا۔ لیکن ہم کو تمام تاریخ میں ان سے کسی قسم کی مدولنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ سنویرین کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ خود یورپین مؤرخوں نے کیس نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال تھا کہ یہ موک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے تعبیہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود زہرا چلتے ہوئے بکتر چار آئینہ، پہنی دستار، جہلم موزے جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ تھا۔ اس میں سے عربوں کے پاس صرف زہرا تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب

۱۔ ابن قتیبہ نے اخبار اللہ میں لکھا ہے۔ یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمل کرنی پڑتی تھیں۔

لوہے کے بجائے لکڑی کی ہوتی تھی۔ کلات جنگ میں گرز و کند سے عرب بالکل آہستہ تھے میر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قلاسیہ کے معرکہ میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل ان کو دیکھا تو سمجھا کہ ٹکے ہیں۔

## فتوحات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال بلند جو صلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی۔ اور جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ روم اور فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اس کی ٹکر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور چیزیں بھی مل گئی تھیں۔ جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی اور دیانتداری تھی۔ جو ملک فتح ہوتا جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یہ موک کے معرکہ میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ ”خدا اتم کو پھر اس ملک میں لائے۔“ اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ ”ہمارے جیسے ہی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا۔“

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جاہلانہ تھی۔ اس لئے رومیوں نے جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا ان کے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑا تو آگے مطلع صاف تھا۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں سلطنت کے نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے۔ وہ سلطنت کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کے لئے لڑتے تھے یہی وجہ تھی کہ پائے تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہو جاتی تھی۔ اور اس لئے فتح کے بعد بھائے حکومت میں ان سے بہت مدولتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا۔ اور دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام



قیصر کا محکوم تھا۔ عراق میں نعمی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے۔ گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قوی اتحاد کا جذبہ رائیگاں نہیں جاسکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و پاؤں پر ہاتھ رکھتے۔ شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔ سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے، بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم اور قتل عام کی بدولت چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔

### سکندر و غیرہ کی فتوحات کا موازنہ

سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صوری کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر شاہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اس کے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لوہڑی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آذادی پسند تھے ان میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا اسی طرح فارس میں جب امطر کو فتح کیا تو تمام مہلوں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح کی اور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کی بقا نہیں۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیر پا نہ ہوئیں لیکن فوری فتوحات کے لئے اسی قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز، بخت نصر، تیمور اور جتنے بڑے بڑے فاتح گذرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات میں کبھی سر مو قانون، انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا، آدمیوں کا قتل عام ایک طرف، دُور خوں کے کانٹے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جاسکتا تھا دشمن سے کسی موقع پر بد عہدی یا فریب دہی نہیں کی جاسکتی تھی۔

افسوس کو تاکید یہ احکام دیئے جاتے تھے۔

۱۔ تمکے چل کر ایک موقع پر ہم نے ان کے نام بھی تحصیل سے لکھے ہیں۔

فان قاتلوکم لایا تغربو ولا تمخلو ولا تقتلوا اولیاء

(کتاب الخراج صفحہ ۳۰)

”یعنی دشمن تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک کاٹ نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔“

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لے کر درگزر کی جاتی تھی یہاں تک کہ جب عربوں والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی، خیمہ کے یسویوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ ارضیات کا معاوضہ دیے دیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ بدھڑے ان لوگوں کا گذر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دی جائے اور جب کسی شہر میں قیام پزیر ہو تو ایک سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گذرے ہیں ان کو یہ دکھانا چاہئے کہ اس احتیاط اس قید اس پابندی اس درگزر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔

اس کے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار رہتے کر فوج کو لڑاتے تھے اس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہاتھ آتا تھا۔ فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں۔ البتہ ان کی باگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ایک اور صریح فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گذرنے والے بادل کی طرح تھیں ایک دفعہ دور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کئے وہاں کوئی ظلم حکومت نہیں قائم کیا۔ برخلاف اس کے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اس وقت فتح ہوئے تھے سو برس گذرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہر قسم کے کلی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔



## فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اختصاص

آخر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چنداں تحقیق نہ تھی۔ اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہ ہتی قوتیں ہیں۔ لیکن یہ قوتیں اسی وقت کام دے سکتی ہیں جب کام لینے والا بھی اسی زور قوت کا ہو۔ قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج بتلی کی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کی ترتیب فوجی مشقیں، بارکوں کی تعمیر، کھوٹوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کا تعین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کئے۔ اور ان کو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینہ سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کروا تھا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجے رہتے تھے۔ فوج قادیسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منکوا بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوتے تھے ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے اشاروں پر ہوتا ہے۔ ان تمام لڑائیوں میں جو دس دس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے ایک نمادہ کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبہات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک

میں ٹک لگا دی تھی۔ اور لاکھوں فوج مسیحا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ ممس پر چڑھائی کی تھی ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا۔ اور دوسری طرف ایک کوہ گراں کے پر نچے اڑا دیے چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔

ان واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گذرا جو فتوحات اور بحل دونوں کا جامع ہو۔



## نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پڑی۔ لیکن حکومت کا دور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو سالہ خلافت میں گرچہ بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ ہوا۔ یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں۔ تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا۔ اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں نوٹ کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آچکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہئے ہیں کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اس کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا لیکن ایسے موقع پر صرف اس ایک بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے ملتا تھا۔ یعنی سلطنت کا میلان ذاتی اختیار پر تھا یا عام رائے پر۔

## جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہو گا اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہو گا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا صرف ایک نمبر رہ جائے پر خلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دار و مدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بناء پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

① بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں۔ صرف چند ارکان

سلطنت کی عقل و تدبیر کام چلتا ہے۔

② چونکہ مجر چند عہد ایدادوں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔

③ مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے ان کو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی کہ خود ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔ چونکہ مجر چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کارناموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں۔ اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے اس بناء پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری کی شخصی بحث ہو اس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوریت ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں تھیں یعنی حمیری، غسانی لیکن یہ سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار جمہوری اصولوں پر انتخاب کئے جاتے تھے۔ لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا۔ گو ان کا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

لَا يَخْتَرُونَ اِسْرَافِلَ يَقُولُ اِنَّمَا كَانَتْ بِمَعْنَى بَكَرٍ فَلْتَعَوْنِ تَحْتَ الْاِ

وَانْهَالَهُ كَانَتْ كَذَا لَكِنْ اَللّٰهُ قَلْبِي عَرَّهَا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرد و پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ دوم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جاہلانہ خود مختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کو مثال اور نمونے کے



جمہوری حکومت کی بنیاد والی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی مدح میں سب و خود میں آئیں۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)

ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا۔ یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے۔ اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی مہاجرین و انصار۔

### مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ

مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضرور تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے۔ تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، ابی بن کعب، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ اسلوة جاسد یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۲۵۷)

### مجلس شوریٰ کے جلسے

معمولی اور روز مو کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پایا جاتا تھا مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاکیر میں دئیے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں تمام قدامتے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں پانچ شخص قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے۔

۱۔ کنز العمال، بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۳۳۳ طبع دار الفکر۔

شریک ہوئے کئی دن تک مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و مہربانی سے لوگوں نے تقریریں کیں اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ تقریر کی جتہ جتہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لم ازعجکم الا لان تشرکوا لی امانتی فیما حملت من  
امور کم فانی واحد کا حد کم۔ ولست اريد ان یتبعوا هذا  
الذی هوای۔

۱۔ ہجری میں جب نماوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور انہیوں نے اس سروسامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس صمم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، علی بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں۔ اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقع جنگ پر نہ جائیں اسی طرح فوج کی تنخواہ و فتری ترتیب عمال کا تقرر وغیرہ قوموں کی تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تخصیص۔ اسی قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت نامتوں میں بہ تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے ان امور کے پیش ہوتے وقت ارکان مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی نامتوں میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت استحسان و تمسک کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرمایا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

لا خلافت الا عن مشورة (کنز العمال بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۷)

### ایک اور مجلس

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے

۱۔ تمام تفصیل کتاب الخزان کاظمی ابو یوسف صفحہ ۳۷۲ میں ہے۔



لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفار میں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دار رسی چلتی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خاص اس کے لئے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ قوانوں میں تصریح کی اور ایک وفد تمام اہل ان سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا چنانچہ اس کی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آئے گی۔

### خليفة کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو ملک کی آمدنی میں سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی جا کمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اس کے اختیارات محدود ہوں ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لائق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے۔ اور ان کے کیا اختیارات ہیں۔ ایک موقع پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی اس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کا قابل ہیں۔

انما انا ومالکم کولی الیمم ان استغثت استعفت وان  
انفرت اکتبت بالمعروف لکم علی ایہا الناس خصال لخدمتی  
نیہا لکم علی ان لا اجتبی شیئاً من خراجکم ولا ما افاء اللہ  
علیکم الا من وجهہ ولکم علی انا وای فی یدی ان لا یخرج  
منی الا فی حقہ وانکم علی ان ازیدنی عطیاً تکم واسد نعورکم

تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

للمهاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر تجلس معهم لیه  
ویحد ثہم عما ینتہی الیہ من أمر من أمر الا قال یوناً  
ما أدری کیف اصنع بالمجوس۔

### عام رعایا کی مداخلت

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے حاکم رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آیا تھا کوفہ، بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص کا انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانتدار اور قابل ہوں۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقہ، بصرہ سے حجاج بن اعلاط، شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابویوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

کتب عمر بن الخطاب الی اهل الکوفة یبعثون الیہ رجلاً من  
اخیرہم واصلاحہم والی اهل البصرة کذا لک والی اهل الشام  
کذا لک قال فبعث الیہ اهل الکوفہ عثمان بن فرقہ وبعث الیہ  
اهل الشام معن بن یزید وبعث الیہ اهل البصرة الحجاج بن  
اعلاط کلہم مسلمون قال فاستعمل کل واحد منهم علی  
خراج الوضی (کتاب الخراج ص ۴۰)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نو شیر والی تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب







فارسی : اس میں مفصل ذیل اصطلاح شامل تھے۔

## صوبوں کے افسر

نو شیروانی عہد کے صوبے

مؤرخ یعقوبی (تاریخ یعقوبی صفحہ ۳۶۱-۳۶۲ جلد اول) نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

نیشاپور، ہرات، سرو، سورود، قاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، پاو عیس، پامود، غرستان، طوس،  
خراسان، جرجان۔

طبرستان، رے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان، ساوند، وینور، خلوان، ماسعدان، قمریان، قدق، شہر زور، ماسغان، آذر بجان۔

[illegible]



مہربان نہ ہوں اور ان سے نہایت ہمدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے۔ ملک کو بھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں بوق المٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو ہر شناسی

اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جو ہر شناس واقع ہوئی تھی۔ یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی ترہ کو پہنچ جاتے تھے اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے قاتل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جن کو ہاۃ العرب کہا جاتا تھا۔ یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں دیتے تھے۔ امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، زیاد بن سمیہؓ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائیں۔ زیاد ان کے زمانے میں شانزہ سالہ نوجوان تھا۔ اس لئے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا لیکن اس کے قابلیت اور استعداد کی بناء پر ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کار بنائیں۔ فن حرب میں عمرو سعدیؓ کرب اور طلحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے۔ لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرنؓ کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا۔ لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صفی کی افسری نہ دینا۔ کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔ عبد اللہ بن ارقمؓ ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبد اللہ بن ارقمؓ نے عرض کی کہ ”میں“ یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے ان کی اس قابلیت پر ان کا خاص خیال ہوا۔ اور جیسا کہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میرمنشی مقرر کیا۔

نماوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت

۱۔ عبد القادر بن محمد بن شیبہ۔ ۲۔ استیعاب قاضی ابن عبد البر بن محمد بن شیبہ۔ ۳۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے اتفاق کیا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن مقرنؓ کا نام لیا۔ اور سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ”یہ انتخاب بالکل بجا ہے“۔ عمر بن یاسرؓ بڑے رتبے کے صحابی تھے اور زہد و تقویٰ میں بینظیر تھے۔ لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے۔ قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا تو معقول کر دیا اور ان کے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزوں نہ تھے۔ اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں۔ جن کا اشتعاء نہیں کیا جاسکتا، کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر نزل کو حکومت کی گل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔ تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ ”اگر لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا“۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ”ہم آپ کو مدد دیں گے“۔ لیکن اس وقت ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”اے عمر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دنیا میں اکوڑہ کرتے ہو“۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں“۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں پیش مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں۔“ عرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیانتدار اور قاتل لوگ انتخاب کئے اور ان کو ملکی خدمتیں سپرد کیں۔

### عہدیداروں کے مقرر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ

اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب لیا جاتا تھا۔ وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ عثمان بن عفیفؓ کا تقرر اسی طریقے سے ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلع کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ قابل ہو اس کا انتخاب کر کے بھیجو۔ چنانچہ

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۵۵۔ اصل عبارت: ”سب ان عمر بن الخطاب و عاصم بن عبد اللہ و قتال و اہل تميم و بنو تميم و بنو تميم“۔ ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۵۳۔



انہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے عثمان بن فرقہ، معن بن یزید، حجاج بن عطاء اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے چنانچہ ہم اس کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

### تنخواہ کا معاملہ

ایک وقت یہ تھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہ اسی طرح جس طرح آجکل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرہ لیں تو ان کو نہایت ناگوار ہو گا۔ لیکن عہدِ نبی کے نام سے جو رقیں ملتی ہیں اس سے ان کو احتراز نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے۔ لیکن یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں۔ ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق ادا نہ کرنے سے انکار کیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا۔ حکیم بن قوام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی وکیلہ یا روزنہ لینا گوارہ نہ کیا۔

(کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۲۲۲)

### عالموں کے فرائض میں ان کے فرائض کی تفصیل

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا۔ اس کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا۔ جس میں اس کی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے مجازین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عالموں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اس کے متعلق خطبے دیئے ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا۔ عالموں کو خطاب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

الا وانی لم ابعثکم اسراء ولا جبارین ولكن بعثکم آمناء

وہ طہری مغل نے عہدِ خالد (۲۰) میں لکھا ہے (۱) اس کی تفسیر یہ ہوتی ہے اس نے انعام دیے ہیں۔

۱۰۰۰ عہدِ خالد (۱) میں لکھا ہے (۱) اس کی تفسیر یہ ہوتی ہے اس نے انعام دیے ہیں۔

بہت ہی بکم فادوا علی المسلمین حقوقہم ولا تضرہم

تذلوہم ولا تحمدوہم لتفتنوہم ولا تغفلوا ابوابہم

لیاکل قلوبہم ضعیفہم ولا تستاثروا علیہم لتظلموہم

”یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں

بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں تم لوگ

مسلمانوں کے حقوق ادا کرو ان کو زد و کوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں“

ان کی بجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں ان کے لئے اپنے

دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھاجائیں ان سے کسی

بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔“

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ

کے ایک بڑے گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر

کرتے تھے جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا تھا۔ اس کی لیاقت اور فرائض کا

اعلان ہو جائے۔

### عالموں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا۔ ہار یک کپڑے نہ پہنے

گا۔ چمنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ

کھلا رکھے گا۔ یہ شرطیں اکثر پرواؤ تقرری میں درج کی جاتی تھیں۔ ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا

جاتا تھا۔

### عالموں کے مال و اسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا۔

اس کی مفصل فہرست تیار کر کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی

ترقی ہوتی تھی۔ تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔

خالد بن سنان نے اشعار کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔

۱۔ کتاب الفرائض صفحہ ۶۳ میں ہے کان عمر اذا استعمل رجلا اشہد علیہ رجلاً من الانصار۔

۲۔ کتاب الفرائض صفحہ ۶۴۔

۳۔ کتاب الفرائض صفحہ ۶۵ میں ہے کان عمر الخطاب یکتب اموال اعماله اذا اولاہم ثم یقاسمہم ما رملو

وکتب



حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کی موجودات کا جائزہ لے کر آجھا تو حمال بٹالیا۔ اور بیت المال میں داخل کر دیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں۔

ابلیغ امیر المومنین رسالة  
لانت امن الله في المال والامر  
للاتدعن اهل الرساتيق والقرى  
يسفون مال الله في الانم الوفور  
لارسل الى العجاج لاعرف حسابهم  
وارسل الى جزوارسل الى بشر  
ولا تسمن النافعين كليهما  
ولا ابن غلاب من سراة بني نصر  
وما عاصم منها لصفير عياهم  
وذاك الذي في السوق مولى بن بدر  
وشبلا لسل المال وابن محرش  
لقد كان في اهل الرساتيق ذا ذكر  
نوب اذا ابوا ولفزوا غزوا  
فلاني لهم وفر ولسنا اولي وفر  
اذا التاجر الذاري جاء بظارة  
من المسك راحت في صفار لهم تجرى

### زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی

تمام عامل کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں حج کی تقویب سے پہلے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو تو پیش کرے۔ چنانچہ ذرا اسی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ ”مساجد! عامل جو مقرر کر کے بھیجے جاتے

۱۔ تاریخ طبری ص ۳۸۰ میں ہے وکان من سنة عمر و سیرتہ یا بعد عمالہ بموافقة الجمع فی کل سنة لئلا  
والجبر ہم بدنا عن الرعیة لیکون لشکاة الرعیة لئلا یغایبوا یتنہز تھا فید الہد ۴

ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ طمانچہ ماریں یا تمہارا مال چھین لیں بلکہ میں ان کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا تو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اس کا انتقام لوں۔ عموی بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ ”اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اس کو سزا دیں گے؟“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ خبر ادا مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق تلف نہ کرو۔ ورنہ کفران نعمت پر مجبور ہوں گے۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے ایک شخص اٹھا اور کہا کہ ”آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے عموی بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ظلم سے انتقام نہ لوں۔“ عموی بن العاص نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دوا شرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔

(کتاب التراز صفحہ ۴۸)

### عاملوں کی تحقیقات

دو نوثات عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں۔ ان کی تحقیقات کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا۔ جس پر محمد بن مسلمہ انصاری مامور تھے۔ یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کاب رہے تھے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے۔ ان وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے۔ اور موقع پر جا کر مجامع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ ہر جہی میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے قادیہ کی مہم سر کی تھی۔ اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

۱۔ اسو القاب تذکرہ صحیح مسلمہ میں ہے فہو کان صاحب العمال ایام عمر کان عمر ادا شکای الیہ عاملیہ رسول  
محمد الکشف الحال اھو النبی ارسلہ عمر الی عمالہ لیا خذ شطر اموالہم طبری نے مختلف مقامات میں  
تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے۔



عز کے پاس جا کر شکایت کی یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر نمائند کے قریب آپہنچے تھے مسلمانوں کو سخت تردد تھا۔ اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پر خطر وقت ہے تاہم یہ تردد مجھ کو سعد بن ابی وقاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا۔ انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے اظہار لئے اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کا اظہار لیا۔ (ابو ہریرہ قصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۸۱ تا ۲۸۲ میں ہے۔ صحیح بخاری میں بھی اس واقعے کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۳۳ مطبوعہ میرٹھ)

## کیشن

بعض اوقات کیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں، بعض اوقات ابتدائے عامل کو مدینہ بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور اکثر یہ اس وقت ہوتا تھا جب کہ عامل صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بصرہ کے گورنر تھے۔ ان کی نسبت جب شکایت گذری تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستفیض کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا۔ اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کیں، الزامات یہ تھے۔

① ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسیران جنگ میں سے ۳۰۰ رکھیں زراوے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہیں۔

② ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے۔ حالانکہ اس قسم کی ایک غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی۔

③ کاروبار حکومت زیادہ سیر کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہوسفید کا مالک ہے۔

تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا۔ تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیادہ سیاست و تدبیر کا آدمی ہے۔ اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ کو طلب کیا اور امتحان لیا۔ تو حقیقت میں قابل آدمی تھا۔ اس لئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیادہ کو مشیر کار بنائیں۔ ۵۔ سراسر الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب

نہ دے سکے، چنانچہ لونڈی ان سے چھین لی گئی۔ (طبری صفحہ ۲۸۲ تا ۲۸۳)

عالموں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا۔ سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اس کے دربار میں بار نہیں پاتا تو وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۳۹)

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ ”عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا عالموں کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الہی سے بچ جاؤ گے تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے باریک کپڑے پہنتا ہے۔ اور اس کے ذرائعے پر دربان مقرر ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دواڑے پر دربان تھا۔ اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرتہ اتروا کر مکمل کا کرتہ پہنایا۔ اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ ”جنگل میں لے جا کر چرواؤ“ عیاض کو انکار کی تو بھال نہ تھی۔ مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”تجھ کو اس سے عار کیوں ہے۔ تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا“ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۳۹)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ میں اپنے لئے نکل بنوایا تھا جس میں ڈبوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہو گا۔ محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈبوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد بن ابی وقاص چپکے دیکھتے گئے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت و ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنا چاہتے تھے۔ وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست دہاند یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں۔ عام آدمیوں کو اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں۔ ان کے افعال کا اثر بھی انہیں تک محدود رہے گا۔ لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا



لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آکا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں۔ اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ یا آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں پولیٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں۔ مساوات اور عدم ترجیح جس کو آج کل اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں۔ عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی تباہیوں میں محدود تھے۔ ورنہ امیر معاویہ شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خدم و حشم کو دیکھ کر اس قدر کہا کہ اکسراتیہ؟ یعنی یہ نو شیر وانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ یہاں مدیوں سے سابقہ رہتا ہے۔ اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب و داب نہیں قائم رہ سکتا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا۔ کہ تنخواہیں پیش مقرر کی تھیں۔ یورپ نے بدقولی کے تجربے کے بعد اصول سیکھا ہے۔ اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور مدہ پیہ گراں تھا۔ تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً پیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی۔ اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار ہزار تھی اور یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔

(استیعاب قاضی ابن عبد البر اور ازادہ الخلاء جلد دوم صفحہ ۵)

اب ہم عمالان قاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پروا استعمال کئے تھے۔

نام	مقام	عمدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	دالی	مشہور صحابی اور مشہور پیشو میں داخل ہیں
یزید بن ابی سفیان	شام	دالی	تمام عورات میں ان سے پیچ کر کوئی شخص لائق نہ تھا۔

امیر معاویہ	شام	دالی	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاص	مصر	دالی	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	دالی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوں تھے۔
عقب بن غزوہ	بصرہ	دالی	مہاجرین میں سے ہیں مہمو انہی نے آباد کرایا۔
ابو موسیٰ اشعری	بصرہ	دالی	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	دالی	آنحضرت نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبد الحارث	مکہ معظمہ	دالی	فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاص	مکہ معظمہ	دالی	ابو اس کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
ظہان بن ابی العاص	طائف	دالی	آنحضرت کے بھتیجے اور بڑا پھیلانہ تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھا تھا۔
یعلیٰ بن امیہ	یمن	دالی	صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے۔
علاء بن الحضرتی	یمن	دالی	بڑے صاحب اثر تھے۔ آنحضرت نے ان کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمان	مدین	صاحب الخراج	حساب کتاب اور بیت النخل کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
ظہان بن حنیف	اصلاح خوات	کشتہ بدو است	جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا۔
میاض بن حنم	جزیرہ	دالی	حضرت عثمان کی نہایت عزت کرتے تھے۔
مہربن سعد	تمس	دالی	مشہور صحابی اور آنحضرت کے راہدار تھے۔
حذیفہ بن الیمان	مدائن	دالی	بڑے خاندان کے آدمی تھے۔
نافع بن عبد الحارث	اصفہان	افسر خزانہ	اکابر صحابہ میں ہیں۔
خالد بن حارث	سوق الایوان	کشتہ	صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔
سمرہ بن جندب	میدان	کشتہ	موسل میں انہی نے فوجی چھانڈی ہوئی۔
نعمان بن عبدی	موسل	کشتہ	موسل میں انہی نے فوجی چھانڈی ہوئی۔
غزوہ بن ہرثمہ	موسل	کشتہ	موسل میں انہی نے فوجی چھانڈی ہوئی۔



## صیغہ محاصل

### خراج

#### خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا

خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا۔ اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیئے تھے لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اس لئے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے ان کی زمین پر عشر مقرر کر دیا۔ جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا۔ بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی امر ہجری میں اوہر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا۔ اور اس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلح فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں۔ اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کی مہوم شاری کے لئے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مہوم شاری کا کٹنڈ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا۔ تو ایک ایک مسلمان کے حصے تین تین تہائی پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے۔ اور ان کو ہر طرح پر آواز چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے عبدالرحمن بن عوف

۱۔ طبری صفحہ ۳۷۲ و فوج البلدان صفحہ ۴۸ کتاب الخراج صفحہ ۵

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر کہہ دی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق ہو کر فرمایا اللہم کفنی ہلاکاً یعنی ۳۱ خدا مجھ کو ہلاک سے نجات دے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری بیوقوفی حملوں کی حفاظت ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ جن کی کمزوریوں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پاسکتی ہیں۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کا جمہوری طریقہ تھا۔ یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا۔ اس لئے عام اجلاس ہوا۔ جس میں تمام قباء مہاجرین و انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے سردار وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔

#### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو درود قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو بحث کے لئے نص قاطع تھی یعنی للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم الخ اس آیت کے آخر میں فقرے والذين جاؤا من بعدہم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر نہایت پر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اٹھے کہ ”بے شبہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے“ اس استدلال کی بناء پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کے ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کے ملک قرار پائیں گے اور پچھلے فاتحین کو بید غل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۵



## عراق کا بندوبست

عراق چو نکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت حال کزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر ایک قسم کی مزدور زمین پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے۔ جو تین قسطوں میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا۔ اور نو شیروان نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نو شیروان تک تین لگان میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ لیکن خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا۔ اور پرویز گرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیناٹش کا حکم دیا۔ اس کام کے لئے چو نکہ دیانت کیساتھ مساجد سے واقف ہونا ضرور تھا۔ اور عرب میں اس قسم کے فنون اس وقت تک رائج نہ تھے اس لئے فی الجملہ وقت پیش آئی۔ آخر وہ شخص انتخاب کئے گئے عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان۔

## افسران کا بندوبست

یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیناٹش کی جس طرح قیمتی کپڑا ٹاپا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیناٹش کا پیمانہ خود اپنے دست مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جلیج کے ساتھ پیناٹش کا کام جاری رہا۔

## عراق کا کل رقبہ

کل رقبہ طول میں ۷۷۰ میل اور عرض میں ۳۰۰ میل یعنی کل ۲۳۱۰۰۰ میل کسّر ٹھہرا۔ اور پھاڑ صحرا اور غصوں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ چرب ٹھہری۔

۱۔ کتاب الادل وکراہل من فیہ من سامان وکراہل من وضع الخراج۔

(۱) خاندان شامی کی جاگیر (۲) آتش کدوں کے اوقاف (۳) کلاوارٹوں (۴) سفیروں اور (۵) باغیوں کی جائیدادوں زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں۔ (۶) کوہیا پر آورد۔ (۷) جنگل۔ اور تمام زمینوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالص قراوے کر ان کی آمدنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ (۷۷۷۷۷۷) تھی رفاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ دایوں کو دیدی گئی۔ اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

## لگان کی شرح

۴ درہم سال	فی جرب یعنی ہاون دیکھ پختہ	گیہوں
۵ درہم سال	"	جو
۶ درہم سال	"	نیشکر
۷ درہم سال	"	دول
۸ درہم سال	"	انگور
۹ درہم سال	"	نخلستان
۱۰ درہم سال	"	تل
۱۱ درہم سال	"	ترکاری

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا۔ یعنی گیہوں پر فی جرب ہم درہم اور جو پر ہم درہم مقرر ہوئے۔

## عراق کا خراج

اقتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو۔ دو جرب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چو نکہ پیناٹش کے مشتم مختلف لیاقت کے تھے اس لئے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا۔ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی اس سے زیادہ



ماکان اراضی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشکیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ابھی اس قدر اور گنجائش ہے۔ (کتاب الخراج ص ۱۰)

### زمیندار اور تعلقہ دار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور نھقان کہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔ جس قبیلے سے ہندوستان آیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نو شیردان کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں۔ تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور نہ زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی۔

### پیداوار اور آمدنی میں ترقی

چنانچہ ہندوستان کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ میں ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالانہ مابعد میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ احتیاط تھی۔

### ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا

کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس لاکھ اور معتد اشخاص کو ذی سے اور اسی قدر بھروسہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری کسی ذی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔ (کتاب الخراج ص ۱۱) اصل عبارت یہ ہے۔ ان صرنا من الغنطاب کان من یحیی العرفق کل مستند مائة الف الف الف الف الف ثم یخرج الیہ عشرة من اهل الکفر فثمة عشرة من اهل البصرة فثمة عشرة من اربع شہادات باللہ اللہ من طلب ما فیہ ظلم مسلم ولا معاهدہ

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن جس قدر مال گزاری ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جس قدر خراج وصول ہوا

زمانہ بعد میں کبھی نہیں ہوا

حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ حجاج پر خدا لعنت کرے کیسے کونہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ عمر بن الخطاب نے عراق کی مال گزاری کو ۱۸ لاکھ درہم وصول کی زیادہ نے ۸ کروڑ ۸ لاکھ اور حجاج نے باوجود جو ظلم کے صرف ۸ کروڑ ۸ لاکھ وصول کئے۔ مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۸ کروڑ ۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صوبے کی پٹائش نہیں کرائی۔ بلکہ جہاں جس قسم کا ہندوستان تھا اور ہندوستان کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتری زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا یونانی میں، مصر کا قبطی میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پاریس یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو ہندوستان ہوا تھا۔ مالومیز (طالعہ) نے بھی قائم رکھا اور یومین ایماز میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پٹائش کرائی تھی اور تشکیص جمع اور طریقہ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیئے تھے۔

### مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد مال گزاری

(۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقوں سے وصول کیا جائے۔

(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تشکیص کی جائے۔

(۳) ہندوستان چار سالہ ہو۔ (پروفیسر FRVAN BERGHO نے ایک کتاب فریج زبان میں

مسلمانوں کے قانون مال گزاری پر لکھی ہے یہ کتاب میں نے اسی کتاب سے لئے ہیں۔ آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے نہیں کرتے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے۔



(L'APPROPRIÉTÉ TERRITORIALE ET L'IMPÔT FONCIER  
SONS LES PREMIERS CALIFES)

### رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدار کیشیاپائے تحت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لئے یہیں سے غلہ جاتا تھا۔ جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دونوں جاہرانہ قاعدے موقوف کر دیئے۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی

یورپ کے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ چنانچہ قحط کے سال مصر سے عہد منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا، اسی اصول کے موافق بھیجا گیا۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ کیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی۔ لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا۔ کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے۔ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رو گیا تو حرمین کے لئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لئے غلے کھیتوں کا بھی انتظام کیا تھا۔ لیکن یہ وہی خراج کا غلہ تھا۔

### مصر میں وصول مال کذاری کا طریقہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مال کذاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار دیہاتے نخل کی طغیانی پر ہے اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۴

چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لئے مفید نہیں کہ جاہل کاشکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط کے حساب مصارف کا کام آسکے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مال کذاری کے وصول کا طریقہ تھا کہ جب مال کذاری کی قسطیں نکلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رکنیں اور زمیندار اور عراف طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر گئے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور کھیا شریک ہوتے تھے یہ تخمینہ رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں پر پھیلا دی جاتی تھی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اول گرجاؤں اور عمالوں کے مصارف اور مسلمانوں کی مسامی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا اس میں سے جمع مندرجہ ادا کی جاتی تھی ہر گاؤں پر جمع تشخیص ہوتی تھی۔ پڑتے سے اس کا ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔ (مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے۔ دیکھو کتاب ذخیرہ صفحہ ۷ علامہ بشاری کی کتاب تفریغ صنفہ ۲۲ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے)

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضی تھا۔ اور مصر میں یہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔ لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین ارب غلہ قرار دی گئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

### مصر کا کل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ جس کے تقریباً پانچ کروڑ پچ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا۔ ابو حرقل بغدادی نے بھی اپنے ذخرا فیہ میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے۔ لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ متوقس نے ابھی پہلے سال ۲۰ کروڑ وصول کئے تھے۔ عمرو بن العاص سے باز پرس کی۔ یہ مسلم ہے کہ متوقس کے عہد میں جزیے کا دستور نہ تھا۔ اس لئے



عمو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مزارعین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے مانگ لیا اور بعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی نہ تھی بعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوا۔

### مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں

ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری تو ۲۰ سہ لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمان کے زمانے میں عبد اللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کئے تھے لیکن جب حضرت عثمان نے فخریہ عمو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ لہرایا ہے۔ تو عمو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ ”ہاں! لیکن بچہ بھوکا رہا“۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے۔ ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۱۰ لاکھ دینار تھی۔ قاضی کاظمین کے عہد میں خلیفہ المعز لدین اللہ کے گورنر نے باوجود یہ کہ لگان کی شرح دو گنی کر دی۔ تاہم ۲۰ سہ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۵۷ ابن حوقل ذکر مصر)

### شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا۔ اس نے پیراوار کے اختلافات کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کئے تھے۔ یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری رہا۔ قرآن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی کل تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار یعنی ۱۰ کروڑ ۴۰ لاکھ روپے تھی۔

۱۔ دیکھو مقریزی صفحہ ۱۵۷ جلد اول ۲۔ تنیم البلدان ذکر مصر مقریزی جلد اول صفحہ ۱۵۷ تا ۱۵۸ ۳۔ دیکھو پروفیسر خیم فراشی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مال گذاری پر۔

عراق، مصر شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیا وغیرہ کے بندوبست اور تخصیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مؤرخین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اس کی تعداد لکھ دی ہے۔ باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلات سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اس لئے ہم بھی اس کی چنداں پوچھ نہیں کرتے۔

### قانون مال گذاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑتی ہے کہ اس صفحے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صفحے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی و فلاح نہایت ترقی کر گئی یہ تھی کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون اور بالکل جاہلانہ تھا مٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام ارضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ اراکین دیوار کو دے دیں۔ کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں۔ کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دیں۔ اصل باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے۔ اور اگر مالک زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے مستفیع ہونے کے لئے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی۔ اس بنانے سے زمیندار خود زمین پر متصرف ہو جاتے تھے۔ اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے۔ اور جو رہ گئے ان کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام ارضیات کو شاہی جاگیر نہیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے۔ باشندگان ملک کے حوالے کر دیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں قاعدہ بنایا کہ مسلمان کسی حالت میں ان



زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے۔ یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا۔ چنانچہ یسٹ بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی۔ تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک، مالک بن یزید بن ابیہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ تمام فوجی افسروں کے ہام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزیئے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اسی قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دیں کہ اوروں کو عبرت ہو۔ (حسن الحاضر صفحہ ۳۰۷)

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا۔ جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی۔ کیونکہ کسی فاتح قوم نے مغتربین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہو گئی۔ اس لئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدو ان کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مال گذاری کے معاملہ کو بہت دخل ہے۔ دوسری سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا مسلمانوں کے حلوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبلی کاششکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو بددی و مشق اور جہم میں پھنسانا باشندوں نے ہر قل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم دومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی یعنی ان کو زراعت اور قلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی انجام بخیر کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر دیری، ہمدانی، جفاکشی، صحت، عزم اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاششکاری

اور زمینداری سے الگ رہے۔ جس دن انہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا۔ اسی دن یہ تمام اوصاف بھی ان سے رخصت ہو گئے۔

### ہندو بست مال گذاری میں ذمیوں سے رائے لینا

اس معاملے میں ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برتا یہ تھا کہ ہندو بست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے عراق کا جب ہندو بست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دور کیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی لائے ہوں۔ پیکش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور ان کے اظہار رائے (کتاب الخراج صفحہ ۵)

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبلی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اظہار رائے لیا۔ یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا۔ اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہئے جن کا بیان ہم ہندو بست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

### ترقی زراعت

ہندو بست کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے گا اس کی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی اس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لئے اشتہار دے دیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے اگر شکایت کی



کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج ادھر سے گذری اور اس کو برباد کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں بلواوائے۔ تمام ممالک مفتوحہ میں سرس جاری کیں۔ اور عہد باندھے۔

### محکمہ آبپاشی

آلاب تیار کرانے پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے بنانے نہروں کے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ خوزستان اور ابواز کے اضلاع میں بزرگین معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے بہت سی سرس کھدوائیں۔ جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سینکڑوں سرس تیار ہوئیں۔ جس کا پتہ جستہ جستہ آثار میں ملتا ہے۔

### خراجی اور عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی۔ یعنی خراجی اور عشری، خراجی کا بیان اوپر گزر چکا۔ عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی۔ اور جس کے اقسام حسب ذیل تھے۔

- ① عرب کی زمین جس کے قابضین اواکل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً عہد منورہ وغیرہ۔
- ② جو زمین کسی ذی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی۔ مثلاً لاوارث مر گیا۔ یا مغرور ہو گیا۔ یا بغاوت کی یا استغنی دے دیا۔
- ③ جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا۔ وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا۔ اس لئے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۷۷۔ ۲۔ مقریزی صفحہ ۷۷ جلد اول۔

نے مقرر فرمائی تھی۔ اور وہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنا کیا کہ ایران و غیبو کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اگر وہ زمینیں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کیا۔ چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان نئی نہروں کنوؤں کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایہ عشرہ مقرر کیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۷۵ تا ۷۷)

مسلمانوں کے ساتھ عشر کے تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی نا انصافی یا قوی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رعیتیں لیا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ، گھوڑوں پر زکوٰۃ، روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولات سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس بناء پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی اس قسم کی رعایت بالکل مستغنائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی۔ اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل در آمد بھی ہوتا تھا اس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

### اور قسم کی آمدنیاں

خراج و عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ، مشور، جز، مال غنیمت کا خمس، زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھیں اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائداد یا آمدنی اس کے مستثنیٰ نہ تھی۔ یہاں تک کہ بھیڑ بکری کا گوشت بھی پر زکوٰۃ تھا زکوٰۃ کے حلقے تمام حکاکا خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں

### گھوڑوں پر زکوٰۃ

پر زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے



مستثنیٰ فرمایا تھا۔ لیکن اس سے عیاذ باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے اس لئے ان کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہر حال زکوٰۃ کی حد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی۔ اور اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔

### عشور

عشور خاص بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجروں کو جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ عیسائیوں نے جو اس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر اواد کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منقول کیا۔ اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ قید او میں تفاوت رہا۔ یعنی عربوں سے دس فیصد ذمیوں سے پانچ فیصد مسلمانوں سے اڑھائی فیصد لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قائم کر دیا۔ جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا۔ اور اس کی درآمد برآمد کی یہاں سال بھر تھی۔ یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محصول کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسی کے اسباب کی تلاش نہ لی جائے۔ جزئیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

### صیغہ عدالت

#### محکمہ قضاء

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دریاچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے۔ مدقوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضاء کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا۔ اور ایسا کرنا ضروری تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا، ہر صیغے کا اجراء رعب و داب کا محتاج رہتا ہے اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے (اخبار القضاء لمحمد بن خلف الوکیع) بلکہ اسی بناء پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاء کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔ اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں۔ اور قاضی مقرر کئے اس کے ساتھ قضاء کے اصول و آئین پر ایک فرمان بھیجا جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رز کوفہ کے نام تھا۔ اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اس کو مبینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ دو من اربار کے دوازدہ گاہ۔ قواعد جو دمیوں کے بڑے مغاخر

۱۔ اس فرمان کو علامہ ابوالحسن شیرازی نے طبقات قضاء میں اور علامہ تفتی و ماوردی و جاحظ و ابن عبد ربہ اور دست سے محمد بن اور مغیر بنین نے نقل کیا ہے۔ ۲۔ ۳۵۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں سفر کیا کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئین اور سلطنت کے لئے ایک مستقل قانون بنائیں۔ یہ سفر یمن کے اور وہاں سے واپس اگر ایک دستور العمل تیار کیا۔ جس میں بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے۔ یہ تمام قواعد سید کی سختی پر کندہ کئے گئے اور عدت تک دو من اربار کا وہی قانون رہا۔ اس میں صیغہ قضاء کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) جب تم عدالت میں طلب سے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔ (۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم کو وہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جاوے۔ (۳) مدعا علیہ بھانگا چاہے تو تم اس کو پکڑ سکتے ہو۔ (۴) مدعا علیہ بخار یا بوزھا ہو تو تم اس کو سواری دو۔ ورنہ اس پر حاضری کے لئے جبر نہیں کیا جاسکتا۔ (۵) مدعا علیہ خاص پیش کرے تو تم اس کو چھوڑ دو۔ (۶) دولتمند کا خاص دولت مند ہونا چاہئے۔ (۷) بیخ کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا



خیال کئے جاتے ہیں۔ اور جن کی نسبت سیروم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفوں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔  
ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

### قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بعباد تھا ذیل میں درج ہے۔  
اباعد فان القضاء فی رضة محكمة وسنة متبعة سويين الناس  
لی وجهک ومجلسک وعدلک حتی لا یبأس الضعیف من  
علک ولا یطیع الشریک لی جعلک البیئة علی من ادعی  
والیمن علی من انکر والصلح جائز الا صلحا احل حراما  
او حرم حلالا لا یمنعک قضاء قضیتہ بالآ منس لراجعت الیه  
نفسک ان ترجع الی الحق الذهم الذهم لیما یصلح لی صدوک  
معالیم یلک لی الکتاب والسنة و اعراف الا مثل والا شیاء ثم  
لیس الا سور عندک واجعل لمن الذمی یستأمن الی الیه  
فان احضرینة اخذت له یحده والا وجهت القضاء علیه  
والمسلمون عدول بعضهم علی بعض الا مجلوداً لی حد  
مجن بالی شهادة الزور او طینالی ولا یأور الیه۔

”خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے  
حضور میں اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کنوڑ  
انصاف سے مایوس نہ ہو۔ اور روزار کو تمہاری دور رعایت کی امید نہ  
پیدا ہو جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو  
اس پر قسم صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال  
حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد

ہا ہے۔ (۸) حج حج سے دیر تک مقدم ہے گا۔ (۹) فیصلہ دینے کے بعد فریقین کی ماضی میں ہو گا۔ (۱۰) مشرب کے بعد عدالت بد رہے گی۔ (۱۱) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو ان کو سامن دینا چاہئے۔ (۱۲) جو شخص کو اپنی پیش کر سکتا۔ مدعی کے دوازیے پر اپنے دعوے کو پکار کر کہے۔ یہ قوانین ہیں جن کو یاد کر کے  
یہ پڑھیں ایسا پڑھا کرنا ہے۔

اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن وحدیث  
میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں  
اور نظموں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے  
اس کے لئے ایک یہ عباد مقرر کرو اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ۔  
ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان ثقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جن کو  
حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو  
یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں۔“

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

- (۱) قاضی کو عدالت کی حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہئے۔
- (۲) بار ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔
- (۳) مدعی علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔
- (۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں  
ہو سکتی۔
- (۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔
- (۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہئے۔
- (۷) تاریخ پر اگر مدعی علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصلہ کیا جائے گا۔
- (۸) ہر مسلمان قاتل اور اوائے شہادت ہے۔ لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی  
دینا ثابت ہو وہ قاتل شہادت نہیں۔

میضہ قضا کی عمرگی یعنی فصل خصوصیات میں پورا عدل وانصاف ان باتوں پر موقوف

ہے۔

- (۱) عموماً اور عمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔
- (۲) قاتل اور متدین حکام کا خطاب۔
- (۳) وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے  
فصل خصوصیات میں دور رعایت نہ کرنے پائیں۔

(۴) تیلوی کے لحاظ سے قضا کی تعداد کا کافی ہونا مقدمات کے انفصال میں حرج نہ ہونے  
پائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام امور کا اس خطبے سے انتظام کیا کہ اس سے  
بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قانون بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید



موجود تھا۔ البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لئے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاء کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شریع کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع (اکثر رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔ (کنز العمال صفحہ ۳۰۰ جلد ۳ مسند داری میں بھی یہ فرمان نمونہ سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اس کی اصلی عبارت یہ ہے عن شریع ابن عمر ابن الخطاب کتب الیہ ان جاءہ کشف فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جاءہ کتب الیہ فی کتاب اللہ فانظر مستر مول اللہ فاقض بہا فان جاءہ کتب الیہ فی کتاب اللہ فلم یکن فی مستر مول الیہ فلم یتکلم فیہ احد قبلک فاخیری الا مرین شئت ان شئت ان تبتہا غرقنا غرقا غیر ذلک اری النبا غیر الا

(نہج الزکد)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتاوے لکھ لکھ کر بھیجے رہتے تھے۔ آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے۔ لیکن ہم اس موقع پر ان کا استعصا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی چاہے تو کثرتِ اعمال اور ازالۃ الحقائق وغیرہ سے کر سکتا ہے اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاوے مذکور ہیں۔

## قضاة کا انتخاب

قضائے کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں منتخب تھے پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاتب وحی تھے وہ سرائی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الاندلی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے امام ابن میرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہیں۔ فلسطین کے قاضی عبید بن الحسان تھے جو منجملہ ان پانچ مفسروں کے ہیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام قرآن مجید حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا

اب اخبار القضاء میں ہے ان طبع استعمل زید اعلی القضاء مقرر فی مدینہ قضا۔ دیکھو اسد الغابۃ فی احوال الصحابہ و استیعاب قاضی ابن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الاندلی۔

اس قدر احرام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممانعت سے الگ کر دیا۔ (شیعہ ابن عبد البر)

حضرت عمرؓ کے زمانے کے حکام عدالت

کوفہ کے قاضی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اہل ہجری میں قاضی شریع مقرر ہوئے۔ وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اقصیٰ العرب کہا کرتے تھے ان بزرگوں کے سوا جمیل بن معمر، عجمی، ابو مریم الحنفی، سلمان ربیعہ الباہلی، عبد الرحمن بن ربیعہ، ابو قرة الکندی، عمران بن الحصین جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے قضاة ہیں ان کی عظمت و جلالت شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قضایہ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

قاضی، اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اکثر امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حق یہی ہے کوفہ کا قاضی مقرر کر لیا۔ کعب بن سور الاندلی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گذرا۔ ناجائز وسائل آمدنی کے روکنے کے لئے



ہست ی بند شمس کیس۔

## رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

① تنخواہیں پیش قرار مقرر کیس کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار تھی۔ اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

② قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر کو ذہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا۔ اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہو گا۔ (اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیج)

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ وہ اصول ہے جو بدلتوں کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

## انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ یعنی دیوان عدالت میں شاہ گدا، امیر غریب، شریف و بذیل سب ہم مرتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے ایک دفعہ ان میں ابی ابن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ کہ کراچی کے برابر بیٹھ گئے ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قسم لینی چاہی۔ لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ”جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر نہ ہوں تم منصب قضاہ کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔“

قضاۃ اور ان کی کاروائیوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قسم کے

۱۔ فتح القدر جلد ۳ صفحہ ۲۱۷

اصول اختیار کئے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے علامہ ابوہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ ہلال بن ابی بردتہ تھے۔ (یہ بنو امیہ کے زمانے میں تھے)

## آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہیں تھا۔ اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ انہیں کے مقدمات بطور خود فیصلہ کر لیا کریں۔ اس لئے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے۔ اور اس بناء پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا۔

## ماہرین فن کی شہادت

صیغہ قضاہ اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ثور باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان ان کے احتمالات کے ذکر میں آئے گا ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی۔ یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً حلیہ نے زیر کان بن پذیر کی بھو میں ایک شعر کہا تھا جس سے صاف طور پر بھو نہیں ظاہر ہوتی تھی زیر کان نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا۔ یہ شعر شاعری کا معاملہ تھا۔ اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشجادیہ کی صورت میں حلیہ شناسوں کے اظہار لئے چنانچہ کثرت العمل باب القذف میں اس قسم کے سب سے حدیث مذکور ہیں۔

فصل خصیات کے متعلق اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے حکمیں و اصول مقدمہ کئے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑتا سکتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مذہب ملکوں نے انصاف اور داری کو ایسی قید میں جکڑ دیا اور داخواہوں کو دعویٰ سے باز آنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت



نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

### عدالت کا مکان

یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لئے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے منہوم میں جو تعمیر اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا۔ عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور جھٹل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ دلی سے پیش آئیں تاکہ اظہارِ دعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

### محکمہ افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہئے کہ قانون سے واقف ہے۔ یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ بذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی۔ اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جانتا ہے چاہے تو اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا۔ جس کا نام محکمہ افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا۔ اور اس لئے کوئی شخص یہ بذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا۔ اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا نہایت مایوسانہ بلکہ ان سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے مفتی

اس طریقے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قائل لوگ افتاء کے لئے نامزد کر دیئے جائیں تاکہ ہر کس و تا کس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انہوں نے افتاء کی اجازت دی مثلاً حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ معاذ بن جبلؓ عبدالرحمن بن عوفؓ ابی بن کعبؓ زید بن ثابتؓ ابو ہریرہؓ اور ابو دوداؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ”سابق وعطاء فتویٰ موقوف بود برائے خلیفہ وعظما کی گفتگو فتویٰ می دادند۔“

تاریخوں میں ان کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی انہوں نے فتوے دیئے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو منع کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گذرا۔ بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بار بار پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار اس کا اعلان کیا، شام کے سفر میں بمقام جابیہ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔

من اراد القرآن فلیات ایہا ومن اراد ان یسأل الفرائض فلیات زیداً  
ومن اراد ان یسأل عن الفقہ فلیات معاذاً۔

”یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔“



## فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوجداری کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقت قصاص کے ہاں فیصلہ ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کاروائیاں پولیس سے متعلق تھیں۔ پولیس کا میٹھ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا۔ چنانچہ افسران پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرن پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدامہ بن غطفون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔

قدامہ کو تحصیل مال گزاری کی خدمت دی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں۔ مثلاً دکاندار تراندہ میں دھوکہ نہ دینے پائیں کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادنا جائے۔ شراب ملائہ نہ بکھنے پائے وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا۔ اور اس کے لئے ہر جگہ اہل کار افسر مقرر تھے۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلا کہ احتساب کا مستقل میٹھ قائم ہو گیا تھا۔ یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کثرت اعمال میں جہاں ابن سعد کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن عبدہ کو مقرر کیا تھا۔ وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جیل خانہ کی ایجاد کا یہ فعل عمدہ احتساب کا ماتھ ہے۔

## جیل خانہ کی ایجاد

اس صحنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیل خانے بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام نشان نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول یکہ معکم میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا۔ اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے لیا تھا۔ اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے اور جیل خانے میں بھجواتے تھے۔

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزائوں میں تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابو عجم ثقفی

بارہا شراب پیئے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

## جلاد وطنی کی سزا

جلاد وطنی کی سزا بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو عجم کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سزا بھی دی تھی۔ اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔ (اسد الغابہ ذکر ابو عجم ثقفی)

## بیت المال (یا) خزانہ

## بیت المال پہلے نہ تھا

یہ میٹھ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرن کا خراج تھا۔ جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا۔ اسی وقت لوگوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال دس دس درہم اور دوسرے سال بیس بیس درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے یہ کتاب الادا کل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا۔ وہ بیٹہ بند پر رہتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ آتا تھا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۰ ہجری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحرن کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرن سے آئی ہے آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے؟



## بیت المال کس سند میں قائم ہوا؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کردی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کمائیں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ اور چونکہ اسی کی نگرانی اور حساب کتاب کے لئے نمایت قابل اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔

## بیت المال کے افسر

عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔ خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کئے جن میں سے عبد الرحمن بن عبید القاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ از معتب بھی تھے۔ معتب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے انگشتری بزار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانتداری اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم ثابت تھی۔

دار الخلافہ کے علاوہ تمام صوبہ جات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا ٹکڑہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جدا گانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حنظل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص خزانے کے افسر تھے۔

## بیت المال کی عمارتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ تعمیر کے باب میں نمایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں کوفہ میں بیت المال کے لئے اول ایک محل تعمیر ہوا جس کو روزابہ ایک مشہور بخوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروان

۱۔ کتب رجال میں معتب دیکھو۔

فارس کی عمارت سے آیا تھا۔ لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے چوری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے۔ کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے روزابہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

(یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر تباری کوفہ میں ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ وزیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا تھا تو سیاہجہ کے ۳۰ سپاہی خزانہ کے پہرے پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہ وزیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارادے کی مزاحمت کی۔ سیاہجہ کی نسبت اسی مؤرخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب ایرانیان فتح ہو تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا۔

(فتح البلدان از صفحہ ۳۷۴ تا ۳۷۵)

صوبہ جات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تاکید و احکام آتے رہتے تھے یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔

## جو رقم دار الخلافہ کے خزانے میں رہتی تھی

مؤرخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دار الخلافہ کے خزانے سے خاص دار الخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اس کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اہتمام تھا۔

۱۔ عمر بن العاص کو نہ صرف جو فرمان لکھا گیا تھا اس میں یہ الفاظ تھے فاذا حصل اليك من جمعة اخراجت خطا المصلحين فعا بعثنا ج البعثة لا بدعنه ثم انظر فيها افضل بعتك فاعطه الي۔ آخر الفہم الامام ابو عبد اللہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۔



اس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

## پبلک ورک یا نظارت نافعہ

یہ میخذ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصو شام میں اس کا ترجمہ نظارات نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیفے میں مستقل ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارتیں، نہریں، سڑکیں، پل، شفاخانے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس کے لئے کوئی مستقل صیفہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیفے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں ان کا مختصر حال ہم صیفہ و محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیفہ سے مخصوص نہ تھیں۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو نہریں تیار کرائیں

### نہر ابی موسیٰ

نہر ابی موسیٰ یہ نہر میل لمبی تھی۔ جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں ضیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پر اثر تقریر کی جو کتابوں میں بالفاظہا معقول ہے۔ اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی چھ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جائے۔ چنانچہ جلد سے ہر میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں ملائی گئی جس کے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

## نہر معقل

نہر معقل یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے اذ جاء نہر اللہ بطل نہر معقل یہ نہر جلد سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

## نہر سعد

نہر سعد اس نہر کے لئے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد و قاص (گور زکوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمرو کو مامور کیا انہوں نے بڑے اہتمام سے کام کرایا۔ لیکن کچھ دور تک پہنچ کر پہاڑیوں میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر لقیہ کام پورا کیا۔ تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

## نہر امیر المومنین

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ مصر ہجری میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لئے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان وقتوں پر خیال کر کے عموی بن العاص (گور ز مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دار الخلافہ حاضر ہو جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب کو قحط گرائی کا کبھی اندیشہ نہیں ہو گا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا وقت سے خالی نہیں۔ عمو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا۔ اور فسطاط سے (دو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی اس ذریعہ سے جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جہہ بھیج کر لشکر کرتے جو حدیث منورہ کی بندر گاہ تھی۔ یہ نہر



تقریباً ۸۰ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بن کر تیار ہو گئی چنانچہ پہلے ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس شہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کی بندرگاہ میں آئے۔ یہ سرمدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبد العزیز کے عمالوں نے بے پروائی کی اور وہ جابجا سے لٹ گئی۔ یہاں تک کہ مقام ذنب السحاب تک اگر بالکل بند ہو گئی۔ ۵۰ ہجری میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا۔ لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

(یہ تفصیل حسن الحاضر سیوطی صفحہ ۴۰۴ و مرقی جلد اول صفحہ ۱۰۹ و جلد دوم صفحہ ۳۹۴ میں ہے)

ایک اور عجیب و غریب بات یہ کہ عمرو بن العاص نے بحر قزوم بحر قلم کو براہ راست ملانے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی۔ اور چاہا تھا کہ قرا کے پاس سے جہاں سے بحر قزوم اور بحر قلم میں صرف ۵۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے سر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو نارضا مندی ظاہر کی۔ اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں اگر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوئی تو سرسویز کی ایجاد کا ضرور حقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو عمارتیں تیار کرائیں

عمارات جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کرائیں تین قسم کی تھیں۔

- ① مذہبی۔ جیسے مساجد وغیرہ ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی حصے میں آئے گا۔ یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب بدیع الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔
- ② فوجی۔ جیسے قلعے پھاؤتیاں بارکیں ان کا بیان فوجی انتظامات میں آئے گا۔
- ③ ملکی۔ مثلاً دار الامارۃ وغیرہ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔ لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

① دار الامارۃ۔ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں ان کا دفتر رہتا تھا کوفہ و بصرہ کے دار الامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔

② دفتر۔ دیوان یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

۱۔ تقویم البلدان ابو الہدایہ صفحہ ۳۶

③ خزانہ۔ بیت المال۔ یعنی خرانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گذر چکا ہے۔

④ قید خانے۔ مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال سیفہ پولیس کے بیان میں گذر چکا ہے۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ دار الامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔ (فتوح البلدان صفحہ ۲۲۷)

⑤ مسمان خانے۔ مسمان خانے یہ مکانات اس لئے تعمیر کئے گئے تھے کہ پامروالے جو دو چار روز کے لئے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مسمان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے۔ (فتوح البلدان صفحہ ۲۷۸) مدینہ منورہ کا مسمان خانہ ۵۰ ہجری میں تعمیر ہوا۔ چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ نہانہ بعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونا پتھر کی بجائے زیادہ تر تعمیر کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا۔ اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبد الملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضگی پھیل گئی۔ اور لوگوں نے علامیہ کہا کہ بیت المال کے مدھیے کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا دیوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا۔ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

### سڑکوں اور پلوں کا انتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے مصرف سے بنوائے گی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

۱۔ فتح البلدان صفحہ ۳۳



شام فتح کیا تو شرائط میں یہ امر بھی داخل تھا۔ کتاب الخزان صفحہ ۸۰ میں ہے وعلی ان علیہم ارشاد الفضل فریاد الفناطر علی الا نهار من اموالہم تاریخ طبری واقعات اور جہری صفحہ ۳۴ میں لکھا اور علی (دونوں کا ذکر ہے)

### مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ خلافت تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدہ جہری میں جب مکہ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر منزل پر چوکیاں سرائیں اور چشمے تیار ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ۴۰ ازاں جملہ آنگہ سارے بختہ عمو بہ مکہ محترمہ توجہ فرمود نزدیک مرادعت امر فرمود تا در منازل لے کر مابین حرمین واقع اند سا یہاں ہونا پہا سازند و ہر چاہے کہ اپنا شتہ شدہ باشند آں را پاک کنند صاف نمایند و در منازل کم آب چاہا ساز کنند تا ہر حاجت بانسراحت تمام قطع مراحل میسر شود۔

### شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جاسکتا ہے۔ ان میں بصرہ کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر ہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی۔ نحو کے اصلی دارالعلوم یہی وہ شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ میں ہی رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہو گا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سہل جہری میں عقبہ بن غزو ان کو متعین کیا کہ بندر گاہ اہلہ کے قریب جہاں بحر فارس خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر سائیں زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا تھا عقبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خربہ میں آئے۔

جہاں بصرہ آباد ہے یہاں پہلے کف دست میدان پر ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان نہ تھا۔ عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عقبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو آبادنا مناسب ہو آبادی خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور اہل ان حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ سہل جہری میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا۔ لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔ بصرہ سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک شہر کاٹ کر لائی جائے چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیادہ بن ابی سفیان کے زمان حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی اور دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے اور جو غلیل بصری کی تصنیف ہے عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتداء ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ آخر مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

### کوفہ

و سرائہ شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ داکن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن

۱۔ بصرہ کی وجہ تسمیہ معنی اہل لغت یہ سمجھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پھرلی زمین کو کہتے ہیں اور یہاں کی زمین اسی قسم کی تھی لیکن نعم البدل ان میں ایک بحری قافل کا جو قفل مکمل کیا ہے وہ زیادہ قریں قیاس ہے۔ اس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ بس رہا تھا جس کے معنی فارسی میں بہت سے راستوں کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں۔ اس لئے اہل لغت اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ آس پاس شاہان عرب نے جو عمارتیں تیار کرائی تھیں اس کے نام بھی دراصل فارسی رہ گئے تھے مثلاً خورنق جو دراصل نگاہ ہے اور سیدہ بنو دراصل سہل ہے۔



ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں نہ کراہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ ایسی جگہ تلاش کرنا چاہئے جو ہری و نخری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان و خذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو خالص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کوفہ کی زمین انتخاب کی یہاں کی زمین ریتی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا ان کا پاسے تخت بھی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا اہل عرب اس مقام کو خد العذرا یعنی عارض محبوب کہتے تھے کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقوان، شقائق، قیسوم، خزامی کا چمن زار تھا۔ غرض مدینہ ہجری میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہراج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے ٹکڑوں میں آباد ہوئے شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰، ۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷، ۷ ہاتھ چوڑی ہوں جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی اس قدر وسیع تھی اس میں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے اس کے ہر چار طرف دروازے تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمار میں اول گھاس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں اور جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سا باہان بنادیا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا۔ اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ جو نو شیروانی عمارت سے نکال کر آئے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نو شیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا۔ اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ بخوشی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی۔ یعنی ان کی تخمینہ جو قیمت تھی وہ ان کے جزیہ میں مجرا کی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا۔ جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا۔ جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوڑی ہو گئی۔ اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی۔ انہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزہ نامی ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا۔ اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا۔ نہایت خوبی اور موزونئی سے ایوان حکومت کی عمارت کو برصا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزہ کو مع اور کارگروں کے اس صلے میں دوبار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بڑی قدر دانی کی اور ہمیشہ کے لئے روزہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم، شقیف، ہمدان، بجیلہ، نیم ملات، تغلب، بنو اسد، قح و کندہ، ازومزینہ، قسیم و عارب، اسد و عامر، بجالہ، جدیلہ و اخلاط جہینہ، منجج، ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے۔ اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔ زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی۔ لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ ۳۰ ہجری میں موسم شماری ہوئی تو ۷۵ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ حضر کے اور ۳۰ ہزار اور قبائل کے تھے اور اہل یمن کے ۱۰ ہزار گھرانے کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تعمیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تھا۔ تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارت کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اس کی بنیاد اب تک قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئی۔ یعنی ابوالاسود دؤلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی امام ابو حنیفہ صاحب نے قاضی ابویوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث اور علوم عربیت کے بڑے بڑے آئمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی، حماد، امام ابو حنیفہ شعبی یادگار زمانہ تھے۔ (کاہرہ، مصر کے)۔ طبری، یاقوتی اور عجم البلد ان سے لئے گئے)۔



## فسطاط

عمو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ ان مکانات کو خالی دیکھ کر عمو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اس کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دوبار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دریا کے حاکم ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بہرہ کوئی آبادی کے وقت افسروں کو لکھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک دریا رواں نہ آئے چو تک اسکندریہ کی راہ میں دریا کے نیل پر آتا تھا اس لئے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پسند کیا۔ عمو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قعرا شمع میں آئے یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمے میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے الگ الگ احاطے کیجئے اور معاویہ بن خدیج شریک بن سمی، عمو بن مخرم، حویل بن ناشو کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر قبلہ کی سمت متعین کی ان صحابہ میں زبیر، مقداد، عباہ، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد مہر گز لمبی اور مہر گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دار الحکومت کے مقابل تھا۔ اور عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا یہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لئے اس کا نام فسطاط پڑا۔ جس کے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن ۱۸ ہجری ہے۔

## فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی۔ اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں ۸۰ ہزار عرب کے نام دفن تھے۔ مزارخ قضائی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں ۳۰۰ مسجدیں ۸۰ ہزار سڑکیں، حمام تھے اس کی وسعت اور ہر

قسم کے مسلمان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پائے تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے۔ "الاسع بغداد مفخر الاسلام خزائن المغرب لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملا من اہلہ ولا اکثر مراکب من ساحلہ" یعنی "یہ شہر بغداد کا ناخ مغرب کا خزانہ اور اسلام کا خزانہ ہے۔ تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جمادات نظر آتے ہیں۔"

## موصل

موصل یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرقبہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ذریعہ ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔ یا قوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کی گزر گاہ ہے یعنی قوی کسی طرف جانا چاہے تو اس کو یہاں سے گزرن پڑتا ہے اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اس کی وسعت اور عظمت کے حالات انجمن البلدین اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

## جہیزہ

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریا کے نیل کے غبی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے عمو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط آئے تو اس غرض کے لئے مدنی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین کر دی جس میں حمیر اور ازہر ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور جست یہ پیش



کی کہ ہم جہاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے عہد مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جاسکتے۔  
عمو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے حالات کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کو دی۔ وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ  
حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ہجر ہجری میں قلعہ کی بنیاد  
پڑی اور ۳۴ ہجری میں بن کر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا  
تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ”ہم ناموہوں کی طرح قلعہ کی بناء میں نہیں رہنا چاہتے۔ ہمارا قلعہ  
ہماری کموار ہے“ چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے  
میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برکت سے یہ  
چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے۔  
ان میں بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں۔

(جیزہ کے متعلق مقرری نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے)

## صیغہ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گذر چکی ہیں۔ جن  
کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منظم اور  
اصولی سیاست کے خلاف تھا۔ دہم کبیر میں جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی  
تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا۔

## فوجی نظام رومن ایمپائر میں

کہ ملک میں جو لوگ دہم و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری سپہ سالاری کا جو ہر رکھتے  
تھے ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اس  
قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور خاص خاص تعداد کی  
فوجیں رکھتے تھے لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا۔ اور اس وجہ  
سے اگرچہ کبھی بغاوت بلند کرتے تھے تو ان کی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی  
تھی اس طریقہ کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسرین کھلاتے تھے اس طریقے نے یہ وسعت  
حاصل کی کہ بیرون لوگ بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ  
بیسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔

## فوجی نظام فارس میں

ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا فارسی میں جن کو مرزبان اور دستان کہتے  
ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے دہم کی سلطنت کو دراصل برباد کر  
دیا تھا آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا۔

## فوجی نظام فرانس میں

فرانس میں عہد تک فوج کی تنخواہ یا سوزنہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فوجی لوٹ میں جوتل  
جاتا تھا وہی قریب ذال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی دہم کا  
فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد عہد تک یہی طریقہ جاری رہا۔  
عرب میں شاہان یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے



آٹھ لاکھ اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر دس دس روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنانے کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن ہر بھری ہی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیفے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فوجی نظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بحرن کے حاکم مقرر کئے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اس قدر بجاوبہ چیز تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں، یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اس قدر زر کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطین غم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرن قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہو تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔ اور یہ فارسی لفظ ہے داستان، دیر، دفتر دیوان سب ایک ماورہ کے لفظ ہیں جن کا مشترک ماورہ ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں۔ (مقرری صفحہ ۳۷ اور فوج البلدان صفحہ ۳۷)

### تمام ملک کا فوج بنانا

بہر حال ہر بھری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ

قائم کرنا چاہا اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ انہوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا۔ لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعلیم نہ تھی۔ اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تین فئیں بہت بڑے نسب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے مخرمہ بن نوفل، جبر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب علم الانساب عرب کا موبدنی فن تھا اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر ایک کا نام و نسب مفصلاً درج ہو ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا۔ جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ تھا۔ یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی۔ لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت خود غرضی کا آلہ کار بن جاتی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”میں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت و اہل بیت سے شروع کرو۔ اور درجہ بدرجہ لوگ۔ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے گئے ہیں۔ اسی ترتیب سے ان کا نام آخر میں لکھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔“

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا۔ اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ (تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۳ و مقرری جلد اول صفحہ ۳۷ و طحاوی صفحہ ۲۳۸ و یحییٰ صفحہ ۳۷ و طبری صفحہ ۲۳۹ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے)

تقسیم مراتب	تعداد و تنخواہ سالانہ
ہر لوگ جنگ بدر میں شریک تھے۔	۵ ہزار درہم
ساجرین، جیش اور شرکائے جنگ احد۔	۳ ہزار درہم



۳ ہزار درہم	فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی۔
۲ ہزار درہم	جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے۔
۲ ہزار درہم	جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔
۳ سو درہم	اہل یمن
۳ سو درہم	قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین
۲ سو درہم	بلا امتیاز مراتب

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں چنانچہ مجاہدین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰۰ سے ۳۰۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی ۱۰۰ ہزار درہم مقرر ہوئی اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا درجہ تھا۔

جس قدر آوی درج رہے جہت ہوئے اگرچہ سب در حقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

① جو ہر وقت جنگی سمات میں مصروف رہتے تھے گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

۲ اس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ امت سے ظاہر جنوں کا خیال ہے کہ حضرت نے تمام عرب کی جو تنخواہیں مقرر کیں اس کو فوجی سمات سے چند ان تعلق نہیں بلکہ یہ واقعہ عام کی غرض سے تھا لیکن یہ نہایت غلط خیال ہے اولاً یہاں مقررہوں نے اس واقعہ کا شان نزول بیان کیا ہے کہ ولید بن یسارؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ قریبیت الشام فرأیت ملو کھانہ نہ تو اویو نا فرجندہ واجندہ فہن دعو انا وجد جندنا فاعخذ بقولہ یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی دفتر بنائے اور فوج مرتب کیجئے چنانچہ ولید کے قول پر عمل کیا۔

دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا اشتقاق بھی نہیں رکھتے تھے حضرت عمرؓ ان کی تنخواہ نہیں مقرر کرتے تھے اسی بناء پر کہ ان کے لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی فوج اہل ان میں سے ان عمر کان لا یعطی اهل مکة عظام ولا یضرب علیہم معنا فتوح صفحہ ۲۴۲ کی وجہ بھی کہ جب صحرا میں ہر دوئی نے حضرت ابو عبیدہؓ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک آبادی میں رہنے والوں کی تنخواہیں مقرر نہ ہو جائیں۔ صحرائیوں کا روزانہ نہیں مقرر ہو سکتا۔

البتہ اس میں شک نہیں کہ اول اول فوج کے رجسٹر میں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن میں صاحب کمال تھے لیکن استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ غلط بحث جو ضرورت اختیار کیا گیا تھا ختم کیا چنانچہ اسی مضمون میں آگے اس کی بحث آتی ہے۔

② جو معمولاً اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جاسکتے تھے۔ ان کو عربی میں منطوقہ کہتے ہیں اور آج کل کی اصلاح میں اس قسم کی فوج کو والنشیو کہا جاتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والنشیو تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دریاچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں سب سے بڑا غلط بحث یہ تھا کہ تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور ان دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی امر ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صفحے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخص قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

اس صفحے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۰ ہجری میں ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کیں۔ ملکی اور فوجی، ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا ہے۔

### فوجی صدر مقامات

فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مراکز قرار دیئے جن کا نام نجد رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے ان کی تفصیل یہ ہے مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن، فلسطین، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی۔ لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جاسکتے تھے وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے۔ چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک میں قائم کئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متحد صدر مقام قائم کرنے کی ضروری تھی اس لئے دمشق، فلسطین، حمص، اردن چار صدر مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جواب قاہرہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ، کوفہ، یہ وہ شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

۱۔ بعد کی تحقیقات کے لئے دیکھو فتوح البلدان ص ۳۲۔ ۳۳ میں یحییٰ نے واقعات ۲۰ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم کئے۔ لیکن مؤرخ مذکور نے صرف فلسطین، جزیرہ، موصل اور فلسطین کا نام لکھا ہے۔ یہ سرتیغ غلطی ہے۔



ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے وہ حسب ذیل تھے۔

### فوجی بار کیس

فوجوں کے رہنے کے لئے بار کیس تھیں۔ کوفہ، بصرہ، فسطاط، یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بودوباش کے لئے آباد ہی کئے گئے تھے موصلاً میں بمبوں کے زمانے کا ایک قلعہ چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہر شہر بن عرفجہ اندوی (گورنر موصلاً) نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت میں آباد کیا۔ اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لئے جدا جدا محلے بسائے۔

### گھوڑوں کی پرداخت

ہر جگہ بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت سازد سامان کے ساتھ رہتے تھے یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعہ ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ تیار ہو جائے۔ ہجرہ ہجری میں جزیرہ والوں نے دفعتاً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید نظر تھی، ان گھوڑوں کی پرداخت اور ترتیب میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک بڑا گاہ تیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے۔ جس لی سبیل اللہ (کثر العمل جلد ۲ صفحہ ۳۲۲) کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ الباطلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی اور سلمان الخیل نام سے پکارے جاتے تھے۔ جاڑوں میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصطبل خانے کے ہیں اور اسی لحاظ سے

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۵۵۴ میں ہے کان لعمر اربعۃ آلاف قمرس عدة لکون ان کان یشتبھا فی قبلۃ قصر الکوفۃ فی البصرۃ نحو منہا فہم علیہا جزین معالیہ فی کل عصر من الا مضار الشمانیۃ علی قدر ہافان نابہم فانیہم کتب قوم لا یقد سوا الی ان یستعد الناس۔ حضرت عمرؓ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش اور

پرداشت کے لئے عرب میں متعدد جگہیں تیار کرائیں تھیں۔ سب سے بڑی بڑا گاہ مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر نجد کے ضلع میں واقع ہے۔ یہ بڑا گاہ سبیل نامی اور اسی قدر بڑی تھی اور ہری مقام ضریہ میں تھی جو مکہ معظمہ سے سات منزل پر ہے اس کی ہر طرف سے چار چار سبیل تھیں اس میں تقریباً چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے۔ ان بڑا گاہوں کی پوری تفصیل شامۃ البکا بخار دار الفسطاط مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۵ ۲۵۶ میں ہے۔

عجمی اس کو آخور شاہ جہاں کہتے تھے بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقوں کے قریب شاداب چراگاہوں میں چرائے جاتے، مسلمان ہمیشہ گھوڑوں کی ترتیب میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑوں کو بھی کراتے تھے۔

خاص کر عہد نسل کے گھوڑوں کو انہوں نے نہایت ترقی دی۔ اس سے پہلے اہل عرب، نسل میں ماں کی پرواہ نہیں کرتے تھے سب سے پہلے مسلمان نے یہ امتیاز قائم کیا۔ چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی وہ غلام قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصہ سے محروم کر دیتے تھے۔ (کتب رجال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو)

بصرہ کا اہتمام جزیر بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ ابواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

### فوج کا دفتر

فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتری انشی مقامات میں رہتا تھا۔

### رسد کا غلہ

رسد کے لئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں۔ اور ہمیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

### فوجی چھاؤنیاں

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ملتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتدبہ فوج رہتی تھی لیکن امن وامان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

ہجرہ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن ملک سے ملتی تھی۔ یعنی دلوک، مسج، رعیان، قورس، تیزن، انطاکیہ وغیرہ (عربی میں ان کو فوج یا قنور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق



اور مناسب انتظامات کئے جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے یعنی عسقلان یا فا فیساریہ ارسوف عکا مصور ہیوت طرطوس صیدا ایاس اللاذقیہ چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زبردستی اس لئے ان کا مستقل جہانگاہ انتظام کیا اور اس کا افسر کل عبد اللہ بن قیس کو مقرر کیا۔ بالسن چونکہ غزنی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہمسرحہ تھا وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے۔

(فتوح البلدان صفحہ ۱۸۱) ابو حبیہ بیالس جماعۃ من المعانلة واستکنوا قوما من العرب الذین کانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمین الشامی

۱۱ ہجری میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں اس کے ساتھ تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔ (فتح البلدان صفحہ ۳۸) ان معانیۃ کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخی یزید الحقل السواحل فکتب الیہ فی مرتۃ حصولہا الترتیب المعانلة فیہا واقامة الحوس علی مناظرہا واتخاذ الحواقید لها

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی۔ باقی تو فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ قسطنطنیہ میں اقامت رکھتی تھی یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو ان کے قبیلے کا سردار ہوتا تھا اور جس کی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں ایوانوں کے آگے جھن کے طور پر وسیع انارکس بنائی تھیں۔ (تقریری جلد اول صفحہ ۱۶) وہاں لکل صریف قصر یزید بمن معدن اصحابہ انخذوا فہم اشایا

۱۱ ہجری میں جب ہر قل نے دریا کی راہ سے مصر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی

تحتانی طبری صفحہ ۲۸۳۔ اصل عبارت یہ ہے قسم عمر الارزاق و سسی الشوائی والصنواف و سد فر وج الشام و سد البحر و اخذ قریہا و سسی ملک فی کل کورة فاستعمل عیسا اللہ بن قیس علی السواحل من کل کورة۔

میں جس قدر فوج تھی اس کی ایک چوتھائی انہی کے مقامات کے لئے مخصوص نہ کر دی۔ عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ محفوظ مقامات تھے چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے ۱۰ ہزار بیہوشی مہمات میں مصروف رکھے جائیں تاہم ان اضلاع میں عجمیوں کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں ان سرفو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ خربہ اور زاہدہ میں سات چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔ صوبہ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ چنانچہ نہر تھری، منازر، سوقی الاہواز، سوقی ہرمزان، سوس، فیان، جندی، ساہور، نہر جانفوق یہ تمام فوجوں سے معمور ہو گئے۔ رے اور آذربائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ ۱۰ ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں جاہجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیوں دی گئی تھی۔ اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سلمان نہ تھا، اور یونانی مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے اس وجہ سے شام مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھانگا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں ان کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔

### فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں؟

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہی مقامات میں کیں جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بھائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور وہب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو

۱۔ دیکھو طبری صفحہ ۲۵۵ و تقریری صفحہ ۲۷۷۔ ۲۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۸۵ میں ہے وہاں بالکوفۃ انطاکیہ لرمعون الف مقاتل و کان ینزلہ من الثمرین (ای الری و الفدیجیان) ہم حشرۃ الان فی کل سنۃ فکان الریجل یحییہ فی کل الریسم سنین طرۃ۔ ۳۔ فتح البلدان صفحہ ۱۶۵۔ ۴۔ طبری صفحہ ۱۶۵۔







میں بھرتی ہو کر مصر میں آباد کئے گئے۔ (فتح البلد ان صفحہ ۲۴۷)

یونانی اور رومی ہمارے بھی فوج میں شامل تھے چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ سو آدمی شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص نے قسطنطین آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔ (مترجمی صفحہ ۲۴۸ میں ان سبکی حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں)

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ والشہ فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہیر ملتے تھے فوجی نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئے گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کیا گیا تھا۔ صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا کبھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا انہی کے ہم قوموں کو ان سے لڑانا فن جنگ کا بڑا اصول تھا۔

کہ خرگوش ہر مرزدا بے شکست سب آں ولایت تواند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابتدائے انتظام فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ یعنی جو لوگ اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے ان کے نام بھی فوجی رہنمائی میں درج تھے اور اس وقت بھی مصلحت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اب یہ پروہ بھی اٹھا دینا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی کمی جیسی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو صیغہ تعلیم کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے لالفظ علی القرآن احداً۔

## تنخواہوں میں ترقی

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ چونکہ وہ فوج کو ذراعت تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے ہندو باز رکھتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے۔ اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ اولیٰ سے اولیٰ شرح جو ۲۴۴

سالانہ تھی ۳۰۰ کردی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک برصاوی۔ بچوں کی تنخواہ دو سو چھوڑنے کے بعد سے مقرر ہوتی تھی۔ اب حکم دے دیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کردی جائے۔

## رسد کا انتظام

رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو اس پائے کے رسدات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں۔ البتہ گوشت کا بندوبست دار الخلافہ سے تھا۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے ملتے تھے۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵ امار غلہ لیا جاتا تھا مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون شہد اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیہ میں بھی یہی انتظام تھا۔ لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر اس کے بجائے نقدی مقررہ کر دی۔ جس کو رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔

## رسد کا مستقل محکمہ

رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام ہذا ہراء تھا۔ چنانچہ شام میں عمرو بن عبہ اس محکمے کے افسر مقرر ہوئے۔ ہراء ہری کی جمع ہے۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لئے نام میں بھی یونانی لفظ قائم رہا تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا۔ اور مینے کی پہلی تارنخی سپاہی اسن امار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس ہر امار روغن زیتون اور ہر امار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کی بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔

## خوراک کپڑا اور بھتہ

چنانچہ مؤرخ یعقوبی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے ذکر میں اس کی تصریح کی ہے۔ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا۔ جس کی تفصیل

۱. فتح البلد ان صفحہ ۲۵۱ اصل عبارت یہ ہے فاذا احنا جوا الى العطف والطعام انخرجوا حلقوا لافئ البير فافادرت على اشغل الطرائد وكان يصريعت اليهم من المشقة الغنم والجوز۔ ۲. فتح البلد ان صفحہ ۲۵۹۔ ۳. تاریخ طبری صفحہ ۳۳۵۔ ۴. ہراء کے معنی اور مقدم کے لئے راجع لسان العرب اور فتح البلد ان صفحہ ۲۵۸۔



وروی کے باب میں آئے گی ان تمام باتوں کے ساتھ بھستہ بھی مقرر تھا جس کو عربی میں موطہ کہتے ہیں۔ سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے تیار کرنا ہوتا تھا۔ لیکن جو شخص کم سرمایہ ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی نا کافی ہوتی تھی۔ اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا۔ چنانچہ خاص اس غرض کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے خود دار الخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۲ اصل عبارت یہ ہے کان لعمرین الخطاب اربعة الاف فرس فاذا كان في عطاء الرجل عفتا وكان محتاجا اعطاه القرم).

### تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ

بھستہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بھستہ اور فصل کے کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا فوجی افسر جو کم سے کم ۲۰-۳۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے تنخواہ ان کو دی جاتی تھی۔ وہ عریف کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کے حوالے کرتے تھے ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعے سے ایک کوڑی رقم تقسیم ہوتی تھی اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبر گیری سے کام لیا جاتا تھا عراق میں امراء اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران مشطہ بن ضیم وغیرہ کو بلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عمدے اور روزینے مقرر کئے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔ عریف کا تقرر بھی قاروقی ایجادات سے تھا جس کی تقلید بدوں تک کی گئی کثرت العمل باب الجہاد میں علامہ بیہقی کی روایت ہے۔

### تنخواہوں کی ترقی

تنخواہوں میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے ترقیاً فوقاً اضافہ ہوتا رہتا تھا قادیسیہ میں زہرہ عصمت بنتی وغیرہ نے بڑے بڑے عوائد کام کئے تھے اس لئے ان کی تنخواہیں دو دو ہزار ۱۰۰۰۰۰ اصل عبارت یہ ہے وامر لهم و معاد لهم في الربيع من كل سنة ليا عطيا لهم في المحرم من كل سنة وبقيةهم عند طلوع الشمس في كل سنة وثلث عند ابراک الغلات۔ یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ۳۴۵ و ۳۴۶ مقررزی صفحہ ۳۴۵ میں ہیں۔

سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں۔ مقررہ رقموں کے علاوہ خیمت سے وفاقاً جو ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا۔ اس کی کچھ اٹھانہ تھی۔ چنانچہ جلولا میں نو نو ہزار نہایت میں چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے میں آئے تھے۔ صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے۔

### اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم

جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جتیں متعین کر دی تھیں یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں اس کی تقسیم کا نام شائبہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے یہاں تک کہ ہمارے مؤرخین مغربی ممالک اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل بھری میں کیا تھا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔ وسمی الشوائب والصوائف وسمی فلکھلی کل کووۃ۔

### بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام

فصل بہار میں فوجیں ان مقامات پر بھیج دی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبز و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول محلہ میں جاری کیا گیا۔ جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عقبہ بن عمرو ان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔ عمرو بن العاص گورنر مصر موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھونٹوں کو چرا کر فریہ بنا کر لائیں۔

### آب و ہوا کا لحاظ

یارکوں کی تعمیر اور چھائیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا مہن چھوڑے جاتے تھے فوجوں کے لئے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ و قسطنطنیہ وغیرہ ان میں صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ۱۰۔ تاریخ طبری صفحہ ۳۳۸ میں ہے وکتب عمر بن الخطاب و ابی عتبہ بن خذافان بشر بہا بالناس فی کل صوبہ وجمع فی الطبیبات۔



ہوتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعین بھی خود لکھ کر بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کی تفصیل ان شہوں کے ذکر میں گذر چکی۔

## کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن

فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا۔ اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔

(معاذ القرین جلد اول صفحہ ۳۹ میں۔ فرمان عینہ منقول ہے)

## رخصت کے قاعدے

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا جو فوج میں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انہوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیج دئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اسی حد تک تھیں کہ جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا۔ ورنہ آرام طلبی، کمالی، ہمیش پرستی سے بچنے کے لئے سخت بندشیں تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں۔

## فوج کا لباس

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جس کو وردی کہتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام ان کے جو احکام منقول ہیں ان میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چند اہل نور نہیں دیا گیا کیونکہ اہل ہجری میں جب مصر میں زمینوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے

کپڑے بھی اس میں شامل تھے اور وہ یہ تھے کہ اولیٰ کا جبہ، لمبی ٹوپی یا ماسک یا باریک موزہ، حالانکہ اولیٰ اولیٰ جامد اور موزہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصریح منع کیا تھا۔

## فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم

فوج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں بھی وجود نہ ملا تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے ان کے علاوہ متعدد طبیب اور خراج ہوتے تھے چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبدالرحمن بن ریحہ، قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، ہلال ہجری مترجم تھے۔ فوج میں محکمہ عدالت سررشتہ حساب مترجمی اور ڈاکٹری کی ابتداء بھی اسی زمانے سے ہے۔

## فن جنگ میں ترقی

فوجی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے ان میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، نیچے پاؤں چلانا، اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔

عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ دونوں طرف کے غل بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا۔ اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا تھا۔ اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے مثلاً سینہ، میسور، وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے ہلہ ہجری میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت تعبید کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تھا لڑاتے تھے۔

۱۔ فوج البدون صف ۵۵۔ ۲۔ طبری، الوقائع ج ۱ صفحہ ۳۳۶۔

۳۔ علامہ ابن بطوطہ نے مقدمہ تاریخ میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس دونوں کے طریقہ جنگ پر ایک مضمون لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ تعبید کا طریقہ اولیٰ اولیٰ موان بن الحکم نے قائم کیا۔ لیکن یہ غلط ہے طبری اور دیگر مورخین نے بصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں اولیٰ اولیٰ خالد نے تعبید کی طرز پر صف اترائی کی۔



## فوج کے مختلف حصے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے، حسب ذیل ہیں۔

قلب	سب سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔
مقدمہ	قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔
میں	قلب کے دائیں ہاتھ پر رہتا تھا۔
میسو	دائیں ہاتھ پر۔
ساقہ	سب کے پیچھے۔
ظلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔
مد	جو ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔
راکہ	جو فوج کے چاروں اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رکبان	شتر سوار۔
فرسان	گھوڑا سوار۔
راجل	پہا۔
رماہ	تیرانداز۔

## ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔ فوج البلدان میں لکھا ہے کہ کثیرین شباب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں، سوا، ڈورا، قینچی، سوتالی، توپڑا، چھلنی۔ (فوج البلدان صفحہ ۱۸)

## قلعہ شکن آلات

قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے تحقیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا چنانچہ سب سے پہلے ہرجری میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعہ سے فتح ہوئے مثلاً ہرجری میں، ہروا شیر کے محاصرے میں ۲۰ مہینے تک استعمال کی گئیں۔ محاصرے کے لئے ایک اور آلہ تھا جس کو دیابہ کہتے تھے یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پسے لگے ہوتے تھے سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیراندازوں کو اس کے اندر بٹھادیا جاتا تھا اور اس کو رختے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے اس طرح قلعہ کی جڑیں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آگات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے ہروا شیر کے محاصرے میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

## سفرینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل باندھنا۔ یعنی جو کام آج کل سفرینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اس کا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فرططاح فتح کیا تو متوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر سرخ کرے گی سفرینا کی خدمت کو مصری انجام دیں، گے چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منبل بمنزل پل باندھتے۔ سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا۔ اس واسطے قبلی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

## خبر رسائی اور جاسوسی

جاسوسی اور خبر رسائی کا انتظام نہایت خفیہ سے کیا گیا تھا اور اس کے لئے قدرتی مسلمان ہاتھ آگے تھے۔ شام و عراق میں کثرت سے عرب تباوتھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے تھے اس لئے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت دی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پار سائی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لئے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے یہ موک قادیسیہ، حکمت میں انہی جاسوسوں کی بدولت

۱۔ مقریزی صفحہ ۲۴۳ میں ہے۔ فخر ج عمر بالمسلمین و فخر ج عمر جماعہ من ذلک ماہ القبط و قد اصابوا الہم الطرق و اقاموا الہم الجسور و الا موانع۔



بڑے بڑے کام لگے۔ (تاریخ شام البیہاری صفحہ ۱۳۳۹ و ۱۳۴۰ ازہی کی عبارت یہ ہے: لما نزلت الروم منزلهم الذي نقلوه و سبنا اليهم رجالاً من اهل البلد كانوا نصارى و حسن اسلامهم و امرتهم ان يدخلوا معسكرهم فيكنتموا اسلامهم وياتيها اخبارهم)۔

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔ قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ (کتاب ذکر صفحہ ۸۰)

فلما رأی اهل الذمة و فاء المسلمین لهم و حسن السيرة لهم صاروا اشداء علی عدو المسلمین و عوفاً للمسلمین علی اعدائهم نیعت اهل کل مذبنة بمن جری الصلح بينهم و فنن المسلمین رجالاً من قبلهم یجسسون الاخبار عن الروم عن ملکهم و ما یریدون ان یضعوا۔

### خبر رسائی اور جاسوسی

اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامو کہلاتا تھا۔ یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسائی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اس کے صلے میں ان کی مقبوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے دی گئیں۔ اسی طرح جرۃ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی کہ ان کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔ فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک مختلف قبائل مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پہنچی ہوتی تھیں۔ جہاں سے دار الخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا۔ تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ قدرت میں تھیں کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔

### پرچہ نویسوں کا انتظام

اس کا عام سبب تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت اور ان کا عجب و داب تھا۔ لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر

لکھتے ہیں کہ :

و كانت تكون لعمرو العيون في جيش فكتب اتي بها كان لي  
لك الغزاة و بلغنا الذي قال عتبة۔ (طبری صفحہ ۲۳۰۸)  
ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

و كان عمرو لا يخطئ عليه شيء في عملہ۔ (طبری صفحہ ۲۵۲۱)

اس انتظام سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بد اعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تذکرہ کر دیتے تھے جس سے اوہوں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمرو معدی کرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ دیا تھا۔ فوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی اور اسی وقت انہوں نے عمرو معدی کرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

### صیغہ تعلیم

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علمائے صحابہ اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے بدر سین اور معطین کی ٹٹھو اہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی۔ اس لئے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ صیغہ مذہبی کے بیان میں آئے گا۔

### صیغہ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور در حقیقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارناموں کا طغرایہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم، یعنی توجہ الی اللہ، استغراق فی العبادۃ صفائے قلب، قطع ملائق، خضوع و خشوع، یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی رشتہ و انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اس لئے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعت اسلام، تعلیم قرآن و حدیث، احکام مذہبی کا اجراء



اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے متعلق جو کچھ کیا اس کی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

### اشاعت اسلام کا طریقہ

اس سنیے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تگوار کے ذریعے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر **لَا كُوهَا فِي الدِّينِ** (یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے۔ دیکھو کثرۃ العمل جلد ۲ صفحہ ۲۰۰) پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر یعنی جب ان کا غلام باوند پدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ **لَا كُوهَا فِي الدِّينِ**۔

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں۔ چنانچہ فاتح ایران سعدو قاص کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ تھے **وَقَدْ كُنْتُ أُمِرْتُ أَنْ تَدْعُوا مِنْ لِقَيْتِهِ النَّبِيَّ الْإِسْلَامَ قَبْلَ الْقِتَالِ** قاضی ابویوسف صاحب نے لکھا ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فہم ہوتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ فوجی انہوں کے لئے علم و فہم کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں انہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد ان کے سامنے بیان کئے۔“

اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھینچ آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنادیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں

جاتی تھیں۔ لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بار یہ نشیمنوں کا دنیا کی تسخیر کو انھما حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی اور سادگی اور پاکیزگی جو ش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ رومیوں کا سفیر جارج ابو عبیدہ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا۔ اور کس طرح دفعۃً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شام جو مصر کی حکومت کا بہت بڑا رکن تھا مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا۔ اور آخر وہ ہزار قوموں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ (تاریخ تقریری صفحہ ۲۸۲ میں ہے) **فَخَرَجَ شَطَا فِي الدِّينِ مِنْ أَصْحَابِهِ فَالْحَقَّ بِالْمُسْلِمِينَ وَفَقَدَ كَانِ قَبْلَ ذَلِكَ يَحِبُّ الْخَيْرَ فَهَيَّاهُ إِلَى مَا يَسْمَعُ مِنْ سِيرَةِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ**

اسلامی فتوحات کی بوا لعلی نے بھی اس خیال کو قوت دی یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدم اور پر نور قوموں کا قدم اکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تاکید آسمانی شامل ہے۔ یوگر و شمشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس اسناد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات

### اشاعت اسلام کے اسباب

دیوانت کے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ”ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔“ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سوار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیرے توڑ کر کہا کہ یہ ”خیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے۔ اور ان سے لڑنا بیکار ہے۔ ابورجاء فارسی کے دادا کلیان ہے کہ قادیسہ کی لڑائی میں میں حاضر تھا اور اس وقت تک میں مجوسی تھا۔ عرب نے جب خیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ ”تھکے ہیں۔“ لیکن ان ہی تھکوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی۔“ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندر یہ کے ہشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ ”رومیوں کی سلطنت ختم ہو چکی۔ اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔“



ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جس قدر ان کا میلان ایک نبی علی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جس قدر زمانہ گزر گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جس قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام ابو کون تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ ایمان لائے افسوس ہے کہ ہمارے مؤرخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا۔ اس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں جتا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں

### حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے

اگر ہجری کے اخیر میں جب جلولا فتح ہوا تو بڑے بڑے روس اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں۔ جمیل بن بصیری، سہام بن زری، رمل، فیروزان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔

قلاسیہ کے معرکے کے بعد چار ہزار و نیم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی۔ کل کی کل مسلمان ہو گئی۔ (فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰) پرویز کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا۔ پرویز کو جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اسلحہ کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عہد سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجیں جب تیسروں پہنچیں تو سیاہ اپنے سواروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہہ دیا ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے۔ اسکی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے بہتر

یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ اسامۃ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اسامۃ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیاہ بجز 'زط' اندغار بھی مسلمان ہو گئے تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑتے تھے گرفتار کر کے لوٹھی غلام بنایا۔ اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے انکو واپس لے کر مصر بھیج دیا اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں، خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں چنانچہ ان میں سے قصبہ بلسیب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بھارہ اور دراقہ سے لیکر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔ (مقریزی صفحہ ۲۸۱)

فلما فتح المسلمون القریں بعد ما افتتحوا دمیاط فتنیس سارفا الی بقرۃ فاسلم من بہا و سارفا

منہا الی النورادۃ فدخل اهلہا فی الاسلام و ما حولہا الی عسقلان

شاما مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں یہاں کار نکس مسلمانوں کے حالات سن کر ہی پہلے اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شاما سے نکل کر مسلمانوں سے آملا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ (مقریزی جلد اول)

فسطاط جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ دار السلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے۔ ایک محلہ بنو نبہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا۔ اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے معرکے میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔

۱۰ سرا محلہ بنو الارزق کے نام پر تھا یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔

تیسرا محلہ رنیل کے نام سے آباد تھا یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔



فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نو مسلم بخوسی آباد کرائے گئے تھے چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا یہ لوگ اصل میں یافان کی فوج کے آدمی تھے جو نو شیر وال کی طرف سے یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمود بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔ اسی طرح اور جتہ جتہ مقامات سے پہنچتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے بلس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے۔ تھے۔ مؤرخ ازدی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کہ رہنے والے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔ مؤرخ نے بن سہر جہری کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔ ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور کلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اعمال مذہبی کی ترویج یعنی جن چیزوں پر اسلام کلوار و مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا اور ان کی اشاعت اور ترویج کرنی۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی تعلیم و ترویج تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ ”اموز ہر کہ قرآن بخواند از طوائف مسلمین منست فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و در کون دوست“۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوششیں کیں

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل قرآن مجید ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ کرنا تمام ممالک میں اسکا رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفق

۱۔ بلاذری صفحہ ۱۱۵

اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر، کچھ کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھری تختیوں پر لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورت یاد تھی کسی کو کوئی۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا۔ اس لئے ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا تو میں کیوں کر کروں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وہی لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرنا تھا اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جانی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جاوے۔

سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مصر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید، مصری کی خاص زبان میں اترتا ہے۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ ۷۹ و ۸۰ اور تفسیر ۲)

### قرآن مجید کی حفاظت اور صحت و الفاظ و اعراب کی تدبیریں

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنادے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی



صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی ہر سہی نقلیں ہو کر ملک میں شائع ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

### قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا۔ اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔

### مکاتب قرآن

مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں چند روپہ درہم ماہوار تھیں۔

### بدوؤں کو جبری تعلیم

خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔

(آفاق ہزارہ صفحہ ۱۷۷ اسباب فی احوال الصحابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے)

### کتابت کی تعلیم

مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو روادۃ حدیث میں ہیں۔ انکی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجھے کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ (بیم البدل ان لقت حاضرین میں روایت کو حضرت ابو بکر کے

طے سیرۃ العزیز ابن ابی جوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کان یزیدان العودہ بین الایام والمصلحین۔

مدد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب بیہم نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے)

### قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کے لئے دور دراز مقامات پر بھیجنا

صحابہ میں سے ۵ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں خاص کر ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید القراء تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں ان کی مدح کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے۔ ابو ایوب ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے اس لئے نہ جاسکے باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہدایت کی کہ محض کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں پھوڑ دیں باقی دو صحابہوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے محض گئے۔ وہاں جب اچھی طرح بند و بست ہو گیا تو عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں قیام کیا۔ اور ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طاعون عمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔

### تعلیم قرآن کا طریقہ

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے۔ گرو قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کرویتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھا سکے۔ خود ٹپکتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اسکو اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل القراءۃ عمل جلد اول صفحہ ۸۸ میں مذکور ہے اور روایت طبقات ابن سعد کی ہے



## دشوق کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد

ایک دن ابو برداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب علم ان کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

## اشاعت قرآن کے وسائل

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء، مائدہ، نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن سیکھیں کہ ہر گز ان میں احکام و فرائض مذکور ہیں۔ اعمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔ (بعد میں جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا) اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی پڑھ گئے۔

## حافظوں کی تعداد

ماخوذ خوانوں کا شمار تو نہ تھا۔ لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے جا بجا بھیجوں تو سعد و قاس نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ موجود ہیں۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ ۱۳۸)

## صحت اعراب کی تدبیریں

تیسرا عربی صحت اعراب و صحت تلفظ اس کے لئے بھی نہایت اہتمام کیا۔ اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا۔ اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا تو اسلام کو ناقابل طاقی نقصان پہنچتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔ سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکید احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے خاص الفاظ حسب

روایت ابن اللہاری یہ ہیں۔ تعلموا عراب القرآن كما تعلمون حفظه اور منہ دار میں یہ الفاظ ہیں۔ تعلمون الفرائض واللحن والسنن كما تعلمون القرآن

## ادب اور عربیت کی تعلیم

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ خود لوگ اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔ تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔ قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی۔ لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

## حدیث کی تعلیم

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، چنانچہ فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ را با جمعے بکوفہ فرستادو مغفل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن مغفل و عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ را بہ یسرو و عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو برداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ امیر شام بود قد غن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نہ کن۔ درحقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ ان کی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ان کے ذاتی حالات میں انکے فضل و کمال کا جہاں ذکر آئے گا ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

## فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ چارویں نمبر پر ہے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے فقہ و اشاعت ممکن نہیں۔ مسائل فقہ کی ترویج کے لئے یہ تدبیریں اختیار کیں۔



الفقه والعلم (کتاب الخراج صفحہ ۷۶) یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔ یہ تمام ممالک محروسہ میں فقہاء اور معلم متحین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دین، مزارعین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

### فقہ کی تعلیم کا انتظام

تاہم جتنے جتنے تصویحات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے مثلاً عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ ”یہ منہلہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔“ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

وكان ممن بعثهم عمر بن الخطاب الى اهل البصرة ليقفهم يعني ان لوگوں میں یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لئے شام بھیجا تھا۔ عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے ”یہ وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو درداء کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المجاہد فی اخبار مصر والقاہرہ میں جان بن ابی جبلی کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا ان فقہاء کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ مناجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شاہقین تمام نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقے کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے ابو مسلم خولانی کا بیان ہے

۱ اصل عبارت یہ ہے كان احد عشرة الفين بعثهم عمر الى البصرة ليقفهم من الناس

کہ میں خمس کی مساجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے لیکن جب ان کو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو پتہ چلا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا استفادہ ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا تھا اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ (تذکرہ الحفاظ ۷۷۷ معاذ بن جبل ۲)

### فقہاء کی تنخواہیں

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فقہاء کی تنخواہیں بھی مقرر کیں تھیں۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

### معلمین فقہ کی رفعت شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لئے انتخاب کیا تھا۔ مثلاً معاذ بن جبل، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالرحمن بن غنم، عمران بن حصین، عبداللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے اس کی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور اصابہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔ (تذکرہ الحفاظ ذکر تابعی و رواہ)

### ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص فقہ کے مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کردہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا۔ یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لئے جاتے تھے چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے ہم اس کے جتنے جتنے فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معاذ بعد عزم خلیفہ برجنہ، بکمال مخالفت نمود در مجمع ایس امور شد در زور غیر فتد وبدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را معمم نمی ساختند لهذا دریں عصر اختلاف مذہب



و تشریف آفرین شد ہر ایک نے سب متفق ہو کر یہ مجمع چوں ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منقرض شد و خلافت عامہ ظہور نمود علماء و ہر بلد سے مشغول باقاہ شدند۔ ابن عباس و مکہ فتویٰ دہد و عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمرو مدینہ حدیث را روایت می نمایند و ابو ہریرہ اوقات خود را براکثار روایت حدیث مصروف سے سازد۔ بالجمہ و دریں ایام اختلاف فتاویٰ پیدا شد یکے را بردارے دیگر اطلاق نہ و اگر اطلاق شدہ مذاکرہ واقع نہ و اگر مذاکرہ بمیان آمد از املت شبہ و خروج از مصیق اختلاف بخضائے اتفاق میرسد اگر قبضہ کنی روایت علمائے صحابہ کہ پیش از انقضای خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بعبایت کم یا بی۔ و جمیع کلام ایام خلافت زندہ اند ہرچہ روایت کردہ اند۔ بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند ہرچہ جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول و عمل بموجب آنچہ روایت صدق ایشان ثابت شود لازم اما در میان آنچہ حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم بود و آنچہ بعد وے حادث شدہ فرق باین السلوٰۃ والارض ست۔

(ازالہ افتاء جلد دوم صفحہ ۳۰)

## عملی انتظام

یہ تمام امور جن کا اوپر ذکر ہوا عملی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے عملی صیغے پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت توجہ کی۔ اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے۔

## اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں علامہ ابن الجوزی سیرۃ العرین میں لکھتے ہیں۔ ان عمرو بن الخطاب و عثمان بن عفان کان ہرذان المؤمنین والاکمدا موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھے۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منیٰ میں پہنچا آئیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔

## حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عہد خلافت میں متصل حج کے اس لئے امیر خراج ہیث خود ہوتے تھے اور خراج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

۱۔ موطا امام محمد صفحہ ۸۶ ۲۔ موطا امام مالک صفحہ ۳۰

## مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ سعد و قاص اور عمر بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جو جامع عمری کے نام سے مشہور ہیں گوان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی۔ ایک جامع عمری میں جو بیوت میں واقع ہے۔ راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہ خاص تعداد کو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

## حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اسکی زیب و زینت پر توجہ کی اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لئے منہ عہد ہجری میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ضابطے اور ان کی زمین حرم کے محن میں شامل کردی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اس کی حد عام مکانات سے متاثر نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احاطہ کی دیوار کھینچوائی اور اس سے یہ کام بھی لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں بھی فلاح کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبلی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنایا جاتا ہے حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷ میل اور ۹ میل میں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصاف حرم کلاتے تھے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے من عہد ہجری میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی۔ صحابہ میں جو سے لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخزومہ بن نوفل ازہر بن عبد عوف جو۔ طیب بن عبد العزیٰ سعید بن ربیعہ

۱۔ احکام السلطانیہ للامور و منہاج البلاد ان صفحہ ۳۰

۲۔ موطا امام محمد صفحہ ۸۶



کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

### مسجد نبوی کی وسعت اور مرمت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لئے کافی تھی۔ لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی۔ اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ سنہ ۱۰ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لئے لیکن حضرت عباس نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح راضی نہ ہوتے آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبراً خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامہ مسلمین کے لئے دے دیتا ہوں۔ غرض اندراج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں گرا کر مسجد کو وسعت دی گئی پہلے طول ۱۰۰ گز تھا انہوں نے ۲۰۰ گز کر دیا۔ اسی طرح عرض میں جس قدر ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اسی طرح رہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چوہترہ بھی بنوایا۔ اور لوگوں سے کہا کہ جس کو بات چیت کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو اس کے لئے یہ جگہ ہے۔

(خلاصۃ الوقایا اخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صلی ۱۲۲۲ھ صفحہ ۱۳۳)

### مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا اس کی ابتدا ابھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوئی۔ یعنی ان کی اجازت سے تیمم درجی مسجد میں چراغ جلائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بٹل آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا۔ لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ مؤذن کے حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگلیٹھی میں جلانے نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا۔ اور ان کے کپڑے بساتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت

۱۔ خلاصۃ الوقایا صلی ۱۲۲۲ھ

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی کیا۔ لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد خاک میں آلودہ ہوں۔

### متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال اور گزر چکا ہے لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لئے جدا جدا عنوان قائم نہیں کئے جاسکتے تھے اس لئے ان کو یکجا لکھنا زیادہ سوزوں ہو گا۔ ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اسکی ضرورت سے سن اور سال قائم کرنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا۔ یعنی جس سال ابرہہ الا شرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مستقل سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

### سنہ ہجری مقرر کرنا

اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ سنہ ۱۱ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک چمک پیش ہوئی صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو گزشتہ شعبان کا مہینہ مراوے یا موجودہ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ اکثر نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے چنانچہ ہرمزان جو خورستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے وہ اس کو ماہ یوز کہتے ہیں۔ اور اس میں تاریخ اور مہینہ دونوں کا ذکر ہوتا ہے اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتداء کب سے قرار دی جائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہئے تھا۔ لیکن چونکہ عرب میں



سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے وہ مینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر سال شروع سے سنہ قائم کیا۔ (مقرری جلد اول صفحہ ۲۵۴)

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا کافی اہتمام ہوا تھا۔ چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش قبیلہ میں محض لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے یہاں تک کہ جب سنہ ۱۱ ہجری میں اچھے فقیہ ہوئے تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جسے حساب کتاب آتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک چودہ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا۔ اور اس طفلے میں اس کی تنخواہ دو درہم بومیہ مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

### مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پیچیدہ دعووں کا حساب تھا۔ جو اہل عطا کلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی مثلاً سپاہیوں کے لحاظ سے، پہنچلی کار گزاروں کے لحاظ سے، اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا۔ اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی اس مینے کے حساب و کتاب کی درستگی کے لئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا۔ مثلاً دار الخلافہ میں عقیل بن ابی طالب، مخزوم بن نوفل، جیسر بن مطعم کو، بصرہ میں مغیرہ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبد اللہ بن خلف کو۔

### دفتر خراج

تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے تھے۔ فارسی، شامی، قبلی، زبان میں رہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکا۔

### بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا زکوٰۃ اور صدقہ میں جو سوسٹی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے۔ چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب

تھے۔ جانوروں کا حلیہ رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی۔ اور بعض وقت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (طبری مؤرخ ۲۷۶)

### مصارف جنگ کے کاغذات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معنوی اسی بناء پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ بلکہ ان کی فتح میں جو سنہ ۱۱ ہجری میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملاحظہ کرایا تھا۔

### مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی۔ اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے۔ چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقرری اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔ خاص خاص مفتوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے۔ مثلاً سعد و قاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی۔ چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے۔ جو خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام میں رہتا تھا۔ (طبری مؤرخ ۲۷۷)

### کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے۔ بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی برسیاں ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد برکی نے ایجاد کیا۔



## ۱۔ ذمی رعایا کے حقوق

سکہ

پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے تھے اس کا مقابلہ اگر اس زمانے کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم و فارس تھیں ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قائل نے تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکا۔ کیونکہ رعایا آخر کار کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے۔ اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قائل تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان ممالک کو زیرِ نگیں کیا تو نہ وہ حالت بدل گئی جو حقوق ان کو دیئے گئے، اس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے بلکہ اس قسم کا تعلق وہ کیا جیسا کہ دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم انکو اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہو گی۔ اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو کبھی نہیں دیئے ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آئینوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل باقی بچل ہیں۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل عمل کا باعث تھا۔ اس لئے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

### بیت المقدس کا معاہدہ

هَذَا مَا عَظَىٰ عَبْدُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ

۱۔ ذمی سے وہ قومیں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں۔

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبدالملک بن مروان ہے۔ لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔

جب امیر المؤمنین خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصروف شام و عراق فتح کیا تو انہوں نے سکہ کے معاملہ میں کچھ دخل نہ دیا۔ بلکہ پرانے سکہ کو جو جاری تھا بحال رہنے دیا۔ سنہ ۸ ہجری میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفراء آئے جن میں اسفند بن قیس بھی شامل تھے۔ اسفند نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور چھتیں بیان کیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا۔ جنہوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہر معقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے۔ اذ جاء نهر الله بطل نهر معقل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جرب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔ اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سکہ کے درہم جاری کئے۔ جو نو شیردانی سکہ کے مشابہ تھے۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سکوں پر الحمد للہ اور بعض سکوں پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا الہ الا اللہ وحدہ لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر زمانے میں دس درہم مجموعی رقم کا وزن چھ مثقال کے برابر ہوا تھا۔ (دیکھو کتاب التقدیر الاسلامیہ المقرری مطبوعہ مطبعہ جواب سنہ ۹۹ ہجری صفحہ ۵۵)

یہ مقرری کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ مابودی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ امیران میں تین قسم کے درہم تھے۔ بغلی آنٹھ دانگ کا ٹھہری چار دانگ کا "مضربی تین دانگ کا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ بغلی چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لئے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔ (احکام السلطانیہ

لمابودی صفحہ ۵۸)



سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جاتا ہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس گورنر کے پاس ہے رسول خدا کے خلیفہ کا اور مسلمانوں کا وہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمرو العاص اور عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یہ ہندو جبری میں لکھا گیا۔

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان، مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں گرجے اور حج کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ تو وہ توڑے جائیں گے نہ ان کی عمارت کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا ینکروہون علی دینہم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا۔ اس لئے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہیں گے۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑتے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عداوتھے تاہم ان کے لئے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ اور نکل جانا چاہیں تو نکل جاسکتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہو گا۔ اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھ کر بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں گے کہ وطن سے نکل کر وہاں سے جا ملیں تو اس پر بھی کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم مفتوحہ ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر انصافانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے۔ امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن واکل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا

اعطاهم امانا لانفسہم واموالہم ولکنانہم وصلبانہم وستمہا برہا وسانرمتہا نہ لا یسکن کنانہم ولا تہدم ولا یقتض سہا ولا من حیزہا ولا من صلیبہم ولا من شی من اموالہم ولا ینکروہون علی دینہم ولا یضار احد من الیہود وعلی اہل اہلباء ان یعطوا الجزیۃ کما یعطی اہل المدائن وعلیہم ان ینخرجوا منها الروم واللصوص لمن خرج منہم فہو امن علی نفسہ ومالہ حتی یبلغوا ما منہم ومن اقام منہم فہو امن وعلیہ مثل اہل اہلباء من الجزیۃ ومن احب من اہل اہلباء ان یمیر بنفسہ ومالہ مع الروم ویخلی بعبہم وصلبہم فانہم امنون علی انفسہم وعلی بعبہم وصلبہم حتی یبلغوا ما منہم وعلی ما فی ہذا الکتاب عہد اللہ وذمہ رسولہ وذمہ الخلفاء وذمہ المؤمنین اذا اعطوا الذی علیہم من الجزیۃ شہد علی ذلک خالد بن الولید وعمر بن العاص وعبدالرحمان بن عوف ومعاویہ بن ابی سفیان وکتب وحضر سیدنا جبری۔

(دیکھ تاریخ ابو نعیم ج ۱ ص ۱۰۱۔ بیت المقدس ص ۲)

”یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تہذیب و تمدن پر اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی۔ نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے ایلیاء والوں پر یہ فرض ہے کہ وہ شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے تاکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیاء میں رہنا اختیار کر لے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہو گا اور ایلیاء والوں میں



يقاتل من ورائهم وان لا يكلفوا فوق طاقتهم۔

(صحیح بخاری صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ میرٹھ)

یعنی میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا وعدہ دیا گیا ہے (یعنی ذی) کہ ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور انکی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔

غزوہ ایک صحابی تھے ان کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی غزوہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ کر ارا عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی۔ انہوں نے غزوہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی غزوہ نے واقعہ بیان کیا عمر بن العاص نے کہا کہ ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے غزوہ نے کہا معذرتاً اللہ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی مگر کہ رسول اللہ کو اعلان کیا گیا کہ اس سے یہ معاہدہ ہوا کہ اپنے گرجوں میں جو کچھ چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔ عمر بن العاص نے کہا ہاں یہ سچ ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے۔

### مذہبی امور میں آزادی

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی تھی وہ ہر قسم کی رسوم مذہبی ادا کرتے تھے۔ علامہ ناقوس بجاتے تھے صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے ان کے پیش وایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے مصر میں اسکندر یہ کا پیشوا رک بنیا مین تیمور برس تک ذمیوں کے ذر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرا۔ عمر بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو سنہ ۳۵ ہجری میں اسکو تحریری امان لکھ کر بھیجی۔ وہ نہایت ممنون ہو کر آیا۔ اور پیشوا رک کی گرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (جلد اول صفحہ ۳۴۳) میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ معاہدات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا بھی حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم

۱۔ اسم الفاروق - تذکرہ غزوہ۔

اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ بنار والوں کو جو حجرے لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے۔

لا یغیرون عن ملت ولا بحال بنہم وبن شرانہم۔

(طبری صفحہ ۲۳۳)

”ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا اور ان کے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی۔“

جر جان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لہم الامان علی انفسہم واموالہم وملکہم وشرانہم ولا

تغیر من شی من قلمک۔ (طبری صفحہ ۲۳۹)

”ان کے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا۔“

آذربائیجان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی۔

الامان علی انفسہم واموالہم وشرانہم۔ (طبری صفحہ ۲۴۲)

”جان مال مذہب اور شریعت کو امان ہے۔“

موکان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔

الامان علی اموالہم وانفسہم وملکہم وشرانہم۔

”جان مال مذہب اور شریعت کو امان ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور جہد کے ذریعے سے ممکن تھا ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جاسکتا استی ان کا ایک عیسائی غلام تھا اس کو ہمیشہ اسلام قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اس نے انکا کیا تو فرمایا لا اکبر اہل الدین یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔ (کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۹)

### مسلمانوں اور ذمیوں کی ہم سری

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی



تھی کوئی مسلمان اگر ذی کو قتل کرتا ہے تو بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا۔ مسلمان اگر ذی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے ذمیوں سے جزیہ اور عسور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ جس کی مقدار دونوں سے زیادہ تھی۔ اس کے سوا عسور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا۔ البتہ اس کی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی بیت المال سے والفقہوں کو گھر بیٹھے جو تنخواہ ملتی تھی ذی اس میں بھی برابر کے شریک تھے سب سے بڑھ کر یہ (اور درحقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے) کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپنا بیج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی مرغی تھی۔ اول اول یہ قاعدہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن الولید نے جبرہ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے

وجعلت لهم ايمانهم ضعف عن العمل او اصابه افة من الالاب  
او كان غنيا فالنقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه وطرح  
جزية وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقاموا ابدان  
اسجرة ودار الاسلام ولو ذهبوا فليس على المسلمين النفقة  
على عيالهم (كتاب الخراج صفحہ ۸۵)

”اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوزخا شخص کام کرنے سے محذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آئے یا پہلے دولت مند تھا پھر غریب ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا۔ اور اس کو اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال پر پانچواں حصہ تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔“

یہ قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت انما الصدقات للفقراء والمساكين (صدق اور خیرات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے) اس میں فقراء کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عہد نے ایک ہر کس سال کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کہ کیوں بھیک مانگتا ہے؟

اس نے کہا ”مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ساتھ گھر پر لائے اور کچھ نقد سے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کرو یا جائے اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ”واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور برصا پے میں ان کو نکال دیں۔“

(کتاب الخراج صفحہ ۸۵)

## ذمیوں کی عزت کا خیال

ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی قدر استحفاظ تھا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا۔ ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ امیر بن سعد جو محض کے حاکم تھے اور زہد و تقویٰ و ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی ان کا ہمسرہ نہ تھا۔ ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا۔ اخو اک اللہ یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے اس پر ان کو اس قدر ندامت اور تأسف ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی۔ (دیکھ ازالۃ افتاء صفحہ ۲۸)

## سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر بھی سازش یا بغاوت کی تب بھی ان کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا گیا۔ ترجیح کل جن حکومتوں کو تنصیب و ترقی کا دعویٰ ہے رعایا کے ساتھ ان کی تمام رعایت اسی وقت تک ہے جب تک ان کی طرف سے کوئی پولٹیکل شبہ پیدا نہ ہو۔ ورنہ نہ تھا وہ تمام مہمانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور برائیہ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم کسی حالت میں جاؤں انصاف سے ذرا نہیں ہٹا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام عربسوس تھا اور جس کی سرحد ایشیائے کوچک سے ملتی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ لیکن یہاں کہ لوگ درپردہ ذمیوں سے سازش رکھتے تھے۔ اور ابھر کی خبریں ان کو پہنچاتے



رہے تھے۔ عمر بن سعد ہاں کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی حضرت عمرؓ نے ان کی کینہہ نصحت کا جواب انتقام لیا تھا وہ یہ تھا کہ عمر بن سعدؓ کو جلاوطن کر دیا اور زمین، موشی اور اسباب ہے سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دے دو۔ اور ان سے کہو اور کہیں چلے جاؤ۔ اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو ایک برس کی سبقت دو۔ اور اس کے بعد جلاوطن کر دو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ کیا آج کل کوئی قوم اس درگزر اور غصہ و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟ ذمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطہوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذی بنی تھے جو مسلمانوں کے لئے رسد بہم پہنچاتے تھے۔ لشکر گاہ میں بیٹا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صرفہ سے لکڑی تیار کراتے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسائی کرتے تھے یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آکر کتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن انہی کہ ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے قوت ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ ”خدا کی قسم تم رومیوں کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو۔“

اخیر میں ہم کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یا خود مسلمانوں نے ذمیوں کے ساتھ بالانصافانہ سلوک کئے۔

## مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبیہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنار باندھیں۔ لمبی ٹوپیاں پہنیں۔ گھونٹوں پر کاٹھی نہ کیں۔ نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں۔ شراب اور سوار نہ چھیں۔ نا توں نہ بھائیں۔ صلیب نہ نکالیں۔ نہ تو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطبلان نہ دیئے پائیں۔ ان سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم

خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے۔ جلاوطن کر دیئے۔ بے شبہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے حامل ہیں اور ہم انکے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے کیونکہ ایک زمانہ دراز کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بہت پردے ڈال دیئے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے۔ لیکن اس سے فقط قوی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا۔ لباس کی بحث میں تحقیق طلب امر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کو جس لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی بلکہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تخییر کے تجویز کیا ہے جس شخص نے عجم کی تاریخ پر مبنی ہے۔ وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاہدہ جس کو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے اگرچہ راویوں نے اس کو بہت کچھ کم و بیش کر دیا ہے۔ تاہم جہاں ذمیوں کی طرف سے اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں فلاں لباس نہ پہنیں گے وہاں یہ الفاظ بھی ہیں۔ **وان قلزم زینا حیث ما کننا** (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۰۴) یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آئے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

زنار جس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان میں ہے اس کی نسبت ہمارے فقہاء نے اکثر غلطیاں کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ انگل برابر موٹا ایک قسم کا جیو ہوتا تھا اور اس سے ذمیوں کی تخییر مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے زنار کے معنی پٹنی کے ہیں۔ اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اس معنی میں مستعمل ہے۔ پٹنی کو عملی میں منطوقہ بھی کہتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے زنار اور منطوقہ مرادف الفاظ ہیں ان دونوں الفاظ کا حراف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے۔

کنز العمال میں پہنچتی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا **وتلزمواہم المناطق** یعنی الزنار اسی زنار کو کہستہج بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنار کے کہستہج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ بہر حال اہل عجم قدیم سے پٹنی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب



مروج الذہب میں لکھی ہے، ایک قطعی دلیل اس بات کی یہ لباس زمیوں کا قدیم لباس تھا۔ یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا۔ یہی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں۔ وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں جس کا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے اس درباری لباس میں چٹی بھی داخل تھی۔ اور یہ وہی زنار یا منطلقہ یا کستہج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مؤثر خین عرب نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تھلید تھی اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لباس کی نسبت تمام مؤثر خین نے تصریح کی ہے وہ اگر کوئی جدید لباس تھا۔ اور ان کی تحقیر کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اسکو اپنا اور اپنے درباریوں کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

### صلیب اور ناقوس کی بحث،

زمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے اور شراب پیتے، صلیب نکالنے ناقوس پھونکنے، خطباغ دینے سے روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں یہاں نہ اس راز کی پردہ دہری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدیوں کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری کئے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مؤثر خوں نے ان قیدیوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی۔

ولا یخرجوا من بلادهم الا بالصلوة (کتاب الخراج صفحہ ۸۶)

”یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں۔“

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربوا نوا السهم فی ایتہ ساعۃ شاورا من الیل او نهار الا فی اوقات الصلوة (کتاب الخراج صفحہ ۸۶) یعنی ذی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں، بجز نماز کے اوقات کے، سوار کی نسبت یہ الفاظ تھے ولا یخرجوا خنزیرا من منازلہم الا فی ایتہ المسلمین یعنی ذی سوار کو مسلمان کے احاطے میں نہ لے جائیں۔

ان تصریحات کے بعد کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا یا ناقوس بجانا عموماً منع نہ تھا۔ بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کہی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر یہی تھا کہ غلبہ عیسائیوں کی اولاد کا اصطلاح

دے دینا تھا اور یہ گویا

### اصطلاح نہ دے سکتا

اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرے پائے بے شبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام طور پر اس رسم کو روکنے کا کچھ حق نہ تھا۔ لیکن اس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کی اولاد کس مذہب پر پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ اس کو اصطلاح دے کر عیسائی بنالیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورت خاص کے لئے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اسکو اصطلاح نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں اور یہ حکم بالکل قرن انصاف ہے کیونکہ جب اس کا باپ مسلمان ہو گیا تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔

علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ علی ان لا یبصر واولیادہم من اسلام اباہم (طبری صفحہ ۲۲۲) یعنی بنو تغلب کو اختیار نہ ہوگا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے ہیں ان کو عیسائی بنائیں۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں۔ ان لا یبصر واولادہم اذا سلم اباہم (طبری صفحہ ۲۵) یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو سخت کیوں کیا۔ لیکن جواب یہ ہے یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا بلکہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے خود انہوں نے معاہدہ کے لئے یہ شرائط پیش کیں تھیں۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لئے عیسائیوں کو اگرچہ یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور سوار نہ لائیں۔ خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں تو مسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطلاح نہ دیں تو کیا کوئی شخص اس کو قصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مؤرخوں نے ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا۔ بلکہ تمدن میں بھی یہ



تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے۔ روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتیں تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عربی زبان سر تاپا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہاء چونکہ ان کے بہت کچھ اقتضات رکھتے تھے انہوں نے بے تکلف انہی روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فقہ کے مسائل تفریع کر لئے۔

### عیسائیوں کے جلا وطن کرنے کا معاملہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلا وطن کرنے کے معاملے میں حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا ان سے کہہ دیا گیا کہ جس وقت مناسب ہو گم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ان کی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ بالا خانہ سے دھکیل دیا۔ جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آیا مجبوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان کیں۔ اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الشوط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی یمن اور اس کے اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں۔ اور بہت گھڑے ہتھیار سیاہ کئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس ضرورت سے ان کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔ (کتاب الخراج صفحہ ۲۲)

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولٹیکل ضرورتوں کی وجہ سے جلا وطن کئے گئے۔ اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کسی قسم کی رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ مذکور کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک واقعہ کار شخص کو بھیجا کہ ان کی زمین اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے۔ چنانچہ متعین قیمت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے ان کو دلوادی۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی ان کی زمین کی قیمت دلوادی۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۹)

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا تو ان

کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں۔ ان کو امن کا یو پروانہ دیا اس میں یہ شرطیں لکھیں۔  
① عراق یا شام جہاں یہ لوگ جائیں وہاں کے افسران کی آبادی اور زراعت کے لئے ان کو زمین دیں۔

② جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے کر جائیں وہ ان کی مدد کریں ۲۳ مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدہ کو بالفاظہ نقل کیا ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۲۱)

ایک ایسی فوج جس کی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جاسکتی ہے۔ اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تینوں زبانوں (اردو، عربی، انگریزی) میں پھپ کر شائع ہو چکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضروری ہے۔

### جزیہ کی بحث

جزیہ کا موضوع اور مقصد، اگرچہ شروع مقام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا ہے کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ اولاً تو انہوں نے نو شیردان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں اور اس طریقہ سے گویا صاف بتا دیا۔ کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نو شیردانی محصول ہے اس کے علاوہ موقع بہ موقع عملی طور پر اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پر خطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصوں سے ہٹ آئیں۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے وہ جزیہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص و دمشق وغیرہ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہیں اٹھا سکتے تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی اور صاف کہہ دیا کہ اس وقت ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو باوجود ان کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف



کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سہ ماہی جہری میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ۔

يَسْتَعِينُوا مِنِ احْتِاجِ الْوَالِدِ مِنَ الْاَسَاوِرَةِ وَيُرْفَعُوا عَنْهُمْ الْجَزَاءُ  
(طبری صفحہ ۲۸۹)

”یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اس سے مدد لے لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔“

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تو اس سال کا جزیہ اس کے لئے معاف کر دیا گیا۔ ۲۲ ہجری میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا۔

وَمِنْ حُضْرٍ مِنْهُمْ فِي مَسْتَوْضِعٍ عَنْهُمْ جَزَاءُ تِلْكَ السَّنَةِ

”یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے۔ اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔“

اسی سال آرمینہ کے رئیس شہر راز سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے۔

وَعَلَى أَهْلِ أَرْمِينِيَةِ أَنْ يَتْرُكُوا الْكُلَّ عَارَةً وَيَنْفِذُوا الْكُلَّ أَمْرًا نَابِ الْأَوَّلِ بِنَبِ رَأْيِ  
الْوَالِي صَلَاحًا عَلَى أَنْ تَوْضِعَ الْجَزَاءُ۔ (طبری صفحہ ۲۹۵)

اسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی۔

أَنْ لَكُمْ الذِّمَّةُ وَعَلَيْنَا الْمَنَعَةُ عَلَى أَنْ عَلَيْكُمْ مِنَ الْجَزَاءِ فِي كُلِّ  
سَنَةٍ عَلَى لَدْر طَائِفَتِكُمْ وَمِنْ اسْتَعْنَاهُمْ مِنْكُمْ فَلَا جَزَاءَ لَنَا مَعُونَةٍ  
عَوَاضًا عَنْ جَزَائِهِمْ (ایضاً)

”یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر تم سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدلہ جزیہ معاف ہو جائے گا۔“

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال سے معاہدوں سے ”طرز عمل سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ جزیہ کا موضوع کیا تھا اور وہ کس غرض سے مقرر کیا تھا۔

جزیہ کا صرف فوجی مصارف پر محدود تھا۔ یعنی اس رقم سے صرف اہل فوج کے لئے خوراک لباس اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

جہاں جہاں جزیہ مقرر کیا اس کے ساتھ جنس اور غلہ بھی شامل کیا۔ مصر میں تی کس جزیہ کی تعداد اور اصل پانچ سو تھی۔ لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گیسوں، روغن، مہینوں، شہد، سرکہ لیا جاتا تھا۔ اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی۔ البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقد کر دی گئی اور جنس کے بجائے چار دینار لئے جانے لگے۔

(فتوح البند ان صفحہ ۲۸۵)

## غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا۔ اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی۔ عرب میں انہوں نے سرے سے اس کا استیصال کر دیا۔ اور اس میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ عثمان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے اس کے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ ان کا یہ قول ہے کہ لا یشترق عربی۔

## عرب کا غلام نہ ہو سکتا

یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور آئمہ فہم نے ان کے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا۔ امام احمد خمیل کا قول ہے لا اذهب الی قول عمر لیس علی عربی مملکۃ۔ یعنی میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے لیکن یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ یہ تھا۔ (سنن ابی داؤد)

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکتے۔ جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو اہل فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا ان کی غلامی میں دے دی جائے۔ ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بندی کی لیکن غلامی کے لئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا۔



اس لئے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا۔ جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح ہوئے ان کی وسعت کئی ہزار میل تھی جس میں کھنڈوں آدمی بستے تھے لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکہ جنگ میں شریک نہ تھے اور مصر میں جو بجائے خود مستقل مملکتیں ہیں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا یہاں تک کہ بے مصر کے بعض دیہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دیے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو جابجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا کہ ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔ چنانچہ مؤرخ مقریزی نے ان دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ ۱۔ شام کے شہروں میں بصری، نخل، طبرہ، دمشق، حمص، حما، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے درویشوں سے لڑے غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے جہاں امیران جنگ غلام بنائے گئے۔ فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ وغیرہ میں خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہو گا۔ صامغان، جندی، ساہور، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لا مسبوا یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناظر میں باوجود اس کے کہ فوج نے امیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو۔ اور خراج و جزیہ مقرر کر دو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا۔ یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جاسکتی جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی۔ یہ قاعدہ خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ چنانچہ مؤرخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جس کو مکاتب کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر رقم ادا کروں گا جب وہ ذمہ دین ادا کرتا ہے تو وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خود قرآن میں موجود ہے۔ لکاتوبہم ان علمتم لیہم خیرا لیکن فقہاء اس حکم کو ردی نہیں قرار دیتے۔ یعنی آقا کو اختیار ہے کہ معاہدے کو قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ردی قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب الزکات میں

ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام میرین نے مکاتبت کی درخواست کی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ میرین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاس حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو درے لگائے اور مذکور بالا آیت سند میں پیش کی۔ آخر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبوراً مانا پڑا۔

• کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزید مرو شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کعبہ میں آئیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا کہ خاندان شہابی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کر لیا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اس کی انکی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امین کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت کی۔ اس غلط قصد کی حقیقت یہ ہے کہ زحشری نے جس کو فن تارخ سے کچھ واسطہ نہیں ہے ربیع الاخر میں اس کو لکھا اور ابن خلکان کے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے اولاً تو زحشری کے سوا طبری ابن الاثیر، یعقوبی، باذری، ابن قتیبہ وغیرہ کسی میں واقعہ کو نہیں لکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یزید اور خاندان شہابی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں ہوا۔ مدائین کے معرکہ میں یزید مع تمام اہل و عیال کے دار السلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں پھرتا رہا۔ مویشی بھیج کر سنہ ۳۵ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اس کی آل و اولاد اگر گرفتار ہوئے ہونگے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زحشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزید گرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۳ برس تھی۔ کیونکہ جناب محمد صبح ہجرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے اور فارس سنہ ۳۵ ہجری میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نابالگی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت کم اس قرار پائی ہوگی اور حضرت علی



دکھائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال لوگ پیدا ہو گئے جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ جو آئمہ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے اور جن کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ کی اجازت دی تھی۔ نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے۔

علامہ ابن خلدون نے حضرت امام زین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں لوگ کینوں اور کینرز زانوؤں کو حقیر سمجھتے تھے لیکن جب قاسم (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور سالم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھے گئے تو خیالات بدل گئے اور بوہڑی غلاموں کی قدر بڑھ گئی۔ لیکن ہمارے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصل سبب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق عمل تھا بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدین کا نام اس سلسلے میں لینا بے ادبی خیال کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلے پر اثر کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصحاب اولاد کا وہ رتبہ قائم نہ کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہاتھ آتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ایجاد کیا تھا۔ اور نہ خود انخواستہ ان کو یہ حق تھا۔ غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود پیغمبر اسلام کا مقصد تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب المفرد میں غلاموں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں ان سے اس دعویٰ کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

## سیاست و تدبیر عدل و انصاف

### عام سلاطین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سیاست میں فرق

خلافت فاروقی بسط عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے اور کس قدر مختلف ملک مختلف مذاہب مختلف قومیں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ لیکن اس سرے سے اس

سرے تک ہر طرف امن و امان اور سکون و اطمینان چھایا ہوا ہے دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاودہ جلال گزرے ہیں جن کی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن ان کو یہ بات اس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جس کے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرائع احتمال پر رشتہ انصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے۔ ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے۔ واقعات کے ثبوت میں یقین کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے و حشیانہ سزائیں دی جائیں تباہیاں جلا کر برباد کر دی جائیں۔ یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے اب بھی یورپ کو باوجود اس تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔ عربوں والوں نے بار بار عہد شکنی کی تو ان کو جلا وطن کیا لیکن اس طرح کہ ان کی جائیداد مال و اسباب کی مفصل فہرست تیار کر کے ایک ایک چیز کی دو گنی قیمت ادا کر دی۔ نجران کے عیسائیوں نے خود بخاری اور سرکشی کی تیاریاں کیں۔ اور ہمسہ ہزار آدمی بہم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرایا۔ مگر اس رعایت کے ساتھ کہ ان کی جائیداد و غیرہ کی قیمت دے دی۔

اور عالموں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جدہ ہر ان کا لذر ہو ان کے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں اور جب یہ کہیں مستقل قیام کر لیں تو چوبیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

ان واقعات کو ہم انہی کے حقوق کے بیان میں درج کر رہے ہیں۔ اور یہی کتابوں کا مقصد ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشکلات

شاید تم کو یاد ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی رعایا ہاتھ آئی تھی جس میں زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا مادہ تھا۔ اور اس لئے ان کو جاہلانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا غیر قومیں جو حلقہ اطاعت میں آئی تھیں۔ پارسی یا عیسائی تھیں ہمدت تک شائبشای کے لقب سے مستاز رہی تھیں۔ اس لئے ان کو رعیت بنانا مشکل سے گوارہ ہو سکتا تھا۔ اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحب اوجہ و بزرگوں تھے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے مثلاً ایک مؤلفہ القلوب کا کردہ



تھا۔ جن کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی میں سے نہیں۔ عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اخراج کے معاملے میں تنگ پکڑا تو انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قدرت ہے! جاہلیت میں میرا باپ جب کنو اب کی قبائیل میں تھا تو خطاب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت بن رہا ہے بنو ہاشم ہمیشہ استیجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے نیکی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں علانیہ نقص خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازلیہ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ”زیر وجہ از بنو ہاشم در خانہ حضرت فاطمہ جمع شدہ در باب نقص خلافت مشورہ پدید آمدی ہونکہ“۔

(ازلیہ الخفاء، ج ۱، ص ۲۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سلطنت نے بنو ہاشم کے اوج کو اگرچہ دیکھا لیکن بالکل مٹ کر نہ رہی تھی اس کے علاوہ عرب کا فطری مذاق آزادی اور خود سری تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو متاثر حکومت کا رعب و داب قائم رکھے تو چنداں قابل تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے بارہا مجامع عام میں لوگ ان پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیوں کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے شام کے سفر میں جب انہوں نے مجمع عام میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برائت بیان کی تو ایک شخص نے وہیں اٹھ کر کہا۔

(اسد الغابہ تذکرہ احمد بن حنبل الخواری)

وَاللّٰهُ سَاعَدْتِ بِأَعْمَرَ! لَقَدْ نَزَعْتَ عَامِلًا اسْتَعْمَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ

وَحَدَّثَ سِيفًا سَلَّهَ رَسُولُ اللّٰهِ وَلَقَدْ قَطَعْتَ الرَّحِمَ وَحَدَّثْتَ ابْنَ

الْأَعْم-

”یعنی اے عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا۔ تو نے رسول اللہ

کے عامل کو موقوف کر دیا۔ تو نے رسول کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں

ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا تو نے اپنے چچیرے بھائی سے حسبہ کیا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب سن کر کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں

ان حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالد کو عین اس وقت جب تمام عراق و شام میں لوگ ان کا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاسکے امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے ان کو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بوجہ مارا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص کے سامنے ان کو اسی مغلوب کے ہاتھ سے کوڑے لگوائے اور باپ کے بیٹے دونوں عبرت کا تماشہ دیکھا کئے سعد و قاص کو فاتح ایران کی معمولی شکایت پر جواب دہی میں طلب کیا تو ان کو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا۔ کسی مدبر اور فرمانروا کے حالات میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی انکی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی آئین حکومت میں شاہ و گدا شریف و ذلیل عزیز و یرگاہ سب کا ایک رتبہ تھا۔

### حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کی خصوصیتیں

جلد بن الامام غسانی ”شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا۔ کعب کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جلد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اس نے بھی برابر جواب دیا۔ جلد غصے سے جہاب ہو گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی شکایت سن کر کہا ”تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی“ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ”ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش ہو تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا“ اس نے کہا کہ ”اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی خاطر سے قانون انصاف کو بدنام نہیں چاہا۔

ایک دفعہ ملک کے عہدیداروں کو حج کے زمانے میں طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے



ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر مصر اور بڑے بڑے رجبہ کے حکام اور عمال موجود تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سوزے مارے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اٹھ اور اپنا بدلہ لے عمرو بن العاص نے کہا امیر المؤمنین اس طریق عمل سے تمام عمال بے دخل ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”تاہم ایسا ضرور ہو گا“ یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ ”اپنا کام کر“ آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دوسو تار لے لے اور اپنا دعویٰ سے باز آئے۔

ایک دفعہ سرداران قریش ان کی ملاقات کو آئے۔ اتفاق سے صیب بلال عمار وغیرہ بھی موجود تھے۔ جن میں اکثر آزاد شدہ غلام تھے اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے ان کو یہ امر سخت ناگوار گذرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ ”کیا خدا کی قدرت ہے۔ غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں ابوسفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا ”بھائیو سچ یہ ہے کہ ہم کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہئے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے ہٹنے پر توجہ نہیں دیتے“ (کتاب التراج صفحہ ۶۶)

تلاش کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافرت کا موقع پیش آیا۔ سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز کے خدو گر تھے بڑے دعوے کے ساتھ غصہ کر رہے کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظ مراتب کا خیال کیا جائے گا۔ اور فہرست میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے تمام خیالات غلط کر دیئے۔ انہوں نے دولت و جاہ نور قوت ناموری و شہرت اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہ کم و بیش مقرر کیں۔ جو لوگ اول اسلام لائے تھے یا جہاد میں کارہائے نمایاں کئے تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے ان کو غیروں پر ترجیح دی جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے رکھتے تھے۔ ان کی تنخواہیں برابر مقرر کیں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا

میں کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے سے زیادہ مقرر کی تو انہوں نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخر اپنے اپنے قبیلہ کی بے پکارتی تھے اس فخر کو مٹانے کے لئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں ان کو سخت سزا دی جائے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو نب کے قبیلہ سے تھا لڑائی میں آیا تل نب کا نحو لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اس کی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔ (تاریخ البلدان صفحہ ۲۵۶)

### اصول مساوات

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو۔ عمال کو ہمیشہ تاکید و احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود اختیار نہ کریں۔

ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ پہلی نا انصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ ”یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بعید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھی تھی۔ سفر و حضر میں جلوت و خلوت میں مکان اور بازار میں کوئی شخص ان کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔ قیصر کسریٰ کے ایلچی مسجد نبوی میں آکر ڈھونڈتے تھے کہ شاہنشاہ اسلام کہاں ہیں۔ حالانکہ شاہنشاہ ہیں پوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ان کے عمال ان کو اسی برابر کے القاب سے خط لکھتے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی اوصالی شان کو صدمہ پہنچتا تھا۔ دل میں مکدر ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا۔ اس لئے عام ملک پر اس



کا نہایت عمدہ اثر ہوا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ روز بروز معترف ہوتے گئے اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلان عام کے مقابلے میں اپنی خود رانی کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔

اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائل عرب میں جو انہی پیوروہ مفاخر کی بناء پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جس کی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدان کارزار بن گیا تھا۔ ان کی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

### امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المومنین کا پُر فخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ زمانے تک یہ لقب کوئی فخری بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ اس سے صرف عمدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے کفار عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امیر کہہ کر تے تھے سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون فصل فی القتب بامیر المومنین)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا اس کی ابتدا ایوں ہوئی کہ ایک وفد لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں وہ کرامیر المومنین کا لفظ ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ عمرو بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کیفیت واقعہ بیان کی۔ اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اس کو شہرت عام ہو گئی۔ اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوٹاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جلاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انہوں نے خلافت اختیار کیوں کی؟ بے غرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوانِ نعمت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے شبہ خلافت سے ہاتھ اٹھاتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اس کو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارگراں ان کے سوا کسی سے اٹھ نہیں سکتا! کیا ایسے وقت میں

ان کی راست بازی کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ لوگوں کی ہدایت کے خیال سے خلافت سے دستبردار ہو جاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیے؟ انہوں نے اسی دن خطبہ میں کہہ دیا تھا کہ۔

لولا رجائی ان اکون خیرکم لکم و اقواکم علیکم و اشدکم  
اطلاعاً بما ینوب من مہم امرکم ما تولیت خلائکم منکم۔

”یعنی اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کار آمد سب سے زیادہ قوی اور صمات امور کے لئے سب سے زیادہ قوی بازو ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا۔“

اس سے زیادہ صاف و الفاظ ہیں جو امام محمد نے موطا میں روایت کئے ہیں۔

او علمت ان احب القوی علی هذا الامر منی لکان ان الدم

لیضرب عنقی اھون علی۔ (کتاب مذکور مطبوعہ مسندناکی صفحہ ۳۳)

”یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کے لئے مجھ سے

زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے بہ نسبت میرے نزدیک

زیادہ آسان تھا کہ میری گردن مار دی جائے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کا ایک حرف بھی صحت اور واقعیت سے ہٹا ہوا ہے؟

### سیاست

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ دیگر تمام صحابہ سے علانیہ ممتاز ہیں جو ممالک و املاک خلافت میں داخل تھے ان کی اصلی تین تقسیمیں تھیں۔ عرب، ایران، شام و مصر اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب الگ الگ تدبیریں اختیار کیں۔ عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مزنیان اور بنی حنظلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا زور اور اقتدار قائم تھا۔ اس لئے ان کی پولیٹیکل تنظیمات مقرر کر دیں۔ جس سے وہ بالکل رام ہو گئے چنانچہ رؤسائے عراق میں ابن ابی العقیل، جابر بن زبیر، رقیل، خالد، جمیل کے معقل روزینے مقرر کر دیئے۔ شام اور مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائیداد نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے ان کی طرف



سے چنداں اندیشہ نہ تھا۔ وہ مدنی حکومت کی بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ انہوں نے بارہا کہا کہ ہم کو مسلمان رومیوں کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ غیر قوموں کے ساتھ اگرچہ ان کا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا۔ چنانچہ اس کی بحث رومیوں کے حقوق میں گذر چکی۔ لیکن زیادہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔

مصر میں مقنن مصر کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا۔ اس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کئے کہ وہ ناخریدہ غلام بن گیا اور اس کی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہو گئی۔ ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرا دیئے اور فوجی چھوٹیاں قائم کر دیں جن کی وجہ سے سینکڑوں میل تک اثر پہنچا اور کسی بغاوت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا۔ خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔ شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں ان کو مختلف پولیٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبہ جات میں بدلتا نہ ہو۔ ملکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ زور پانا جانے کا خیال ہوتا تھا۔ اس کو علیحدہ کر دیتے تھے جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے ان کو اکثر دار الخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے ہماذ پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ ”آپ لوگ دولت بست جمع کر چکے ہیں پھر فرمایا لا تخرجوا لتسلوا یمناً و شمالاً“ (تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۷۸) ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے پوچھا کہ ”آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں۔“ فرمایا کہ اس کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے۔ (تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۷۸) اپنے قبیلے کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا پھر ایک مصلحت وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیئے اور اس میں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔

اس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیبہ بن شعبہ۔ چونکہ سمات ملکی کے انجام دینے کے لئے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیر کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ ان کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان کو دبا سکتا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوا کئے سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالیٹکس حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس باب میں تمام دنیا پر جو اقتیاد حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو کام کئے ان کا نام واقعی خدع، مکر، فریب، ظاہر واری اور خفا تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں بڑے بڑے رفتار مراعات شائبہ سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی کارروائی پر فریب اور حکمت عملی کا نقاب نہیں ہوتا تھا۔ وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے۔ اور لوگوں کو صاف صاف اس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیج دیا کہ۔

انی لم اعزل خالد عن سخطه ولا خیانتہ ولكن الناس لتواہد  
لخلفانہ ہو کلوا الیہ۔

”یعنی میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں نہیں موقوف کیا بلکہ اس وجہ سے کہ لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے اس لئے میں ڈرا کہ ان پر بھروسہ نہ کر لیں۔“

شنی کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے اور فرمایا۔

لم اعزل لہما عن ریتہ ولكن الناس عظموہما فخصمتان ہو کلوا  
الیہما۔ (طبری صفحہ ۲۵۸)

بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں حضرت عبداللہ بن عباس سے صاف اس کی وجہ بیان کر دی۔ چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور ان کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حکومت و انتظام کی کل میں نہایت موزوں پرزے استعمال کئے تھے۔







وكان عمر يكثر الخلوة بقوم من الفرس بفرون عليه سياسات  
الملوك ولا سيما ملوك العجم الفضلاء وسما النوشروان  
وانه كان معجبا بها كثير الاقتداء بها۔

”یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس کے چند قوموں کو صحبت خاص  
میں رکھتے تھے یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر  
سنایا کرتے تھے خصوصاً شاہان ہند اور ان میں بھی خاص کر نوشیروان  
کے اس لئے کہ ان کو نوشیروان کے آئین بہت پسند تھے اور وہ ان کی  
بست چھوڑ کر تھے۔“

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مؤرخوں نے لکھا  
ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے  
خاص درباریوں میں داخل کیا۔ اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

### واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا  
کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے۔ انہوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس  
اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا  
تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وكان عمر لا يخفى عليه شيء من عمله كتب اليه من العراق  
بمخرج من خرج ومن الشام بجائزة من اجيز ليها  
”یعنی عمر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی عراق میں جن لوگوں نے خروج  
کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب تحریری اطلاعیں  
ان کو پہنچیں۔“

عراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو معدی کرب کو دسرا حصہ نہیں دیا۔  
عمرو معدی کرب نے وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ تمہارا گھوڑا دو غلا ہے اس لئے اس کا حصہ کم  
ہو گیا۔ معدی کرب کو اپنی پہلوانی کا غور تھا۔ بولے کہ ہاں دو غلا ہی دو غلے کو پہچان بھی سکتا  
ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی عمرو معدی کرب کو سخت تنبیہ کی جس کی  
وجہ سے ان کو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی۔ نعمان بن عدی میدان کے حاکم تھے

دولت و نعمت کے مزے میں پڑ کر انہوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔  
لعل امير المؤمنين يسو له تنادينا بالجو سق المتهدم  
”غالباً امیر المؤمنین کو خبر پہنچے گی تو وہ برا مانیں گے کہ ہم لوگ محلوں  
میں زندانہ سبستیں رکھتے ہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو  
تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔ (اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی)

صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا۔ عہد  
نبوت میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر  
کہلاتے تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ منافقین کا جو گروہ  
ہے ان میں سے کوئی شخص میرے عمالوں اور عہدہ داروں میں بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں  
ایک شخص ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نام پوچھا لیکن انہوں نے رازداری کے لحاظ  
سے نام نہیں بتایا حذیفہ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس  
کو معزول کر دیا۔ جس سے میں نے قیاس کیا کہ انہوں نے خود پتہ لگا لیا۔ اسی شخص اور  
بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے علامہ  
طبری لکھتے ہیں۔

وكانوا لا يدعون شيئاً الا باتونه الا وامرؤ ليه۔ (طبری ص ۲۳۸۷)

”یعنی لوگ کوئی کام ان سے بغیر دریافت کئے نہیں کرتے تھے۔“

### بیت المال کا خیال

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطے سے  
باہر نہیں نکھتے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھاوا جمع تھا۔ اس کی نسبت فرمایا کہ۔

لقد همت ان لا ادع ليها صفراء ولا يضاء الا السبع۔

(صحیح بخاری باب سوا النكاح)

”یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے سب  
لوگوں کو تقسیم کر دوں۔“

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ

عنه) اسد الغابہ ذکر حفصہ بن الیمان۔



تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کو خبر ہوئی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المؤمنین! اس میں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے کیونکہ میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ! جان پور تیرا حق میرے خاص مال میں سے ہے لیکن یہ غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا وہ بیچاری خفیف ہو کر اٹھ گئیں۔ (مسند امام احمد رحمہ اللہ)

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دو ستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لے گیا تھا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کئے گئے۔ غرض وہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے گئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑ گئے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں گا اس کا روائی کا مطلب اجازت کے سوا یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عام پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعے سے بسر کرتے تھے خلافت کے مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضروریات بیان کیں۔ اور کہا کہ بیت المال سے میں کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہوں۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ ”صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس“۔ چنانچہ ان کے اور ان کی بیوی بچوں کے لئے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا۔ فوجی روزانہ داندوں میں جب بدر میں (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لئے تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سال ان کے بھی مقرر ہو گئے۔ کیونکہ روپے کی آمدنی میں فاروق اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اس کی یہ تعداد تھی۔

ان کی معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پر دھو گے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے

تھے زمین پر سو رہتے تھے۔ میٹوں گیسوں کا آٹا گھر میں نہیں پکاتا تھا۔ اس کی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا۔ بلکہ در حقیقت اس سے زیادہ ان کو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقاً کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب نکاح کیا تو ان کے شرف اور خاندان نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر دیا اور اسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیئے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اس لئے اس کے باوجود دولت مندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لے لیں گے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل بحث آگے آئے گی انہوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا جس کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہا۔ لیکن ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ اس لئے بلا کر ان سے کہا کہ اہی فلسفی بحث شش یعنی میرے دل پر تمہاری طرف سے زرا رکھا ہے۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

انی خضبت علیک ان قاتنی علی النبی الذی ہوات

”یعنی مجھے ڈر ہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔“

یہ صرف سوء ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عبداللہ کو عامل مقرر کیا تو انہوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی۔ اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال کے بارہ میں جو کفایت شعاری اور تنگ درزی برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شور شیں کیں اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق قیاسانہ برتاؤ کیا۔ یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوالقربیٰ کی بناء پر رتیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بے انتہا کام و رغبت رہتے تھے دار الخلافہ سے سینکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں بھیجی ہوئی تھیں۔ جن کی ایک ایک حرکت ان کے اشاروں پر موقوف تھی۔ انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو۔ فقہ کی ترتیب



اور افتاء جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا اپنے ذاتی اشتغال جدا تھے۔ تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا۔ اور کسی کام میں کبھی حرج نہیں ہوتا تھا۔ نماوند کا سخت معرکہ جس میں تمام امیران اسٹڈ آیا تھا پیش تھا کہ عین اسی زمانے میں سعد قاسم گورنر کوفہ کی شکایت گذری۔

### تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی۔ چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا۔ اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے مل کر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیئے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔ زیاد بن حدیر نو مکی تحصیل پر مامور تھے۔ انہوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا۔ اس نے کہا کہ گھوڑا آپ رکھ لیجئے۔ اور ۸ ہزار مجھ کو حوالہ کیجئے۔ دوبارہ عیسائی ان کی سرحد سے گزرا تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو۔ عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دے کر گھوڑے کو واپس لے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جاسکتا۔

ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں اس نے شکایت کی۔ فرمایا دوبارہ محصول نہیں لیا جاسکتا۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا۔ اور کہا کہ ”میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں جیسی (مسلمان) ہوں جس نے تمہارا کام انجام دیا عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔

اس بات کا بہت سخت اہتمام کیا کہ ممالک عجمیہ میں سے کوئی شخص قحطوفات میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ عام حکم تھا اور اس کی پیروی تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج

۱۔ یہ انہوں نے اپنی کتاب الفرائض ص ۷۷ میں ہے۔

از کار رفتہ اور مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کردی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز قوی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام کیا گیا تو حکم دیا کہ ایک جریب آٹا پکایا جائے۔ پک کر تیار ہوا تو ۳۰۰ آدمیوں کو بلا کر کھلایا گیا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکرایا۔ اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک مہینے بھر کی خوراک کے لئے دو جریب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر آٹا مقرر کر دیا جائے اعلان عام کے لئے مہر پر چڑھے اور یہاں ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اس قدر خوراک مقرر کردی ہے جو شخص اس کو کھائے گا اس سے خدا کبھے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہاں ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے

انی قدر ضمت لكل نفس مسلمة في شهر مدي حنطة ولسطي  
نحل۔

”یعنی میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا ہے۔“

### غریب اور مساکین کے روزینے

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی فرمایا ”ہاں غلام کے لئے بھی لائے“ غریب اور مساکین کے لئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا۔ کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جیسا ہم اوپر ذمیوں کے حقوق میں لکھ آئے ہیں۔ بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ **انما الصدقات للفقراء والمساكين** فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔

### مہمان خانے

اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔ جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی تباہی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ مدینہ منورہ جو نگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلاتے تھے۔



## لاوارث بچے

اولاد لفظ یعنی گناہ بچے جن کو ماکیں شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں ان کے لئے سن ۸۸ ہجری میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اس کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے۔ چنانچہ ان مصارف کے لئے اول سوورہم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بہ سال ترقی ہو جاتی تھی۔

## قیموں کی خبر گیری

قیموں کی پرورش اور گلن کی جائداد ہوتی تھی تو اس کی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعہ اسے ترقی دیتے رہتے تھے ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس قیموں کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جا رہا ہے۔ تم اس کو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو واپس کر دو۔ چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچ گئی۔

## قحط کا انتظام

۸۸ ہجری میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجب سرگرمی ظاہر کی۔ اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا۔ پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے، عمرو بن العاص نے بحر قلزم کی راہ سے تین ہزار اونٹ کئے جن میں ایک ایک میں تین تین ہزار ادب غلہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجائوں کے ملاحظہ کے لئے خود بندر گاہ تک گئے جس کا نام جار تھا اور مدینہ منورہ سے تین منزل ہے۔ بندر گاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا نقشہ بنائیں۔ چنانچہ بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار ہوا۔ ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی۔ جس کے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ چک پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سر مشیت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر روز ۵۰ ہزار اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کرواتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے اس موقع پر یہ بات خاص طور پر

سجہ یہ تفصیل یعقوبی سن ۷۷ میں ہے اخیر کے قریب یہ ہیں ثم امر زید بن ثابت ان یکتب العاص علی منازلہم وامران یکتبہا کائنات غواطیس ثم یختم اسفلھا فیکان الاصل منہ۔ دس قسم اسفل الصککا کہ ادب کم ویش ۲ من کا ہوتا ہے۔ ۱۔ ہزاری صحت منہ صحتی بلوہ سفلہ۔

جناوینے کے قاتل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا لیکن ان کی فیاضی ایشائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کاہلی اور مفت خوری کا دواج دنیا میں ہوتا ہے۔

## رفاہ عام کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نکتہ سنجی

ایشیا سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے جہاں ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے وہ ساری طرف قوم کا دودھ نہ گرا ہونا اور انعام و بخشش پر لو لگائے رہنا ثابت ہوتا ہے یہی ایشیائی فیاضیاں تھیں جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں آدمی ایسے پیدا کر دیئے ہیں جو خود ہاتھ پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور غزوہ نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بے خبر نہ تھے وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے۔ جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھیں وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی۔ یا جنہوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی یا وہ ضعیف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے۔ ان اقسام کے علاوہ وہ کبھی اور قسم کی فیاضی کو دوا نہیں کر سکتے تھے۔

محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک ساکل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگتا ہے مانگ علامہ مایوروی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ تختب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قاتل ہوں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ و تادیب کرے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل سے استدلال کیا ہے کہ **وَقَدْ فَعَلَ عُمَرُ مِثْلَ فَلَكٍ يَطْوِمُ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ**

(۱) احکام السلطانیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۲۵

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے اور جب لوگ کہتے کہ نہیں تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا۔ ان کا مقولہ تھا کہ **مَكْسِبُهُ لَهَا دِفْءَانَةٌ خَيْرٌ مِنْ مَسْأَلَةِ النَّاسِ** یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے



کچھ ان سے کہنا سنا ہوتا تھا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے۔ سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے۔ بیوی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے ان سے ہر قسم کی پرس و جو کرتے۔

### سفارت

ایک عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتے اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبرانہ انجام دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آتیں اور جس طرح انہوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں۔ اس کا حال عقد الفرید وغیرہ میں تفصیل ملتا ہے۔

### شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری

ان تمام باتوں پر ان کو تسلی نہ ہوئی تھی فرماتے کہ عمال رعایا کی پروا نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ اس بناء پر ارادہ کیا تھا کہ شام، بزمیرہ، کوفہ، بصرہ کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہریں۔ لیکن موت نے فرصت نہ دی۔ تاہم اخیر وفد جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں۔ اور واپسی کی۔ اس سفر میں ایک پر عبرت واقعہ پیش آیا۔ دار الخلافہ کو واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے ایک بڑھیا عورت نظر آئی۔ اس سے پوچھا عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اس کو غارت کرے، آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اتنی دور کا حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔

بولی کہ ”اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت رقت ہوئی۔ اور بے اختیار رو پڑے۔ ہم اس موقع پر متحدہ دکانیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبر گیری میں ان کو کس قدر

سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے۔ مفت خوری کا موقع تو زیادہ تر علماء و صوفیا کو ملتا ہے ان کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علماء کو انہوں نے علانیہ مخاطب کر کے کہا لا تکنونو عیالاً علی المسلمین یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو (سیرۃ النبی لابن الجوزی)

### جزئیات پر توجہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا۔ تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کے لئے ان کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر ہر شان خلافت کے خلاف تھا۔ لیکن ان کو کسی کام سے عار نہ تھا۔

روزینہ دایوں کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ قبریہ اور عثمان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے۔ روزینہ دایوں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ان کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب کے سب گھروں سے نکل آتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے اکثر ایسا ہوتا کہ دار الصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر ان کے دانت گننے اور ان کا حلیہ قلمبند کرتے۔

عجب طہری نے ابو حذیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں۔ وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالہ کرتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے تھے۔ اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائے گا تم جواب لکھو ارکھو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے گا۔ قلم اور دیوات خود مہیا کر دیتے اور جس گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چو کھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھروالے جو لکھواتے لکھتے جاتے۔

### رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل

ان کی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت ان تک پہنچنے سے نہ رو جائے۔ یہ معمول رکھا کہ ہر نماز کے بعد محرم مہرم میں بیٹھ جاتے اور جس کو جو



سرگرمی اور ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اتر اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ اور متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ ماں کو تکیہ کی کہ بچہ کو بسلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذر ہوا تو بچے کو روٹا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا کہ تو یہی بے رحم ماں ہے۔

اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو وق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک ماں کا دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہو گا! اسی دن سے منادی کرا دی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ اسلم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گشت کے لئے نکلے۔ مدینہ سے تین میل پر صرار کا ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے۔ اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے۔ ان کے بسلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت انھیں مدینہ میں آکر بیت المال سے آنا گوشت، گھی اور کھجوریں لیں۔ اور اسلم سے کہا کہ میری بیٹی پر رکھ دو، اسلم نے کہا کہ میں لئے چلتا ہوں، فرمایا ہاں! لیکن قیامت کے روز میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے غرض سب چیزیں خود اٹھا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا خدا تم کو جزائے خیر دے گا یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قائل تم ہونے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے کہ ایک بدوا اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جا کر بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعہ خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کون رو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ میری بیوی و روزہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پر آئے اور ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لے کر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا کہ امیر المومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے۔ امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا۔ اور مڑوٹ ہو بیٹھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نہیں کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آنا میں اس بچہ کی تحفہ مقرر کردوں گا۔

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو میرے مکان پر آئے میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی۔ مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ فرمایا کہ ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اتر رہا ہے لوگ تھکے ماندے ہوں گے اوہم تم چل کر پہرہ دیں۔ چنانچہ دونوں اصحاب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا ان کی عجیب حالت ہوئی، جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی غرض کوئی لذیذ نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ ”اے خدا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو میری شامت اٹھا لے جاؤ نہ کرنا“۔ اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فکر و ترو رہتا تھا اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اگر قحط رفع نہ ہوتا تو وہ اسی غم میں مبتلا ہو جائیں گے۔ قحط کا جو انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بدو ان کے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے۔

يا عمر الخير خير الجنّة كس بناتى وامهنا لسم بالليل تلعلنه

”اے عمر! اے اللہ کے بہترین بندوں میں سے تیرے بناتے ہیں میری لڑکیوں کو کپڑے پہنا۔

خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہو گا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اور میں تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہو گا؟ بدو نے کہا۔

تكون عن حالي لتسئلني والواقف المسؤل يسئلني اما اني ناروا اما الجنة

”تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہو گا۔ اور تو ہکا بکا رہ جائے

گا پھر وہ دونوں کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہو گا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر روئے کہ دائرہ می ترو گئی، پھر غلام سے کہا کہ

میرا یہ کرنا اس کو دے دے۔ اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔

(سيرة النعمان و انوار الجنّة)

۱۔ یہ تمام روایتیں کنز العمال جلد ۹ صفحہ ۳۲۳ میں مستند ذوالوں سے منقول ہیں۔



ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بالا خانے پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی۔

تطاول هذا الليل وازور جانبہ ولس الی جنبی خلیل الاحبہ

”رات کا لی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے پہلو میں یار نہیں۔

جس سے خوش فطری کروں۔“

اس عورت کا شوہر جلاوطن کیا تھا۔ اور وہ اس کے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت قلق ہوا اور کہا کہ میں نے زنان عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن سو کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ چار مہینے صبح ہوتے ہی ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعید بن بریدؓ ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے انہوں نے کہا کہ میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھ کو راستہ بتائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی مقرر کیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ (اسناد العالیہ از کرامہ بن بریدؓ)

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ایک شخص کو دیکھا بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے پاس جا کر کہا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی اس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہو گا۔ سر کون دھوتا ہو گا؟ کپڑے کون پہنتا ہو گا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا۔ اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

## امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب ”در حقیقت نبوت کا ایک شاخہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”توازن میان امت و جمعیہ متحدہ کہ جو ہر نفس ایثار قریب بگو ہر انبیاء مخلوق شدہ و اس جماعہ دار اصل فطرت خلفائے انبیاء اندر در امت۔ (ازالہ الخفاء جلد اول صفحہ ۶۰)

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں کیونکہ صلح عالم کا اعتقاد اس کی صفات کمال کا اعتراف سزاوار کا یقین، زہد و عبادت محاسن اخلاق کی چیزیں تمام مذاہب کے اصل الاصول اور احکام ہیں۔ اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں۔ لیکن ان کے مسائل میں اشباح اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نکتہ سنجی اور دقیقہ دہی سے کام نہ کیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کے لئے آیا اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی۔ لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہر زمانے میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لئے ائمہ اور مہدیین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے مثلاً اسلام نے شرک کو کس قدر زور و شور سے مٹایا۔ لیکن غور سے دیکھو تو قبول اور مزایوں کے ساتھ عوام کی ایک طرف خواص کا جو طرز عمل اس میں اب بھی کس قدر شرک کا جھلکا اثر موجود ہے۔ گو استفادہ عن القبور اور حصول برکت کے خوشنما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت و دلیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔ اس کی نظیر صحابہ کے زمانے میں بہت کم ملتی ہے۔

## مسئلہ قضا و قدر

النبیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے جس میں عموماً بڑے بڑے ائمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں۔ یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں سے بھی بعض کو اشباح و ہوا طاعون عموماً اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرخ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے قضائے الہی سے ہوتا ہے نہایت طیش میں آکر کہا کہ اللہ اوامرہ فذلک اللہ یعنی قضا الہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا۔ (یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے)

نعم نلزم من قضا اللہ الی قضا اللہ

”یعنی ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔“







رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علم سے بحث کی اور اس کے وجوہ ظاہر کئے۔ (حجتہ اللہ البالغہ صفحہ ۱۶)  
شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا ان میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ۳۳ برس کی تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت ۱۱ برس کا تھا۔ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کل ۸ برس کی تھیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گویا سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہوں گے لیکن اولیت کا منصب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو حاصل ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں خود ارشاد ہے لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة ان خفتم ان یقتلکم الذین کلوا لیکن جب راستے نامنوں ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے (صحیح مسلم احادیث لازمہ)

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت تین دونوں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے مکہ تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا (صحیح مسلم) اس کے بعد یہ فعل معمول بہ ہو گیا چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف کہا ما لنا وللرمل انما کنا راہناہ المشرکین وقد اہلکھم اللہ (صحیح بخاری باب الرمل) یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکوں کو رعب دانا مقصود تھا سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں لکھا ہے رمل کے ترک کا ارادہ بھی

کر لیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص تربیت یافتہ تھے ان سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں کہا لفظ سمجھتے ہیں۔

(از انوار الفقہ صفحہ ۱۵۵ حصہ دوم)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ یہ مصالح عقلی کے موافق ہیں اس سے پتا چلتا ہے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔

### اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا وہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جس قسم کے پر گزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی۔ اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا لا تم مکارم الاخلاق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے ان کا خلوص انقطاع الی اللہ لہذا لہذا دنیا سے اجتناب حفظ لسان حق پرستی راست گوئی یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کر جاتے تھے اور ہر شخص جو ان کی صحبت میں رہتا تھا کم و بیش اس قالب میں داخل جاتا تھا۔ مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائیں۔ مؤرخ مسعودی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اس جملے سے شروع کئے ہیں کہ ان میں جو اوصاف تھے وہ ان کے تمام افسروں اور عمدہ داندوں میں پھیل گئے تھے پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور ان کے اوصاف لکھے ہیں۔

### فخر و غرور کا استیصال

عرب میں جو اخلاق ذمیرہ جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر و غرور عام لوگوں



کی تحقیر، بھوک، بے گونی، عشق و ہوا پرستی، پادہ نوشی اور سے پرستی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غور کی علامت تھیں، بالکل مٹا دیں۔ لڑائیوں میں جو قبائل اپنے قبیلوں کی جے پکارتے تھے اس کو حکماً بند کر دیا۔ آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اٹھادی، ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ ان کی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا تو نہایت برافروختہ ہو کر کہا کہ ”خدا ان سے سمجھے، جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔“

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بڑے بڑے کھانے کھاتی تھیں ملے، جب وہ مجلس سے اٹھے تو ادب اور تعظیم کے لئے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلے آئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر آئے، یہ حالت دیکھ کر ابی کے ایک کو ڈال گایا، ان کو تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: اوما تروی لتنة للمتبوع منلة للتابع (اسد الغابہ ترجمہ زرکان) یعنی تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔

### ہجو کی ممانعت

ہجو بد گوئی کا ذریعہ شعرو شاعری تھا۔ شعراء باہجاء لوگوں کی ہجو لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا۔ اس لئے یہ ہجویں نہایت جلد مشہور ہو جاتی تھیں اور ان سے بینکڑوں، مناسد پیدا ہوتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا۔ اور اس کے لئے سزا مقرر کی۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ حبیب اس زمانے کا مشہور شاعر تھا۔ اور سودا کی طرح فن ہجو میں کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو طلب کر کے ایک تہ خانے میں قید کیا۔ اور اس شراب پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی ہجو نہیں لکھے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قریش نے جب تدبیروں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویں کہنی شروع کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کو ترکی ہجری جواب دینے کی اجازت دی تھی۔ یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دیا کہ وہ اب نہ پڑھے جائیں کیونکہ ان سے پرانی رنجش تازہ ہوتی ہیں۔ (آغاز تذکرہ حسان بن ثابت ۴)

### ہوا پرستی کی روک

عشق و ہوس پرستی کا بھی بڑا ذریعہ کی شعرو شاعری تھا۔ شعراء زیادہ تر زندانہ اور ادبائشانہ اشعار لکھتے تھے اور ان میں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے۔ اور اس کی وجہ سے زندگی و آبرو کی ان کے خیر میں داخل ہو جاتی تھی۔

### شاعری کی اصلاح

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں۔ چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے: تقدم عمر بن الخطاب الى الشعراء ان لا يتشيب احدہما رواة الاجلدة۔

### شراب خوری

شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا۔ یعنی پہلے ۴۰ سہرورے مارے جاتے تھے انہوں نے ۴۰ سہرورے کر دیئے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے لئے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے۔ تاہم لوگ عیش و عشرت چھوڑ کر اپنے پاس اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شام علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔

### آزادی اور حق گوئی قائم رکھنا

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن تھے۔ یہاں تک کہ عبدالملک نے قطعی حکم دے دیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولے پائے۔ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ذلت آزادی سے تعرض نہیں کیا۔ لیکن اس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جس کی بدولت حضرت عثمان



رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی نوبت پہنچی اور جناب امیر کو جمل و صفین کے معرکے جھیلنے پڑے برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت اعلیٰ درجہ کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جہوت میں ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تحریر و تقریر سے جنادیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور لوٹی سے اونٹی کوئی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمومین العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبیلے کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبیلے کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمومین العاص اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مذکم تعبدتم الناس ولقد ولدتھم امہاتھم احراراً۔

”یعنی تم لوگوں نے تو میوں کو غلام کب سے بنالیا۔ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جاتا تھا۔“

عرب میں جو لوگ معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور ان سے کم رتبہ کو لوگ ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے جعلی اللہ لواء کا بھائی وامی یعنی خدا مجھ کو آپ پر قربان کر دے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور ٹھکوری کی بو آتی تھی۔ مختلف موقعوں پر ان کی نسبت ناراضگی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان میں کہا تھا کہ جعلی لواء ک تو فرمایا کہ افاہینک اللہ یعنی اگر خدا ایسا کرے گا تو تجھ کو ذلیل کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جس قدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو گا۔

ایک دفعہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا۔ صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کر گے ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلواریں میان سے کھینچ کر بولا کہ ”تمہارا سراڑا دیں گے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آزمائے کو ڈانٹ کر کہا کہ ”کیا میری شان میں تو یہ الفاظ کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ہاں تمہاری شان میں“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اللہ اللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کچھ ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔“

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیوں کر لی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا شرعی حکم ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے۔ حذیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضروری نہیں۔ چنانچہ ابو جہز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیوں کیں۔ مؤرخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام عمالوں کلال و اسباب نیلام کر کے تو حامل بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابو بکر تھا صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہئے تھا۔ اور ہمارا تھا تو اس سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید اور ان کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفس، نیک خلق، حلم و تواضع، جرأت مندی و آزادی حق پرستی و بے نیازی کی تصویر بن گیا۔ تاریخ کے مرقع میں اس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حلیہ میں یہ خط و خال صاف نظر آتے ہیں۔

### اجتہاد کی حیثیت محدث و فقیہ ہونا اجتہاد کے منصب حدیث و فقہ

حدیث و فقہ کا فن در حقیقت تمام تر ان کا ساختہ و پرداخت ہے صحابہ میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ ان کی تعداد ۲۰۰ سے تجاوز بیان کی گئی ہے لیکن فن کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انہوں نے قائم کئے۔

### احادیث کا تفحص

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقرار کا راستہ نکلا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلمانوں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تحقیق کی تاکہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے



حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے۔ اور اس حساب سے فرض ہے۔ "تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں لامحالہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق احکام صادر فرمائے تھے زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لئے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کیا ہو بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا۔ لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علامیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبوں میں تحریری ہدایتوں میں فرائین میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کئے وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں گو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں ہاتھم آنکہ مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرماید تا اصل احادیث باں موقوف خلیفہ قوت یا بدایتک بغور سخن نمیرسد و در ہند آنکہ در متفق علیہ از حضرت صدیق صحیح شد مگر شش حدیث و از قاروق اعظم بہ صحت زید مگر قریب ہفتاد حدیث اس را نمی فہمند و نمی دانند کہ حضرت قاروق تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت داوہ اعلان نمود۔

### احادیث میں فرق مراتب

حدیث کے تفحص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ خود مستم ہا نشان کام تھے۔ لیکن اس باب میں ان کی قضیات کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتناء کس قسم کی حدیثیں ہیں؟

موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنانہ، غسل جنابت، جزیہ، یغوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

### حدیث کی اشاعت

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و منتشر کی جائے اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لئے اس کی نشرو اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

① احادیث نبوی کو بالفاظہ نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

② صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں چنانچہ قاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود، ربابہ بن یزید، فرستاد، عقیل بن یسار و عبد اللہ بن عقیل و عمران بن حصین، ربابہ بن یزید، عبادہ بن صامت و ابوہریرہ و اشام و معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام ہوو قد غن بلغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز کنند۔ (ازادۃ الخفاء صفحہ ۱۰۵)

### ایک دقیق نکتہ

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کی اشاعت میں بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث..... جو ان سے روایت صحیح موی ہیں ستر سے زیادہ نہیں، یہ خیال بظاہر صحیح ہے۔ لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہو گا کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔



کیونکہ گو رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کی شہادت کے لئے مجتہد مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادت یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتناء نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا ٹکڑ ہے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ ”یاستقراء تمام معلوم شد کہ قاریق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نظروں سے تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد از غیر اہل مصروفی ساخت لهذا احادیث شامل آنحضرت صلعم و احادیث سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد بدو وجہ یکے آنکہ اینها از علوم تکلیفیه و تشہیدیہ نیست از سنن زوائد بہ سنن ہدیٰ مشتبہ گرد۔“ (ازالہ افتاء ج ۲ ص ۱۰۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا دفتر اسی قسم کی حدیثوں کا ہے اس کی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو جانتے تھے کہ دعاء کے قبول و عدم قبول کا مدار غلو و تقصیر پر ہے نہ الفاظ پر۔ (ایضاً)

سب سے بڑا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن کے متعلق کیا وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

### روایت کی چھان بین

آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے گو صحیح نہ ہو اس کو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے اسی بناء پر یہودیوں کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک سے تمیز کو روک دیا۔ لیکن جب کسی راوی کی تعدیل ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر ان کو زیادہ پس و جو نہ تھا۔ اس کے ساتھ قرون اول کی نسبت انہوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو

سکتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کئے۔

ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے طور پر کہا کہ ”السلام علیکم ابو موسیٰ حاضر ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہو سکے کام سے فاسخ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے۔

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذان مانگو اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو۔ ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی۔ چنانچہ ابو سعید نے اگر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے حضرت ابی بن کعب نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور تصدیق کرتی ہے چاہی۔ فقہ کا ایک مختلف ذیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو عدت کے نہانے تک بائن و نفقہ ملنا چاہئے یا نہیں؟

قرآن مجید میں ہے کہ اسکنوہن من حیث سکتم جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہئے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے۔ فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائن دی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں کہ مجھ کو بائن نفقہ کا حق ہے یا نہیں ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ فاطمہ نے یہ روایت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ لا تترك كتاب الله يقول أسراة لاندري لعلها حفظت اونسيت یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں اس کو حدیث یاد رہی یا نہیں۔

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۱۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طریق سے صحیح مسلم باب الاحیاء میں مذکور ہے۔



سے مشہور کیا۔ مغیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کہ مجھ کو تمہاری طرف سے بدگمانی نہ تھی۔ لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔ (یہ دونوں روایتیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں مذکور ہیں)

### کثرت روایت سے روکنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ اس لئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی۔ اس کے متعلق انہوں نے جو بندشیں کیں آج کل لوگوں کو ان پر مشکل سے یقین آسکتا ہے اس لئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا۔ بلکہ بڑے بڑے محدثین نے جو لکھا ہے اس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کروں گا۔ علامہ ذہبی نے جن سے بہت کراہ کے بعد کوئی محدث نہیں گذرا اور جو حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ کے شیخ الشیخ ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

وقد كان عمر من وجله ان يخطي صاحب علي رسول الله ما بهم  
مرهم ان يلقوا الرواية عن بهم ولنا يتضاغل بالا حاديت عن  
حفظ القرآن عن قرظتين كعب قال لما سیرنا عمر الى العراق  
مشي معنا عمرو قال اتدرون لما شيعتكم قالوا نعم مكرمة  
لنا قال ومع فالك وانكم تاتون اهل قريستلهم دوى بالقرآن  
كدوى السحل لالا تصدروهم بالا حاديت فتشغلوهم جردوا  
القرآن والقلوا الرواية عن رسول الله وانا شريكم فلما قدم  
قرظية قالوا حدثنا فقال نهانا عمر عن ابى سلعة عن ابى هريرة  
قلت له كنت تحب اني زمان عمر هكذا قال لو كنت احب اني  
زمان عمر مثل ما احب انكم لفضرتي بمختلفة ان عمر حبس

ثلاثة ابن مسعود وابا الدرداء وابا مسعود الانصاري فقال قد  
اکثرتم الحاديت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ذرے کے صحابہ آنحضرت سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں قرند بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت پر جانے کو فرمایا کہ ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شد کی کھینوں کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجی رہتی ہے تو ان کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں پس جب قرند وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے انہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو منع کیا ہے ابو سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو درے سے مارتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو دودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبوس کیا اور کہا کہ تم نے آنحضرت سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں۔

مسند دارمی میں قرند بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے اس سے فرائض اور سنن مخصوص نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں میرے نزدیک آنحضرت



صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں۔ یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔ (ازالہ الخفاء صفحہ ۳۶۷ حصہ دوم)

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد خود انہی کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مؤرخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔

لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدیثکم بہ۔

”یعنی اگر مجھے ڈرنے ہوگا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کی بیشی ہو جائے گی تو میں حدیث بیان کرتا۔“

مؤرخ مذکور نے اس روایت کو سند متصل روایت کیا ہے۔ اور روایت یہ ہیں۔ محمد بن سعد، عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمائی، نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) موسیٰ بن طلحہ، ابو الجونجی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نسبت جو ذکر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیئے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مقامات علمی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ خاص تھے ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے کہ۔

یشد علی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التہاون فی ضبط اللفاظ۔  
(تذکرۃ الحفاظ تذکرۃ عبد اللہ بن مسعود)

”یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پرواہی نہ کریں۔“

محدثین نے بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی اگرچہ ان سے پہلے بھی اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکر تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو لٹہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت

کی ہو اور وہ درحقیقت لٹہ نہ ہو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط میں فرق تھا۔ اور صحابہ صرف راوی کے لٹہ اور عدم لٹہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت کبھی یا نہیں۔ حضرت عائشہ نے اسی بناء پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لٹہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں۔ لیکن وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے دلائل تھیں۔ ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن وہ اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا ہے کہ ”ہر چند جمع صحابہ عدول اندو روایت ہمہ مقبول، عمل بہو جب آنچہ بروایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم آتا در میان آنچہ از حدیث و فقہ در ذمہ فادوق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بود“ آنچہ بعد وے حدیث شدہ فرق مابین السموت والارض است۔“ (ازالہ الخفاء صفحہ ۳۶۱)

### صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کے متعلق احتیاط و تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاسکا۔ لیکن محققین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہ خیال بے اثر نہ رہا۔ عبد اللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرت ہے اور مسند داری وغیرہ میں چاہتا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب یا اس کی مثل ”ابودرداء اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے صحابی تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبد اللہ بن عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی۔ ثابت بن قلب الانصاری کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسینہ بھر میں دو تین حدیث روایت کرتے تھے سائب بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا، لیکن انہوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح داری میں سند متصل مقبول ہیں۔

(مسند داری مطبوعہ مطبعہ انصاری کاہرہ صفحہ ۳۵ تا ۳۸)



سند اور روایت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقدم اصول قائم کئے ان کو اجمالاً بیان کیا جاتا ہے۔

- ① روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔
- ② خیواعد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔
- ③ محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے لئے کافی نہیں۔
- ④ خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔
- ⑤ روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیت کا لحاظ شرط ہے۔

### علم فقہ

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساختہ و پرداخت ہے، اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے نسخ و منسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے۔ حذیفہ نے کہا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پلہ بھاری رہے گا۔ علامہ ابو اسحق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہاء کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے۔

ولولا خوف الاطالة لذكرت من تفهيمهم لغيره كل فاضل۔

یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں اس قدر لکھتا ہے کہ فضلائر ان رہ جاتے۔

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ

استیعاب قاضی بن عبد البر الوالد الخلفاء صفحہ ۳۴۱

آگے چل کر نکھیں گے لیکن یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات ہے۔ بلاد اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یثرب، کوفہ، شام، اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن اشی مقامات کے رہنے والے تھے مثلاً مکہ معظمہ کے شیخ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ مدینہ منورہ کے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کوفہ کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شام کے ابو یزاع و معاذ بن جبل، ان میں (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے، اور خاص کر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔

(استیعاب قاضی بن عبد البر الوالد الخلفاء صفحہ ۳۴۱ حصہ اول)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گویا اپنے دامن تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں۔ اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔“

محدث ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کان عمرو بحب ابن عباس وبقربه یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا۔ عبد اللہ بن عباس اس کا جواب دیتا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں، کوئی شخص اگر عبد اللہ بن عباس کے مجتہدات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہی تھے۔



زید بن ثابتؓ برسوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔ (فتح البصیٹ صفحہ ۳۷۵)

### صحابہ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے۔ ستۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم يتذاكرون الفقه بينهم علی ابن ابی طالب و ابی و ابو موسیٰ علیہ السلام و عمر و زید و ابن مسعود علیہ السلام یعنی اصحاب رسول اللہ میں چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ساتھ صحفوان ابن سلیم کا قول ہے۔ لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر و علی و معاذ ابی موسیٰ (تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابی موسیٰ اشعری) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف چار شخص فتویٰ دیتے تھے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام شعبی کا مقولہ ہے۔ کان العلم یؤخذ عن ستۃ من الصحابة (فتح البصیٹ صفحہ ۳۷۵) یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

اگرچہ یہ تحدید بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۴ یا ۶ مفتیوں کی تعداد خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں، ان مسائل کے لئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت حدیث میں کوئی حکم بصریح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعے سے حکم مستخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے۔ لیکن اور حدیثیں اس کی معارض ہیں۔

ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ وراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے اور مفتی کہلاتے تھے چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے۔ لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن کا اوپر ذکر گذرا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

واما غیر هؤلاء الاربعۃ لکانو یرون دلالة ولكن ما کان یعززون الرکن والشرط من الاداب والسنن ولم یکن لہم قول عند تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الا قلیلاً کابن عمر و عائشۃ وزید بن ثابت۔ (رحمۃ اللہ علیہم صفحہ ۷)

یعنی ان چاروں کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے۔ لیکن آداب و سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق نہیں کر سکتے تھے۔ اور جمالی حدیثیں متعارض ہوتیں تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ بجز بعض موقعوں کے دخل نہیں دیتے تھے مثلاً ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت۔

بہر حال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کے سوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم روایت کے لئے شام بھیجا تھا۔ لیکن ان کا سنہ ۸ ہجری میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے حدیث اوچنداں باقی نہ ماند۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۷۷ حصہ دوم)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر تحریر کے ذریعے سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے



مقلد تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں 'وزید بن ثابت نیز در اکثر قبیح اوست۔ ان واقعات سے معلوم ہو گا کہ صحابہ میں جن جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسائل قضیہ میں جس قدر فکر اور خوض کیا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آٹھ اسلام ہی سے فقہ کو مطمح نظر بنالیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں ان میں جب ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اور اصحاب کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ کلام کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ حق آگے اور فرمایا کہ سورہ نساء کی آخر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

### مشکل مسائل قلبند کرنا

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے۔ وثاقو قضا ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں محو و اثبات کیا کرتے پھر بھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا اس کا حال امام محمد نے مؤطا میں لکھا ہے (مؤطا امام محمد صفحہ ۳۲۱)۔ ترمذی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو مختلف رائے قائم کیں۔

### دقیق مسائل میں وثاقو قضا خوض کرتے رہنا

بعض مسائل کے متعلق ان کو مرتے دم تک کاوش رہی۔ اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے۔ مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی۔ لیکن مرنے کے قریب اس کو منگوا کر مٹا دیا۔ اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔ اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کے متعلق رائے قائم کی تھی۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو

قبول کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ کی رائے ہم قبول کر لیں تب بھی بہتر ہے۔ لیکن ابو بکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب الرائے تھے 'اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر قلبند فرما جاتے۔ کلام 'دادا کی میراث' و بط کی بعض اقسام مسائل قضیہ کے متعلق ان کو جو کدو کاوش رہتی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔

ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلام سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلام میں کون کون ورثہ میں داخل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند بار دریافت کیا 'اس پر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک یادداشت لکھ کر دی رسول اللہ سے دریافت کرنا پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت 'کلام' و ربط چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث علامہ الدین ابن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

### فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا

چونکہ ان کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ اس لئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے ان کے پاس جواب کے لئے آئے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتوؤں کے ساتھ فتویٰ پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں۔

### لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استفسار کرنا

مثلاً عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ 'عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ 'ابو موسیٰ



اصحاب بدر ہو کر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہو گا؟ غرض انواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فیصلے پر معاملہ اٹھا رکھا گیا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو نافذ جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازے کی تکبیر کی نسبت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اس میں چار تکبیر تھیں اسی طرح بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”وہم نہیں مجتہدین در روس مسائل فقہ تابع مذہب فاروقی اعظم اندوایں قریب ہزار مسئلہ تھیں“ (ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۸۴)۔ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں منقول ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انکی مدد سے فقہ فاروقی پر مشتمل رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفاء میں شامل کر دیا ہے۔

### اصول فقہ

یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے۔ انہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جوئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیئے۔ جس کو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیتہً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں۔ یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر مجتہد اللہ الباقی میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افعال و اقوال موی ہیں ان کی دو

اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جراح۔ مغیبہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ وغیرہ۔

### صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے ان کی رائے بھی فتوے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ تاہم احتیاط کے لئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصلہ نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب مجتہد اللہ الباقی میں لکھتے ہیں۔

كان من سيرة عمر بن الخطاب كان يشاور الصحابة ويأخذ منهم حتى تنكشف الغمة ويأتيه النجاء نصار غالب قضاهما وفتاواه متبعة في مشارق الارض ومغاربها۔

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آجاتا تھا اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی۔“

### مسائل اجماعیہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن مسائل کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا ان کی تعداد کچھ کم نہیں اور کتب احادیث و آثار میں ان کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً نہایتی نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (یعنی اس کی تصریح کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ مجاہدین اور انصار جمع کئے جائیں۔ چنانچہ مختلف مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخالف رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جب آپ لوگ



نہیں ہیں۔ ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی نسبت خدا کا شکر ہے کہ  
 مَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ یعنی پیغمبر تم کو جو دے وہ لو۔ اور  
 جس چیز سے روکے اس سے باز رہو، دوسری وہ جن کو منصب رسالت سے تعلق نہیں۔ چنانچہ  
 ان کے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوہ واذا امرتکم  
 بشئ من دانی فانا انابشر۔

”یعنی میں تو ہی ہوں اس لئے جب میں دین کی بات کچھ حکم کیوں تو  
 اس کو لو۔ اور جب اپنی رائے سے کچھ کموں تو میں ایک آدمی ہوں۔“

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طب  
 کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا، یا جو افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عادتاً صادر ہوئے۔  
 عبادۃ یا اتفاقاً واقع ہوئے، نہ قصداً یا جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزیعمات عرب  
 کے موافق اختیار کیں مثلاً ام زین کی حدیث اور خرافہ کی حدیث یا جو باتیں کسی جزئی  
 مصلحت کی موافق اختیار کیں۔ مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے بہت سے احکام یہ سب دوسری  
 قسم میں داخل ہیں۔ (رحمۃ اللہ الباقی ص ۳۳)

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس  
 سے کوئی صاحب نظر افکار نہیں کر سکتا اس تفریق مراتب کے موجد و راصل حضرت عمر رضی  
 اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کتب سیرت اور احادیث میں تم نے پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش  
 آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو  
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ  
 جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت  
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اب منافی کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔“

قیدیان بدر کے معاملے میں ان کی رائے بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز  
 سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض  
 کیا کہ اس طرح وہ کر کیوں صلح کی جائے، ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ  
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود  
 اس امر کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ

ماننا تو کونکر ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی  
 باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں اپنی رائوں پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ کے زمانے تک امہات اولاد یعنی وہ لوہڑیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے برابر خریدی  
 اور بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت صلی  
 اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی۔ حضرت  
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف شرحیں مقرر کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں  
 شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کوڑے مقرر  
 کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اگر  
 تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی  
 کر سکتے۔ اور خدا نخواستہ وہ کرنا چاہتے۔ تو صحابہ کا گروہ ایک لحظہ کے لئے بھی مسند خلافت پر  
 بیٹھنا ان کا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امتیاز مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد احکام میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے اس پر پھپھندی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود وحی الہی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہ کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب انواع، مطہرات، نماز بر جنازہ منافق، ان تمام  
 معاملات میں وحی جو آئی اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ  
 جن چیزوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ  
 تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا۔ کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین  
 وضع کئے جائیں۔ چنانچہ ان معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمانے اور حالات  
 کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت  
 موجود ہیں، برخلاف اسکے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں تک کہ ہے کہ ترتیب فوج تعین  
 شعار تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو تشریعی  
 قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔



## خبر آحاد کے قائل احتجاج ہونے کی بحث

اس بحث کے بعد دو سرا مرحلہ خبر آحاد (یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو) کی حیثیت احتجاج کا تھا۔ بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے۔ یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر آحاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعے سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خبر آحاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر اوزن ملاقات اسقاط جنین، خریداری عباس بن عبدالمطلب، تیمم جنابت کے مسئلوں میں انہوں نے عثمان بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مغیرہ بن شعبہ، ابی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قائل بحث نہیں قرار دیا جب تک اور تائیدی شواہد نہیں گزر رہے، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بناء پر خبر آحاد سے قرآن مجید کی تخصیص یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ حکم، قرآن مجید کی نص کی مخالف تھا۔ فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے واقعات میں اخبار آحاد کو قبول کیا لیکن امام صاحب نے یہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر آحاد قائل احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبر آحاد قائل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تھا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ روز مو کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں کہ جن کی نسبت ایک دو اشخاص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انہوں نے الفاظ روایت یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ قرار نہیں پاسکتا۔

۱۔ اصول حدیث کی رو سے جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ ہوں لیکن شہادت یا تواتر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر تواتر میں داخل ہے۔ لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے تک ایک کا وجود تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار آحاد سے استدلال کیا۔ لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار آحاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اخبار آحاد کے متعلق فقہاء و محدثین میں سخت اختلاف آراء ہے۔ اور بڑی بڑی طول بحثیں پیدا ہو گئیں ہیں۔ لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں جو نکتہ سختی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی ضروری ہے کہ اخبار آحاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اصول تھا اس کی بناء صرف تحقیق حق تھی اس نمانے کے آزاد خیال کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا۔ اور جس کو چاہا غلط کہ دیا۔

کارپا کاں راقیاس از خود گیر گرچہ مانند درو نو شین شیرو شیر

## قیاس

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام چیزیں مذکور نہیں ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان جوہیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے۔ اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں۔ اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے۔ لیکن قیاس کی بنیاد جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں، ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو کیا کر گے، انہوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دوں گا۔ اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوئی تو اجتہاد کروں گا۔

(یہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۳۳ میں مذکور ہے)

لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ ان کی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں۔ ابن خرم، واؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ مسند دارمی میں یہ سند مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو قرآن مجید کی



طرف رجوع کرتے قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے۔ حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور ان کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔ (مسند دارقطنی صفحہ ۳۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو قضاء کے متعلق جو تحریر بھیجی اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی۔ چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

الفهم الفهم لهما يختلج لي صدر ك معاليم يلفك لي الكتاب  
والستوا عرف الا مثال والا شفاء ثم قس الامور عند ذلك

(یہ روایت دار قطنی میں مذکور ہے۔ دیکھو ازوالہ القضاء صفحہ ۸۶)

”جو چیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو اس پر خود کرو اور خوب کرو۔ اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو۔“

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تعليق الحكم من الاصل الى الفرع لعلته معلومة

اس کے حکم کو فروع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیسوں، جوار و غیو کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو برابر دو برابر سے زیادہ لوگے تو سوہ ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں قیاس اس طرح جاری ہو گا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوچند خاص اشیاء کے نام لئے۔ لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہو گا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر جو نہ دے اور اس سے اسی قسم کا چوند سوا سیر لے لیا عمرہ قسم کا لے تو سوہ ہو جائے گا۔

اصول فقہ کے نزدیک قیاس کے لئے مقدمہ دو شرطیں ہیں۔

① جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو۔ یعنی اس کے بارے میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو۔

② مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ

تصریح موجود ہے۔

پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ معالیم يلفك لي الكتاب

دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ واعرف الا مثال والا شفاء ثم قس الامور  
ان صمات اصول کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں لیکن ان کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے۔

## استنباط احکام کے اصول

یہ امر مسلم ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک و غیوہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے کو نہیں، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو تفصیل لکھا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان ائمہ نے صراحتاً وہ اصول بیان کئے تھے امام شافعیؒ نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کئے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ و امام مالک و غیوہ سے ایک قاعدہ بھی صراحتاً منقول نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا استنباط خواہ تخواہ ان اصول کے بناء پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت

قائم نہ کرنا چاہئے کسی نے ان سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اتری تھی انہوں نے کہا کہ آیت کسی بارے میں اتری ہو لیکن حکم عام ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تقسیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ و غیوہ کے جو اصول مذکور ہیں وہ اسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کئے گئے ہیں اور ان بزرگوں سے صراحتاً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انہوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کئے۔ اسی بناء پر ہے، اکثر مسائل جو انہوں نے طے کئے صحابہ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد طے کئے، ان موقعوں پر انہوں نے جو تقریریں کیں ان کے استنباط



سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہیں اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اس لئے ان کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا۔ کہ دونوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے کس کو مانع ٹھہرایا جائے کس کو منسوخ کس کو عام ٹھہرایا جائے، کس کو خاص کس کو موقت مانا جائے، کس کو موبد اس طرح فصیح، تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہو گئے۔ عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی ان کی تقریر سے اکثر اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم کیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ۳۰ درہم تھی۔ فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری چیز چرائی۔ اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ (موطا امام مالک)

اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ سارق کو مال مسروقہ میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بھی اسی بناء پر چھوڑ دیا تھا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اترے، عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو روک دیا کہ ”نہ بتانا“ اس سے دو اصول ثابت ہوئے ایک یہ کہ اصل اشیاء میں لباہ ہے دوسرے یہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو شخص اور جستجو پر ہم مکتف نہیں ہیں۔ ایک دفعہ رمضان میں بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزہ کھول لیا تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متروک ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا الخطیب یسر وقد اجتهدنا یعنی معاملہ چنواں اہم نہیں ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے (موطا امام محمد سنہ ۱۷۳)

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں کوئی شخص چاہے تو ان سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا اور ائمہ مجتہدین نے ان کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن

بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں مثلاً ”تیمم“ جنابت ”متع“ ”تمتع“ حج“ علقات ٹکٹ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد سے دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل میں اور خصوصاً ان مسائل میں جو معرکہ الآراء رہے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے عموماً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد نہایت نکلتے سخی اور دقت نظر پر مبنی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

### خمس کا مسئلہ

ایک بڑا معرکہ الآراء مسئلہ خمس کا ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربى والیتمى والمسلکین وابن السبیل۔

”جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے ہے اور چھٹے نمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور غریبوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔“

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس کی یہی رائے تھی اور حضرت علی نے اگرچہ مصلحت بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا لیکن رائے ان کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہیں۔

(کتاب الخراج صفحہ ۱۷۱ و ۱۷۲ ابن اسحاق)

یہ صرف حضرت علی و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلے کے قائل تھے اور انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑے زور شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران وغیرہ کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ بھی فتویٰ القریٰ کے خمس کے قائل نہ تھے ان کی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا اسی



طرح آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ بھی جاتا رہا۔

اب ہم کو خود کے ساتھ دیکھنا چاہئے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل کیا تھا۔ قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصروف ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فردا فردا ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں وہاں بھی بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔

انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ

قلوبہم ولی الرقاب والغارمین ولی سبیل اللہ وابن السبیل۔

اس میں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں۔ فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے مؤلفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مجاہدین، مسافران میں سے جس کو زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائے گی۔ یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھ گروہ پیدا کئے جائیں۔ انھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائے گا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے۔ کون کم اور کون بالکل نہیں۔ یہ التزام بالیلم صرف امام شافعی نے اخراج کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائیں۔ اور انھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت کم بیش تقسیم کیا جائے اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے ہیں اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس ان لوگوں کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے پانچ برابر حصے کئے جائیں۔ اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

① ذوی القربیٰ میں سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نوفل و بن عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے۔ لیکن آپ نے ان کو یا جو مطلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے بتفصیل نقل کیا ہے۔ (زاد المعاد جلد دوم صفحہ ۱۱۹)

② بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے۔ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

ولکن لم یکن یقسمونہم علی السواء من الخیاء ہم و فقر اہم ولا کان یقسم السمت المراث بل کان یصرفہ لہم بحسب

المصلحت والحاجۃ لزوج منهم اخرجہم و یقضی منہ عن عار

مہم و یعطی منہ فقیرہم کفایت۔ (زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۱۱۹)

”لیکن دولت مندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے۔ نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے یعنی کنواری کی شادی کرتے تھے مقروضوں کا قرض ادا فرماتے تھے غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔“

ان واقعات سے اولاً یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ میں تقسیم نہیں ہے ورنہ بنو نوفل اور بنو عبدالمطلب کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے۔ دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت کیا ہے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا۔ وہ روایاتوں میں ان سے مخالف تھے ایک یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اس کے عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں انسانی نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن عباس کا قول نقل کیا ہے۔

عرض علینا عمر بن الخطاب ان نزوح من الخمس ائینا

ونقضی منہ عن مفر منا فا ائینا الا ان یسلّمہ لنا و ائینا ذلک

علینا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۱۹)

”عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم بجز اس کے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ دے دیا جائے عمر نے اس کو منظور نہ کیا۔“

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ



تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فدوی القزلی کا حق ساقط کر دیا۔ کلبی نہایت ضعیف الروایہ ہے۔ اس لئے اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فدوی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن وحدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے قرآن مجید سے یہ تعین و تجدید بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا فدوی القزلی کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقل کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو یعنی خنس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت کے قرابت داریوں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بناء پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے معاش کی تدبیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے اس وقت مال غنیمت فی انفال پس کی آمدنیاں تھیں۔ چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لئے خالص مقرر کر دیا جاتا ہے۔ فدوی القزلی کا حق اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتداء کے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام ہواشم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں بناء گزین ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور فدوی القزلی کے لئے جو کچھ مقرر تھا، واقعی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابت داریوں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا۔ اور گوان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنے ہی دولت مند اور غنی جائیں تاہم ان کو یہ رقم ہمیشہ ملتی رہے گی۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت یہ قاعدہ بنائے گا کہ اس کی تمام اولاد کے لئے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے۔ اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وعبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خنس کے مدعی تھے ان کا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لئے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے انہی کی نسبت ان کو ایسا دعویٰ ہو گا۔

### حق کا مسئلہ

ایک اور مہتمم بالشان مسئلہ فنی کا ہے یعنی وہ زمین یا جائیداد جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر معرکہ الآراء ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا خلط بحث اس میں اس وجہ سے ہوا کہ فنے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی انفل، غنیمت، سلب ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکے ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا۔ تمام لڑنے والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا سردار کو البتہ سب سے زیادہ جو تھا ملتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابتداء میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں، یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا۔ چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ کے عہد میں بھی قائم رہا۔ اس لئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اس کے پانے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر جھگڑا اٹھا جنگ پور میں جب فتح حاصل ہو چکی ہے۔ تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ تھے۔ اس لئے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يسئلونك عن الانفال قل الانفال للہ وللرسول۔

”تمہارے لوگ مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ وہ خدا

اور رسول کی ملک ہے۔“

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا حق ہے اور اگر



کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کئے گئے پھر یہ آیت اتری۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ لَّانَ لِلَّهِ خُمُسُهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ

”جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔“

اس آیت سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں، چار حصے مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں۔ اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں لیکن یہ تمام احکام فقہ و اسباب سے متعلق تھے۔ زمین اور جائیداد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ بنی نضیر میں جو ہر جہی میں واقع ہوا۔ سورہ ہشر کی یہ آیت اتری۔

مَا لِلَّهِ عَلَى رَسُولٍ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ أَلَمْ يَفْقَهُوا أَنَّمَا لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنَ النَّبِيِّ الْأَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَلَهُمْ أَهْلٌ فِي الْبِلَادِ

”یعنی جو زمین یا جائیداد ہاتھ آئے وہ خدا اور پیغمبر اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقراء و مجاہدین اور ان سب لوگوں کی ہے جو آنکھ دنیا میں آئیں۔“

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائے گی بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہے گی اور اس کے منافع سے تمام موجود اور آنکھ مسلمان متبع ہوں گے یہ ہے حقیقت نقل اور غنیمت اور بقی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور سب کو ایک سمجھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہئے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ

ان کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ عبدالرحمن بن عوفؓ، زبیر بن العوامؓ، بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ مانے اس پر (جیسا کہ ہم صیغہ محاصل میں لکھ آئے ہیں) دست بردار ہو اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ ”الَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ“ پڑھ کر فرمایا کہ

لَكَانَتْ هَذِهِ عَامَةً لِمَنْ جَاءَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَقَدْ صَارَ هَذَا النَّبِيُّ مِنْ خَوَالِدِ جَمِيعًا فَكَيْفَ يَنْفَسِدُ لَهُمْ لَا يَخُونُهُ مِنْ بَعْدِهِمْ

(کتاب الخراج صفحہ ۱۱۱) اس معرکہ کا ہر راجل کتاب الخراج کے صفحہ ۱۱۱ میں مذکور ہے۔

”تو یہ تمام آنکھ آنے والوں کے لئے ہے اور اس بناء پر یہ تمام لوگوں کا حق فخر ہے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کر دوں۔ اور لوگوں کو محروم کر دوں جو آنکھ پیدا ہوں گے۔“

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی تفتح ہوئے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے پہلے تمام رب پر قبضہ ہو چکا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیس چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟

### فدک کا مسئلہ

اسی سلسلے میں بلغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکہ الآراء رہا ہے ایک فرقہ کا خیال ہے کہ بلغ خالص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد تھی۔ کیونکہ اس پر چڑھائی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے۔

وَمَا لِلَّهِ عَلَى رَسُولٍ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ أَلَمْ يَفْقَهُوا أَنَّمَا لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنَ النَّبِيِّ الْأَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَلَهُمْ أَهْلٌ فِي الْبِلَادِ

”یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اس پر



اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص نصیری تو اس میں وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہو گا۔ اور آنحضرت کے ورثہ اس کے مستحق ہوں گے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طلب و تقاضا کے کل نبی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاست عدل کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں یہ مسئلہ اس قائل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرہ میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی یا امام یا بادشاہ کے قبضے میں جو مال یا جائیداد ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام زندہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے یا عاتکیر قرآن لکھ کر سر کرتا تھا۔ یہ آمدنی ان کی ذاتی آمدنی تھی۔ اور اس پر ہر طرح کا ان کو اختیار تھا۔ دوسری مملوکہ حکومت مثلاً داؤد علیہ السلام کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی جو شخص پیغمبری یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ آجکل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے۔ مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد ان کے ممالک مقبوضہ یا ان کی جاگیر خالصہ ان کے بیٹے بھائی ماں بہن وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی بلکہ جو تخت نشین ہو گا اس پر قابض ہو گا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرد میں یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں اس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ ان کی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسین و عباس و محمد بن حنفیہ و زینب کو جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وارث تھے اس کا کچھ حصہ اس کے پوتے سے ملتا۔ بلکہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب

سے حاصل ہوتی ہے وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کی فتح سے پھرے تو مجید بن مسعود انصاری کو فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا فدک یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کا سردار یوشع بن نون ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں تو مٹی زمین دینی منظور کی۔ اس وقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائیداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بناء پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعے فتح نہیں ہوا۔ بلکہ اس آیت کے مصداق ہے **فَمَا أُوجِفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خِيَلٍ وَلَا رِكَابٍ** لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعے سے قبضے میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا ان کو کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا خیال نہیں کیا تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مفتوحہ زمینیں علامہ وقف عام رہیں، لیکن فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس پر لوگوں کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فدک کو بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی مصارف کے لئے خاص کر لیا تھا۔ لیکن کیونکر؟ اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں۔

**فَكَانَ نِصْفُ فِدْكَ خَالِصًا لِرَسُولِ اللَّهِ وَكَانَ بَصْرُكَ مَالًا تَبَدُّ**

**مِنْهَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ السَّبِيلِ۔** (فتوح البلدان، بخاری صفحہ ۴۹)

یعنی تو حاکم فدک خاص رسول اللہ کا تھا آنحضرت اس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے

**إِنَّ فِدْكَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَتَّقِي مِنْهَا**



وَبِأَنَّهُ كَلَّ وَبَعْدَ عَلِيٍّ فَتَرَ آدَمِي هَاشِمٍ وَبِزَوْجِ ابْنِهِمْ -

(شرح البلدان صفحہ ۳۱)

یعنی فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقرائے نبی ہاشم کو دیتے تھے۔ اور ان کی بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔

بخاری وغیرہ میں یہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کا اپنا خرچ اس میں سے لیتے تھے۔ باقی عام مسلمان کے مصالح میں دیتے تھے۔ ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا مملوکہ نبوت ہونا ایسا ہی تھا جیسا کہ سلاطین کے لئے کوئی جائیداد خالصہ کر دی جاتی ہے اس بناء پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے زائل نہیں ہوتی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان اصولوں سے واقف تھے؟ اور اسی بناء پر انہوں نے فدک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ نکات بعد الوقوع ہیں؟ عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيَّ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ الْبُخْ عَنِ اسْتِئْذَانِ كَرِّ صَافٍ كَمَا دِيَا تَحَاكَ مَقَامَاتٍ مَقْتُوْدَةٍ كَسِي خَاصٍ فَخْصٍ كِي مَلِكٍ نَحِيْ بِسْ بَلْكَ عَامٍ هِيْ چنانچہ فے کے ذکر میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ آیت یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے آیت یہ ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيَّ رَسُولِهِ مِنْهُمْ لِمَا أَوْجَبْتُمْ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ

وَلَكُمْ اللَّهُ سُلْطَانٌ عَلَيْهِ مِنْ شَاءَ

اور جو ان لوگوں سے (یعنی یہودی نصیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ اَلْكَانَتْ خَالِصَةً لِّرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب

المغازی اور باب الميراث میں تفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی بناء پر فدک وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اس قسم کا خالصہ ذاتی ملکیت نہیں ہوتا جس طرح سلاطین کے مصارف کے لئے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے۔ تمنا ہی اس سے مستمع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بناء پر فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی وغیرہ میں مذکور ہے۔

لَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ يَنْفَقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً سَنَتَهُمْ مِنْ هَذِهِ الْعَالِ ثُمَّ يَأْخُذُ

بِالْبَقِيَّةِ فَيَجْعَلُهَا لِرَسُولِ اللَّهِ فَعَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ بِفَلَكَ حَيَاتِهِ ثُمَّ

تَوَلَّى اللَّهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ

اللَّهِ فَيَقْبِضُهَا أَبُو بَكْرٍ فَعَمِلَ لَهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ ثُمَّ تَوَلَّى اللَّهُ

أَبَا بَكْرٍ لَكُنْتَ أَنَا وَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ فَيَقْبِضُهَا سَنَتَيْنِ مِنْ أَمَارَتِي أَعْمَلُ

لَهَا مَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِمَا عَمِلَ لَهَا

أَبُو بَكْرٍ -

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے

تھے باقی کو خدا کے مال کے طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اسی پر عمل فرمایا پھر وفات پائی تو ابو بکر نے

کہا کہ میں ان کا جانشین ہوں۔ پس اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح

کاروائی کی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے پھر

انہوں نے وفات پائی تو میں ابو بکر کا جانشین ہوا پس میں نے اس پر دو

برس قبضہ رکھا اور وہی کاروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

ابو بکر کرتے تھے۔“

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرت کی ذاتی جائیداد نہیں سمجھتے تھے (جس میں وراثت جاری ہو) اور اس وجہ سے اس کے قبضہ کا مستحق صرف اس کو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا



جانشین ہو۔ چنانچہ حضرت ابو بکر اور خود اپنے قبضہ کی یہی وجہ بتائی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تقریر اس وقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے پاس فدک کے وعید دار ہو کر آئے تھے اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک فدک وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے۔ چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے: **لَهُنَّ عِمَارَةُ الْقُرْبَىٰ كُلَّهَا** یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا زوچہ تیس ہوتا ہی تمام غلط فہمی کا منشا تھا چنانچہ حافظ بن النعمان نے زاد المعاد میں نہایت لطیف حیرانہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

**فَهُوَ مِلْكٌ بِخِلَافِ حُكْمٍ غَيْرِهِ مِنْ الْمَالِكِينَ وَهَذَا النَّوعُ مِنَ الْأَمْوَالِ**

**هُوَ الْقِسْمُ الَّذِي وَقَعَ بَعْدَهُ فِيهِ مِنَ النَّزَاعِ مَا وَقَعَ إِلَى الْيَوْمِ**

**وَلَوْلَا اشْتِكَالُ أَمْرِهِ عَلَيْهِمْ لِمَا طَلِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى**

**اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيرَاثَهَا مِنْ تَرَكَةِ وَثَلَّتْ أَمْرَهُ بِوَرِثَةِ عَمِّهَا كَانِ**

**مَالِكًا لَهَا كَسَائِرِ الْمَالِكِينَ وَخَفِيَ عَلَيْهَا رِضَى اللَّهِ عَنْهَا حَقِيقَةً**

**الْمَلِكُ لَيْسَ مِمَّا يُوْرَثُ عَنْهُ (زاد المعاد صفحہ ۲۳۳ جلد دوم)**

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو ابتداء سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں۔ اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو ا شجاء ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف قرآن وحدیث کا صحیح نکل رہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت ونظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

## ذاتی حالات اور اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے۔ ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت تقریر شاعری نسابی سپہ گری بہادری آزادی مقدم چیزیں تھیں اور ریاست و افسری میں ان ہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدرت نے ان سب میں سے کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خدا داد تھا اور عکاظ کے معرکوں نے اس کو اور زیادہ جلا دے دی تھی۔ یہی قابلیت تھی جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے ان کے معمولی جملوں میں آرمیری کا اثر اور برنجل فقرے جو ان کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی روح چپائی جاتی تھی۔ عمروں معدی کرب کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن وقوش کے آدمی تھے اس لئے متحیر ہو کر کہا ”اللہ اس کا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے۔“ مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وباء کے واقعہ میں ابو عبیدہ نے ان پر اعتراض کیا آپ قضائے الہی سے بھاگتے ہیں تو کس قدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ ”ہاں قضائے الہی کی طرف بھاگتا ہوں۔“

## قوت تقریر

مختلف وقتوں میں جو خطبے انہوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے ان کے زور تقریر بر جستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

## خطبے

سند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔



اللهم انی غلیظ للینی اللهم انی ضعیف فقونی الا وان العرب  
جمل انف ولذا عطیت خطابه الا وانی حاسد علی المعجزة  
”اے خدا! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر۔ میں کنور ہوں مجھ کو قوت  
دے (قوم سے خطاب کر کے) ہاں! عرب والے سرکش اونٹ ہیں  
جن کی ہمارے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر  
چھوڑ دوں گا۔“

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب انہوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لئے لوگوں کو  
جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ وہاں سے بلا لئے گئے تھے اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زور تقریر کا یہ  
اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی ایک مشہور ہمارے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر تمام مجمع میں آگ لگ  
گئی۔ و مشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم اور ہر ملت کے آدمی جمع تھے عیسائیوں کا لارڈ ہشپ  
تک شریک تھا۔ اس کے ساتھ مختلف مذاہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے۔ اور مختلف  
مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی۔ غیر قوموں کو اسلام  
کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے۔ فوج کے سامنے خالد رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کی معزولی کا عذر کرنا تھا۔ ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک ان کی  
تقریر کے جتنے فقرے لوگوں کی زبان پر رہے فقہاء نے اس سے فقہی مسائل استنباط  
کئے اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں۔ تصوف و اخلاق کے مضامین  
لکھنے والوں نے اپنا کام کیا۔

۳۳ ہجری میں جب حج کیا اور یہ ان کا اخیر حج تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ  
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرجائیں گے تو میں طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر دوں گا۔  
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام منائیں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس  
واقعہ کی خبر ہوئی تو برا فروخت ہو کر فرمایا کہ آج رات میں اسی مضمون پر خطبہ دوں گا۔  
حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ امیر المؤمنین حج کے  
مجمع میں ہر قسم کے برے بھلے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے یہ تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح  
پیرایہ نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کر سکیں گے۔ منہ چل کر خواص کے مجمع میں تقریر کیجئے گا۔ وہ  
لوگ ہر بات کا پہلو دیکھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے تسلیم کی آخر فرمود

میں مدینہ آئے جمعہ کے دن لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آکر جمع ہوئے۔  
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ مشتاق تھے اس لئے منبر کے قریب جا کر  
بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی تقریر کریں گے کہ  
کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انہوں نے پہلے  
نہیں کہی؟ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا۔ یہ پورا واقعہ اور  
پورا خطبہ صحیح بخاری میں لفظ کو رہا۔ اس میں سیف بن ساعدہ کے واقعہ ’انصار کے خیالات‘  
حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب ’بیعت کی کیفیت‘ خلافت کی حقیقت کو اس خوبی  
اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر کرنا ممکن نہ تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہن نشین ہو  
جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ ہو ا وہی ہونا چاہئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔

جن مجموعوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں ان میں ان کے خطبہ کا ترجمہ بھی  
ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا مترجم ساتھ کے ساتھ اس کا  
ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔

اگرچہ اکثر بر محل اور بر حصہ خطبہ دیتے تھے لیکن معرکے کے جو خطبے ہوتے تھے ان  
میں تیار ہو کر جاتے تھے سیف بن ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہو  
کر گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر  
چڑھے تو دھتارک گئے اور زبان نے یاری نہ دی اس وقت یہ عذر کیا گیا کہ ”ابو بکر و عمر رضی  
اللہ تعالیٰ عنہم خطبہ کے لئے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔“

### نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن ان کا خود بیان ہے کہ ”نکاح  
کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا۔“ عبداللہ بن الحنفیہ جو دولت عباسیہ کا مشہور ارب اور فاضل  
تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معذوری کی وجہ پوچھی اس نے کہا  
کہ نکاح کا خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے خطیب کی کوئی ممتاز  
حالت نہیں ہوتی بخلاف اس کے عام خطبوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو عام آدمی اس  
کو محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے خود بخود اس کی تقریر میں بلندی اور زور آ جاتا ہے۔



لیکن ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح میں موضوع غن تک اور محدود ہوتا ہے اور ہر باروی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

### پولٹیکل خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و موعظت، فتوح اور عطاء قدرتی واقعات کا بیان رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ کلی پر بیچ معاملات خطبے میں ادا نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پولٹیکل خطبے دیئے اس کے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

### خطبے کے لئے جو باتیں درکار ہیں

خطبے کے لئے ملکہ تقریر کے علاوہ اور عارضی باتیں جو درکار ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سب موجود تھیں آواز بلند اور پر رعب تھی، قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر کھڑے ہیں۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں۔ ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

انی لا اجد هذا المال يصلح الا تحلال قلت ان يؤخذ بالحق ويعطى بالحق ويمنع من الباطل وليست ادع احدا يظلم احدا حتى اضع خذ على الارض واضع قلبي على خذ الاخر حتى يذ عن للحق يا ايها الناس ان الله عظيم حقه فوق حق خلقه فقال ايما عظيم من حقه ولا يا مكرم ان تتخفوا الملائكة والنبيين اربابا ألا واني لم ابعثكم امراء ولا جبارين ولكن بعثكم ائمة الهدى يهتدى بكم ولا تغفلوا الا يواب دونهم فيا كل قلوبهم ضعيفهم (كتاب المزاج ص ۷۷)

ایک اور خطبے کے چند جملے یہ ہیں۔

فانتم مستغفلون في الارض فاهرون لا هلهاب قد نصر الله دينكم فلا تصبح امة مخالفة لدينكم الا امتان امة مستبعدة لاسلام واهل بيوتكم عليهم المؤنة ولكم المنفعة وامة ينتظرون وقائع الشؤ وسطواتي كل يوم و ليلة قد سلا الله قلوبهم

وعبا۔ قد دمتهم جنود الله ونزلت بسا جتهم مع رفاة العيش واستقامة المال وتنازع اليعوث وسد الثغور۔ الخ (ازادۃ القراءۃ ماخذ از طبری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ کا خاتمہ ہمیشہ ان فقروں پر ہوتا تھا۔

اللهم لا تدعني في عمرة ولا تاخذني على غرة ولا تجعلني مع الغفلين۔

(مجمع التقریر خطبات ص ۷۷)

### قوت تحریر

قوت تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی ان کو کمال تھا۔ ان کے فراہم خطوط دستور العمل تو قیامت ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں جو جس مضمون پر ہے اس باب میں بے نظیر ہے چنانچہ ہم بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری کے نام

اما بعد فان للناس نفرة عن سلطانهم فاعوذ بالله ان تدركني واياك عبياء مجهولة وضغائن مجهولة واهواء متبعة كن من مال الله على حذر وخوف الفساق واجعلهم يناديأ ورجلا رجلا واذا كانت بين القوم ثائرة يا فلان فانما تلك نجوى الشيطان فاضربهم بالسيف حتى يفيوا الي امر الله ويكون دعوتهم الي الاسلام

ایک اور تحریر ابو موسیٰ کے نام

اما بعد فان القوة في العمل ان لا تؤخروا عمل اليوم لغد فانكم اذا فعلتم ذلك تداركت عليكم الاعمال فلم تدروا ايها تاخذون فاضعتم۔

عمو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انہوں نے خراج کے بیجے میں دیر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاکید لکھی، عمو بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریریں مقرری نے تاریخ مصر میں بیحد نقل کی ہیں ان کے لکھنے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نور قلم کا اندازہ ہوتا ہے بعض فقرے ایسے ہیں۔

وقد علمت انه لم يمنعك من فلك الا ان عما لك عمال السوء اتخذوك كهفا وعندي باذن الله دواء ليه شفاء اني عجبت من كثرة كسبي اليك في ابطانك بالخراج وكنا بك الي بشيات الطرق عما اسلك فيه فلا تجزع ابا عبد الله ان يؤخذ منك الحق وتعطاء فان النهر يخرج الدر۔



## مذاق شاعری

شعرو شاعری کی نسبت اگرچہ ان کی شہرت عام طور پر کم ہے اس میں شبہ نہیں کہ شعر بہت کم کہتے تھے۔ لیکن شعر شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا۔ عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں۔ اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا۔ علامہ ابن رشیق التبریزی کتاب المعجم میں جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

وكان من اهل زمانه للشعر واتقاهم ليسعرفت

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔

جاء في كتاب البيان والتبيين في كتابه

كان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر۔ (كتاب البيان والتبيين مطبوع مصر)

یعنی عمر بن خطاب اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن مقبل کے خاندان کی جھوکی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی شکایت کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے حکم قرار دیا اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شعر فہم نہ تھے۔ اس لئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے تو ساتھ یہ بھی لکھا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی تھی وہ بد زبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ ورنہ شعر کے دقاتی ان سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔

(دیکھو کتاب البیان والتبيين لما ذكره في كتاب المعجم باب تعرض الشعراء)

## حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اشعار الشعراء کہتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کیا تھا۔ امراء القیس، زہیر، ناہضہ ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور اس کو اشعار الشعراء کہتے تھے اہل عرب اور

علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی۔ جریر بھی اسی کا قائل تھا۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ اشعار الشعراء کے اشعار پڑھو۔ عبداللہ بن عباس نے کہا وہ کون؟ فرمایا! زہیر انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

زہیر کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ریمارک۔

لانه لا يتبع حشوى الكلام ولا يعاقل من المنطق ولا يقول

الامام عرف ولا يمتدح الرجل الا بما يكون فيه۔

”وہ (زہیر) ناماتوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور اسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس میں ہوتے ہیں۔“

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اذا ابتوت قيس بن هيلان غابة

من المعبد من سبق اليها بسود

ولو كان حمد يخلد الناس لم تمت

ولكن حمد الناس ليس يخلد

ناقدین فن نے زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اس کی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔

زہیر کا ممدوح ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا۔ اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ پایا۔ اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو، اس نے



ارشاد کی تعمیل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا اس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لیکن تم نے جو دیا وہ فنا ہو گیا۔ اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے۔ زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیئے تھے کیا ہوئے اس نے کہا بوسیدہ ہو گئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کئے تھے زمانہ اس کو بوسیدہ نہ کر سکا۔

### تابعہ کی تعریف

زہیر کے بعد تابعہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بہتر کون سا شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ سے زیادہ کون جانتا ہے فرمایا کہ یہ شعر کس کا ہے؟

الاسلمان اذا قال الالباء  
لم فی البریۃ فاحذرھا عن الفتۃ  
لوگوں نے کہا کہ تابعہ کا! پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

اتبتک عاریا خلفا ثیابی  
علی خوف تظن فی الظنونا  
لوگوں نے کہا کہ تابعہ کا۔ پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

حلفت فلم اترکک فکریۃ  
ولیس وراء اللہ المرمیۃ  
لوگوں نے کہا کہ تابعہ کے فرمایا کہ یہ شخص اشعر العرب ہے (انانی تذکرۃ ابجد ۴)

### امراء القیس کی نسبت ان کی رائے

بایں ہمہ وہ امراء القیس کی استادی اور ایجاز مضامین کے منکر نہ تھے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

ساقطهم خسف لهم عن الشعر والنثر عن معان عور اصح  
بصر۔

”وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا۔ اسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا۔“

آخر فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراء القیس یعنی تھا اور اہل یمن فصاحت و بلاغت میں

کم درجہ پرمانے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ (کتاب اللہ باب الشاہیر من الشعراء)

### شعر کا ذوق

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے بار بار مزے لے لے کر پڑھتے تھے ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے یہ شعر آیا۔

وان الحق منقطع ثلاث یمن او نفا او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محفوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے ایک اور دفعہ عبیدہ ابن الہلب کلامیہ کا قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر پھر ک اٹھے اور دوسرا۔

والمرء ساع لا مریس یلوکد والعیش شیخ واشفاق وتامیل

مصرع بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابو قیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرا کئے (یہ تمام روایتیں جامع نے کتاب البیان و القیس ص ۷۷ میں نقل کی ہیں)

### حفظ اشعار

اگرچہ ان کو مسلمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں شعریات تھے۔ علمائے عرب کا بیان ہے کہ ان کے حفظ کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصلہ کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے تھے۔

جس قسم کے وہ اشعار پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خود داری، آزادی، شرافت، نفس، حیات، عبرت کے مضامین ہوتے تھے اسی بناء پر امراء القیس اور عمال اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

مر من قبلک بتعلم الشعر فانہ بدل علی معالی الاخلاق

وصواب الراۃ ومعرفۃ الانساب

”لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور

صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔“



تمام اصناف میں جو حکم بھیجا تھا اس کے یہ الفاظ تھے۔

علموا اولادکم العموم والفروسہ ورووہم ماسار من المثل

وحسن من الشعر (ازالہ افتاء صفحہ ۳۷۸)

”اپنی اولاد کو تیرنا اور شمشواری سکھاؤ اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔“

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاعری کے ہمت سے عیوب مٹا دیئے اس وقت تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام علامیہ اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رسم کو مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی اسی طرح بھوکوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حیطہ کو جو مشہور بھوکو تھا اس جرم میں قید کیا۔

### لطیفہ

ہو العبدان ایک نہایت معزز قبیلہ تھا ایک شاعر نے ان کی بھوکھی انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ اشعار کیا ہیں؟ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اذا اللہ عادی اهل لوم ورقہ لصادی بنی العجلان رھطین متیل  
”خدا اگر کہینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو بھوکو نہیں بلکہ بدعا ہے کہ خدا اس کو قبول نہ کرے انہوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

لیسہم لا یغفرون بذمۃ ولا یظلمون الناس حب تغرول  
”یہ قبیلہ کسی سے بد عہدی نہیں کرتا اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا۔ حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کنواری کی علامت بھی جاتی تھیں۔

ولا یردون الماء الا عینہ اذا صدقوا الذعن کل منھل

”یہ لوگ چٹھے یا کنوئیں پر صرف رات کے وقت جاتے ہیں۔ جب اور لوگ واپس آچکے ہیں۔“

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بے کس اور کنواری لوگ ایسا کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ بھوکو سے پچھتاؤ اچھی بات ہے انہوں نے آخر یہ شعر پڑھا۔

وما سمي العجلان الا لقولهم هذا القصب احلب ايها العبد واعجل

”اس کا نام عجلان اس لئے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے کہ اے اور غلام یہاں لے اور جلدی سے بھاگ۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ سید القوم خادمہم۔

### علم الانساب

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خانہ زاد علم تھا۔ یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا ان کے باپ خطاب مشہور نساب تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے خطاب کے باپ فضیل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ واقعات کو ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔

لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔

### عبرانی زبان سے واقفیت

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی نسخہ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے اس لئے یہودی پڑھ کر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ۔

كان اهل الكتاب يقرءون التوراة بالعبرانية ويفسرونها

بالعربية لاهل الاسلام۔

”یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں



کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

مسند داری میں روایت ہے کہ "ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تورات کا ایک نسخہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متحیر ہوتا جاتا تھا (مسند داری مطبوعہ کانپور صفحہ ۳۰۱)۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ تورات کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن تورات کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر شریک ہوتے تھے ان کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔

(کنز العمال، روایت ثانی وغیرہ جلد اول صفحہ ۱۳۳۳)  
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیمی اور فکری سطح نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے اسی قدر ان کے یہودیہ افسانوں اور قصوں سے نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نہایت سختی سے ان کو پڑھنے سے روکا۔

### ذہانت و طباعی

ان کی ذہانت و طباعی کا صحیح اندزہ اگرچہ ان کے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر علی کلمات میں اوپر گذر چکا ہے۔ لیکن ان کی معمولی بات بھی ذہانت و طباعی سے خالی نہیں۔ چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب انہوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برسوں بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دوبار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب و داب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو واپس بلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس آیت کا مصداق

بنائے۔ (آرغ طبری واقعہ عزل عمار بن یاسر)

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ۔

"ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کنوڑ ہیں احسان کریں اور ان کو امام اور زمین کا وارث بنائیں۔"

ایک دفعہ ایک شخص کو دینا مانگتے تھے کہ "خدا یا! مجھ کو فتنوں سے بچانا۔" فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تم کو کل اولاد دے (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۵) (قرآن مجید میں خدا نے آل و اولاد کو فتنہ کہا ہے)

انما أموالکم واولادکم فتنۃ۔

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر ہے یا نہیں؟ اس کی عرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں؟ خدا خود فرماتا ہے۔

هو الذی یسیرکم فی البر والبحر۔

"وہ (خدا) وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے۔"

### حکیمانہ مقولے

اتنے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں اور خصوصاً مجمع الاسامیٰ میں الی کے خاتمہ میں کثرت سے نقل کئے ہیں نمونے کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

من کتم سرہ کان الخیار فی یدہ۔

"جو شخص راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔"

انقوا من تبغض قلوبکم اعقل الناس اعذرهم للناس۔

"جس سے تم کو نفرت ہو اس ڈرتے رہو سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افسانوں کی اچھی تاویل کر سکتا ہو۔"

لا تؤخر عمل یومک الی غدک۔

"آج کا کام کل پر اٹھانہ رکھو۔"

ابتدواہم الا ان یخرج اعناقہا۔



”روپے سرو نچا کے بغیر نہیں رہتے۔“

مالدہ روشنی فاقیل۔ ”جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی۔“

من لم يعرف الشر يقع فيه۔

”جو شخص برائی سے بالکل واقف نہیں وہ برائی میں مبتلا ہو گا۔“

ما سألني رجل الا تبين لي في عقله۔

جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے۔“

### واعظ سے خطاب کر کے

لا يهلك الناس عن نفسك اقلل من الدنيا تعش حراتك الخطيئة اسهل من معالجة التوبة۔

”لوگوں کی فکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ دنیا تھوڑی سی لو تو آزادانہ بسر کرو گے توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑنا زیادہ آسان ہے۔“

لی علی کل خانن اسینان الماء والطين۔

”ہر دیانت پر میرے دو داروئے متعین ہیں آب و گل۔“

لو ان الصبر والشكر بعيران ما باليت علی ابهما رکت۔

”اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اس کی نہ پرواہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔“

رحم الله امرأتهی الی عیوبی۔

”خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تھے میں بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)۔“

### صائب الراے ہونا

راے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عمر کسی معاملہ میں کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے تو بیشک پیش آتا تھا۔ جو ان کا گمان ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری باب اسکا گمان)

اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی۔ کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام میں گھس گھس۔ اور آج تک قائم ہیں۔

### اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے قائم ہوا

نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے تری کی رائے دی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزون نہیں ہو سکتا تھا۔

### اسیران بدر

اسیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو رائے دی وہی اسی کے موافق آئی۔

### ازواج مطہرات کا پردہ

آنحضرت کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر بارہا خیال ہوا۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا انتظار فرماتے تھے چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔

### منافقوں پر نماز جنازہ

عبد اللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا۔ جب مرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلق نبوی کی بناء پر کچھ جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شدت سے منع کیا کہ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اتری ولا تصل علی احد منہم یہ تمام واقعات صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدان مرتب ہوا۔ ورنہ حضرت ابو بکر اور زید بن ثابت (کاتب وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز سے



مخالفت کی تھی۔

تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں صحابہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف ہوا یا تشکک بعض موقعوں کی عموماً عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائیں صائب نکلیں، ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق لے لے گئے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشمیری سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت دونوں صاحبوں نے اموات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخالفت کی۔ ان تمام واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں۔

### قابلیت خلافت کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کون اس بارگراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر ایک سے متعلق خاص خاص رائیں دیں اور وہ سب صحیح نکلیں۔

### نکتہ سنجی اور غور رسی

وہ ہر کام میں غور و فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے ان کا قول تھا کہ۔

لا يعجبكم من الرجال طعنة

”یعنی کسی کی شہرت کا توازن نہ کرو جو کے میں نہ آو“۔

اکثر کہا کرتے تھے۔

لا تنظروا إلى صلوة امرأ ولا صاب ولا صابولكن انظروا إلى عقله وصدق

”یعنی آدمی کی نماز، روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھو“۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے کسی کی تعریف کی، فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اس نے کہا نہیں، پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا کہ تو تمہارے کہتے ہو جو جانتے نہ نہیں۔ احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی تھی کہ اکثر محدثین جس کو زائد و پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبدالکریم بن ابی الخاریق جو ایک ضعیف الروایہ شخص تھا اس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا۔

عرونی بکثرة جلوسه في المسجد - (بخاری ص ۳۸)

”یعنی اس بات نے مجھ کو دھوکہ دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا۔“

### مذہبی زندگی

دن کو مهمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی۔ اس لئے عبادت کا وقت رات کو مقرر تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نکلیں پڑھتے تھے جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے۔ **وامرأه لک بالصلوة** (موطا امام مالک) فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۰ سورتیں پڑھتے تھے عبداللہ بن عامر کلیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورہ یوسف اور حج پڑھی تھی۔ یونس کف، ہود کا پڑھنا بھی ان سے سنی ہے۔

### نماز

نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اس کو تمام رات عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام آڑتا اور وقت کا تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اس کو انجام دیتے ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور شخص درست ہو چکی تھیں ایک شخص صف سے نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو تو جب نماز پڑھو۔ بعض اوقات جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوجیں تیار کرتا ہوں۔

۱۔ یہ قول ازلیہ ائمہ جہاد دوم صفحہ ۷۷ میں نقل کیا ہے۔

۲۔ ازالہ الغلاء بموالہ مصنف بن ابی شیبہ صفحہ ۷۰۔



ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے نماز میں بحرین کے جزیرہ کا حساب کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے کہ آیت **لله عذاب هذا البیت** آئی تو کعبہ کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ نماز میں اس قدر اشارہ کرنا جائز ہے بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے۔ منوطاً امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اس وقت پہنچے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین قطبہ کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت ہے؟ انہوں نے کہا میں بازار سے آرہا تھا کہ اذان سنی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

### روزہ

ابو بکر بن شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے۔ لیکن انہی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم اللہ ہر ہے تو اس کے مارنے کے لئے دورہ اٹھایا۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۴۳) حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰ! تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہرگز موجود رہے۔ ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر برابر پر پھوٹ جائیں، نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب۔ ابو موسیٰ نے کہا نہیں یہ تو اس پر ہرگز راضی نہیں ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ امید ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ پھوٹ جائیں“۔ مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

ظلم لنفسی عورانی مسلم      اصلی الصلوۃ کلھا واصوم

بے تعصبی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد متعصب نہ تھے

۱۔ ازالۃ الخفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۴۴

ہمارے علماء عیسائیوں کا برتن وغیرہ استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت امام بخاریؒ اور امام شافعیؒ نے روایت کی ہے۔ **توضاً من ماء جہنم عند نصرانیۃ**۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۸۸ جلد دوم)۔ بخاری کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے۔ **توضاً من ماء علی جو نصرانیۃ**۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۳۸)۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عیسائی عورت کے گھرے کے پانی سے وضو کیا۔ بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پیڑ پتاتے ہیں اس کو کھاؤ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۳۸)۔ عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آج مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گذر ہو تو عیسائی اس کو تین دن مہمان رکھیں، آج غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے چنانچہ ان کی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ (عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے) کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ شاہ صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں ”وازاں جملہ آنکہ با حسان اہل ذمہ تاکید فرمود“۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۴۰ جلد دوم)

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے افسوس کو عیسائیوں کے بلازم رکھنے سے بھی منع کرتے تھے افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کیا ہے۔ لیکن جس شخص نے محب طبری کتاب (ریاض النضرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ ان روایتوں کا کیا پایہ ہے ان بزرگوں کو بھی یہ خبر نہیں کہ عراق، مصر، شام کا دفتر مال گذاری جس قدر تھا سریانی و قبطی وغیرہ میں تھا۔ اور اس وجہ سے دفتر مال گذاری کے تمام عمال مجوسی یا عیسائی تھے ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو فن فرائض کی ترتیب اور درستی کے لئے ایک یوی عیسائی کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بصریح لکھا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ابن المنابر ومی یقیم لنا حساب فرائضنا

”ہمارے پاس ایک یوی کو بھیج دو جو فرائض کے حساب کو درست کرے۔“



آج غیر مذہب کا کوئی شخص کہ معتقد نہیں جاسکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کی جاتی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں غیر مذہب والے بے تکلف کہ معتقد جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے چنانچہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں (کتاب الخراج صفحہ ۷۸-۷۹)۔ آج کل یورپ والے جو اسلام پر تنقید دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ اسلام کی تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے۔

### علمی صحبتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی ایک دن صحابہ بدر (وہ صحابہ جو بدر میں رسول اللہ کے شریک تھے) مجلس میں جمع تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ کی طرف خطاب کر کے کہا اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحِ سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجالائیں۔ بعض بالکل چپ رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا انہوں نے کہا "اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے" یعنی اے محمد! جب فتح نصرت آپ کی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے اس لئے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ بے شک خدا بڑا قبول کرنے والا ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو تم نے کہا یہ میرا خیال ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۶۵۱)

ایک اور دن صحابہ کا مجمع تھا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے معنی پوچھے اَلْهُدَىٰ اِلٰى دَارِ اَلْحَيٰوةِ اَلْمَوْجِبِ اَلْحَقِّ اَلَّذِي لَا يَكُوْنُ لَكَ جَنَّةٌ لَّوْكَوْنُ لَكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُ مَا كُنْتَ تَعْلَمُ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لا حاصل جواب پر غصہ آیا۔ اور کہا کہ نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہئے کہ نہیں معلوم ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے چونکہ جواب ناقص

تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبد اللہ بن عباس اس سے زیادہ نہ بتا سکتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بھالائے اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے۔

ایک دفعہ مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ناخوا ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا دینی چاہی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ کے سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے پھر یہ آیت لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جنات علیہا طحونا یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھایا یا ان پر الزام نہیں۔" استدلال میں پیش کر کے کہا کہ "میں بدر" خندق" حدیبیہ اور دیگر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں اس لئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ یہ معافی پچھلے زمانہ کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی ان کے اور اعمال اگر صالح ہیں تو ان پر کچھ الزام نہیں اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے۔

(ازادۃ القراءۃ بحوالہ روایت حاکم صفحہ ۴۳۳)

لَا يَهْدِي اللَّهُ اُمَّةً اَتَمَّتْ اَلْاٰمَنَاتِ اَلْمَسْرُورِ وَالْاَنصَابِ وَالْاَزْلَامِ وَجِشْ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاَجْتَنِبُوْهُ۔

### ارباب صحبت

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور اس میں وہ نو عمر اور معتمدوں کی تیز نہیں کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۲۸۶) آدمی نے زہری سے روایت کی ہے کہ کان مجلس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ازادۃ القراءۃ صفحہ ۲۸۶)

وَكَانَ الْقُرَآءَةُ اَصْحَابُ مَجَالِسٍ عَمْرٍو مَشَاوِرُهُ كَهَوْلًا كَانُوا اَوْ شَبَابًا۔

"یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل مجلس اور اہل مشورت علماء تھے خواہ بزرگے ہوں یا جوان۔"



فقہ کا بہت بڑا حصہ جو منقح ہوا اور فقہ عمری کہلاتا ہے انہی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان ابی ابن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبدالرحمن بن عوف، حزن بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر ان سے قریب والے۔ **وعلى هذا** لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑی دی جاتی اور یہ امر خاص ان لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے۔ چنانچہ ابی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم دیا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں۔ یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہے۔ ابی عبداللہ بن عباس اس وقت بالکل نوجوان تھے ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خصوصیت کی وجہ بتائی۔ اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبداللہ بن مسعود کی بھی قدر کرتے تھے۔ اہل بھری میں جب ان کو کوفہ کا مفتی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ ”میں ان کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ ان کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں“ بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعود نے حل کیا تو ان کی شان میں فرمایا۔

کلیف علمی علماً۔

”یعنی ایک طرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔“

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی ان کا ہمسرہ نہ تھا۔ تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خود بزرگ کے ساتھ پیش آتے تھے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی ابن کعب کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے ابی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا۔ زید بن ثابت کہ اکثر اپنی غیر حاضری میں اپنا جائنشین مقرر کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور ان کو عطا کرتے تھے۔ (سیر السیرین

فہرست کتب و رسائل - تاریخ اسلام - ج ۱ - ص ۱۰۰ - ابی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لابن الجوزی) اسی طرح ابو عبیدہ، سلمان فارسی، عیسٰی بن مسعود، ابو موسیٰ اشعری، سالم، ابو ہریرہ، عمران بن حصین وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بناء پر مقرر کئے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ ابو ہریرہ غفاری جنگ بدر میں شریک نہ تھے لیکن ان کا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا۔ اس بناء پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

## اہل کمال کی قدردانی

ان کی قدردانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عیسٰی بن وہب الکملی کا وظیفہ ۲۰۰۰ دینار سالانہ اس بناء پر مقرر کیا کہ وہ پر خطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ (فتح البلدان صفحہ ۳۵۹)۔ خارجہ بن حذافہ اور عثمان بن ابی العاص کے وظیفے اس بناء پر مقرر کئے کہ خارجہ بہادر اور عثمان نہایت فیاض تھے۔ (کنز العمال جلد ۱۰ ص ۲۰)

## لطیفہ

ایک دفعہ مغیو بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جس قدر شعرا ہیں ان کے وہ اشعار جو انہوں نے زبان اسلام میں کہے ہیں لکھوا کر بھیجو۔ مغیو نے پہلے اغلب عجمی کو بلوایا۔ اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے یہ شعر پڑھا۔

لقد طلبت هنياً موجوداً ارجزاً آتس بدام قصيداً

”تم نے بہت آسان چیز کی فرمائش کی ہے، بولو قصیدہ چاہتے ہو یا رجز؟“

پھر لبید کو بلا کر یہ حکم سنایا وہ سورۃ بقرہ لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجھ کو یہ عنایت کیا ہے۔ مغیو نے یہ پوری کیفیت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجی وہاں سے جواب آیا کہ ”اغلب کے روزینے میں گھٹا کر لبید کے روزینے میں پانسو کا اضافہ کرو“ اغلب نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کی کہ بھلا تو ری حکم کا یہ صلہ ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اس کی تحفہ بھی بھال رہے دی۔ اس زمانے میں جس قدر اہل کمال تھے مثلاً شعراء، خطباء، نساب، پہلوان، بہادر سب ان کے دربار میں آتے اور ان کی قدردانی سے منکھور ہوتے۔ اس زمانہ کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو



ابو بکر صدیق کے زمانے میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا تھا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا جس طرف نکل جاتا، زن و مومن اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے۔ مرثیے پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا تھا اور سب کو رلاتا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے چند اشعار پڑھے اخیر کے شعر یہ تھے۔

و کنا کند مانی جذیمة حقیة

من الدھر حتی قبل لن تصدعا

فلما تفرقنا کانی وما لکنا

لعلول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

”ایک مدت تک ہم دونوں جدید۔ (ایک بادشاہ کا نام ہے) کے بندہ یوں کے مثل رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا اب یہ جدا نہ ہوں گے“ پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے تو گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا۔ اس نے کہا امیر المؤمنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو میں ہرگز اس کا ماتم نہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ”متمم نے بھی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی۔“

اسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ کو شاعر و خُصا تھی اس کا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آج تک خُصاء کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کعب میں روتے اور پیچھے دیکھا۔ پاس جا کر تعزیت کی۔ اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تنخواہیں اس کے نام جاری کر دیں۔

ہملوانی اور ہمدانی میں دو شخص علی بن خالد اور عمرو معدی کرب تمام عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو اپنے دربار میں بار دیا۔ اور قادسیہ کے معرکے میں جب ان کو بھیجا تو سعد بن وقاصؓ کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں۔ عمرو معدی کرب پہلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر

بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمرو معدی کرب نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلغ فقروں میں جواب دیئے اس کو اہل عرب نے عموماً اور مسعودی نے موج الذہب میں بتفصیل لکھا ہے چنانچہ نیز کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اخو کور ہما خانک

”یعنی تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دے جاتا ہے۔“

پھر تیوں کی نسبت پوچھا تو کہا۔

ہو دالمنا ہا تخطی و تصیب

”یعنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی ہٹک جاتے ہیں۔“

و حال کی نسبت کہا۔

علیہ تدور الدوائر

اسی طرح ایک ایک ہتھیار کی نسبت عجب عجب بلغ فقرے استعمال کئے جس کی

تفصیل کا یہ عمل نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قائل و مبیوں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی قابلیوں سے بڑے بڑے کام لئے۔

### متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس و لحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے جب صحابہ و غیوہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عید الرحمن بن عوف و غیوہ کی رائے تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب سے مقدم آنحضرت کے تعلقات کے قرب و بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنو ہاشم سے شروع کیا۔ اور اس میں بھی حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عتیم کے ناموں سے ابتداء کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت میں قریب بنو امیہ تھے۔ پھر بنو عبد الشمس، بنو نوفل، پھر عبد العزیٰ، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ بنو عدی یا بنو خویس درجے میں پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب



کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحابِ بدر تھے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں، رسول اللہ کی انواعِ مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں۔ اور سب سے بڑی مقدار تھی اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبد اللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبد اللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

(یہ تمام تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۳۸۰-۳۸۱ میں ہے)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابو بکر کی ابتدائے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر رنجی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ مہینے تک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر بیعت نہیں کی۔ چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو چکا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا۔ لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ خدا آئیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی پسند نہیں کرتے تھے۔

(بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں کہ مکر اھبہ لمحضہ عمر)

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نماوند کے معرکے میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے۔ اتحادِ یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطن سے تھیں ان کے عقد میں دے دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

### اخلاق، عادات، تواضع و سادگی

ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں مؤثر نصیحتیں نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان

قائم کیا ہے اور درحقیقت ان کی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کا ایک سرخیہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے۔ خالد و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے باز پرس ہے، سعد بن ابی وقاص، ابو موسیٰ اشعری، عمرو بن العاص کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں۔ دو سراغ یہ ہے کہ بدن پر بارہ پوند کا کرتہ ہے۔ سر پر چٹا سا عمامہ ہے۔ پاؤں میں چٹے جوتیاں ہیں پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لئے جا رہے ہیں کہ یوں عورتوں کے گھر پانی نہیں ہے۔ یا مسجد کے گوشے میں فرشِ خاک پر لیٹے ہیں اس لئے کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور غینہ کی جھپکی سی آگئی ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۳۸۷ باب التہجد)

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا، لیکن خیبر یا شامیانہ کبھی ساتھ میں رہا جہاں ٹھہرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایے میں پڑ رہے ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جس کے کم بیش خرچے ہوتے ہیں ایک دفعہ اسفند بن قیس روم سے عرب کے ساتھ ان سے ملنے کو گئے دیکھا تو دامن چڑھائے اور اوجھڑو ڈرتے پھرتے ہیں۔ اسفند کو دیکھ کر کہا ”کو تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے“ ایک شخص نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔ فرمایا ائی عبدی عبدی ”یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔“

مؤطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضاے حاجت کے لئے سواری سے اترے، اسلم ان کا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہو کر آئے تو (بھول کر یا کسی مصلحت سے) اسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے اور اہل شام بھی استقبال کو آ رہے تھے جو آتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں حیرت سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کی نگاہیں عجیبی شان و شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں)۔

ایک خطبہ میں کہا کہ ”مہاجر و انصاریوں نے میں میں اس قدر جلاوار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لایا کرتا تھا۔ اس کے صلے میں وہ مجھ کو چھوہا رہے دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا۔“ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کسے کی کیا بات تھی۔ فرمایا کہ میری



طبیعت میں ذرا غور آیا تھا یہ اس کی دوا تھی۔

۳۳ ہجری میں سفر حج کیا اور یہ زمانہ تھا کہ ان کی سطوت و جہوت کا آفتاب نصف النہار پر آیا تھا۔ سعید بن المسیب جو ایک مشہور تابعی گذرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے ان کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اہل بیت میں پہنچے تو سگرزے سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو نکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اے خدا! میری عمر اب زیادہ ہو گئی ہے۔ اب قوی کمزور ہو گئے۔ اب مجھ کو دنیا سے اٹھا لے۔ (بخاری امام محمد سنن ۲۴۷)

### زندہ ولی

اگرچہ خلافت کے افکار نے ان کو خشک مزاج بنا دیا تھا۔ لیکن یہ ان کی طبعی حالت نہ تھی کبھی کبھی موقع ملتا تو زندہ ولی کے اشغال سے جی بسلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے۔ ”جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔“ محدث ابن الجوزی نے سیرۃ العرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گفت کر رہے تھے ایک طرف سے گانے کی آواز آئی۔ اوھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے رہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیر اپنے ہم سنوں کے ساتھ چہل کرتے تھے اور حنظل کے دانے اچھالتے چلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اس قدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائیں۔ لوگوں نے ریاچ سے حدی گانے کی فرمائش کی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیال سے رکے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو ریاچ نے گانا شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سنتے رہے۔ جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ ”بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں ایک سوار گانا جا رہا تھا۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ اس کو منع نہیں کرتے فرمایا کہ گانا شتر سواروں کا زاد و اول ہے۔ خوات بن جیسر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا۔ ابو عبیدہ اور عبدالرحمن بن عوف بھی ہمراہ تھے۔ لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ منراء کے اشعار گائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بستر یہ ہے کہ اپنے اشعار گائیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔ (ازالہ الغبار صفحہ ۲۴۸)

۱۔ ازالہ الغبار صفحہ ۲۴۸ ۲۔ ازالہ الغبار صفحہ ۲۴۸

### مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قہر مجسم تھے۔ لیکن اسلام کے بعد بھی بدقولی تک اس کا اثر نہیں گیا۔ غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے۔ اس لئے اگر ابوالبختری یا عباس وغیرہ کیس نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابو حذیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے۔ واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کا مزہ چکھاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی یہ گستاخی ناگوار گزری، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا ابو حفص (حضرت عمر کی کنیت تھی) دیکھتے ہو۔ تم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔ اور کہا کہ ”۴ اجازت دیجئے کہ میں اس کا سرازا دوں۔“ حذیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

حاطب بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے۔ اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے انہوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی۔ یہ راز کھل گیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برا فروخت ہو کر آنحضرت کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا ہے مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن الخطاب تجھ کو کیا معلوم ہے۔ خدا نے شاید اہل بدر سے کہہ دیا ہو کہ تم جو چاہو کرو۔ میں سب معاف کروں گا۔ ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخانہ کما ”تعدل اختیار کر“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے سے بیتاب ہو گئے اور چاہا کہ اس کو قتل کر دیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔

ان واقعات سے تم کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی اور کافر تو کافر خود مسلمان کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا۔ لیکن اسلام کی برکت اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انحطاط اور خلافت کی سمات نے ان کو رفتہ رفتہ نرم اور حلیم بنا دیا۔ یہاں تک کہ خلافت کے زمانے میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمتی اور لطیف سے برتاؤ کرتے







خلافت کے چند برس بعد انہوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ہر بھری میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

### زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اول اول زراعت بھی کی تھی۔ لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دے دیتے تھے۔ تخم خود میا کرتے تھے اور کبھی شریک کے ذمے ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب المزراعة میں یہ واقعہ بتقریب موجود ہے۔

### غذا

غذا نہایت سادہ تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیسوں کی ہوتی تھی۔ لیکن آٹا اکثر چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القوط میں جو کالترام کر لیا تھا کبھی کبھی متعدد چیزیں دسترخوان پر ہوتی تھیں۔ گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، سرکہ، مہمان یا سفر آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

### لباس

لباس بھی معمولی ہوتا تھا، اکثر صرف قمیض پہنتے تھے برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی۔ جو عیسائی رویش اوڑھا کرتے تھے مدینہ منورہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی استعمال کرتے تھے جو قی عی و ضعی کی ہوتی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

### سادگی اور بے تکلفی

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے۔

اس لئے انہیں کپڑوں کو دھو کر سوکھنے ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔ لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ رہبانیت کو پسند کرتے تھے اس باب میں ان کی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ اس صورت سے ان سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا۔ اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان ہوا۔ اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ توی کو نہ پرانہ ہو کر رہنا چاہئے۔ نہ کہ پٹیاں جھانکی چاہئیں۔ حاصل یہ کہ نہ بیہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے نہ رہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

### حلیہ

حلیہ یہ تھا کہ رنگ گندم گول، قد نہایت لمبا، یہاں تک کہ سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو ان کا قد سب سے لمبا تھا۔ رخسارے کم گوشت، گھٹنی ڈاڑھی، مونچھیں بڑی بڑی، سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صیغہ میں جو جوئی باتیں ایجاد کیں ان کو مؤثر نہیں نے یکجا لکھا ہے اور ان کو اولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول با کفر سب سے دار۔

① بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔

② عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔

③ تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

④ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

⑤ فوجی دفتر ترتیب دیا۔

⑥ دانشوروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

⑦ دفتر مال قائم کیا۔

⑧ پٹائش جاری کی۔

۱۔ اس میں سے اکثر اولیات کتاب الاموال والی پہلی اور تاریخ طبری میں یکجا ذکر ہیں۔ باقی دس دس موقعوں سے یکجا کی گئی ہیں۔



۹) مہوم شماری کرائی۔

۱۰) شہر میں کھدوائیں۔

۱۱) شہر آیا کر اے یعنی کوفہ، بصرہ، حمہ، قسطنطنیہ، موصل۔

۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔

۱۳) عشور یعنی دہ کی مقرر کی اس کی تفصیل صیغہ محاصل میں گذر چکی ہے۔

۱۴) دریا کہ پیدوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصول مقرر کئے۔

۱۵) حبلی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

۱۶) ذیل خانہ قائم کیا۔

۱۷) دتہ کا استعمال کیا۔

۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

۲۰) جا بجا فوجی چھاڑیاں قائم کیں۔

۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔

۲۲) پرچہ نویس مقرر کئے۔

۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات بنوائے۔

۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے۔

۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جاسکتے۔

۲۷) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔

۲۸) مکاتب قائم کئے۔

۲۹) معلموں اور مددرسوں کے مشاہرے مقرر کئے۔

۳۰) حضرت ابوبکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے

اس کام کو پورا کیا۔

۳۱) قیاس کا اصول قائم کیا۔

۳۲) فرائض میں عمل کا مسئلہ ایجاد کیا۔

۳۳) فجر کی اذان میں الصلوة غیر من النوم کا اضافہ کیا۔ چنانچہ مؤطا امام مالک

میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔

۳۵) تین طلاقیں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔

۳۶) شراب کی حد کے لئے اسی کوڑے مقرر کئے۔

۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

۳۸) بنو ثعلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔

۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔

۴۱) مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا ان کی اجازت سے تحمید داری نے وعظ کیا اور یہ اسلام

میں پہلا وعظ تھا۔

۴۲) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

۴۴) ججو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

۴۵) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔ حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں

سے جاری تھا۔

ان کے سوا اور بہت سی ان کی اولیات ہیں جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز

کرتے ہیں۔



## ازواج و اولاد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کئے۔ پہلا نکاح عثمان بن مظعونؓ کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعونؓ صحابہ میں تھے یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا چودھواں نمبر تھا۔ ہجری میں وفات پائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ان کی لاش کو بوسے دیتے تھے اور بے اختیار روتے تھے۔ عثمانؓ کے دو سرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ زینب مسلمان ہو کر مکہ معظمہ میں مریں، حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ ان ہی کے بطن سے ہیں۔ دو سری بیوی قریشہ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارک سلمہ کی بہن تھیں۔ چونکہ یہ اسلام نہیں لائیں تھیں۔ اور مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد ہجری میں ان کو طلاق دے دی۔

تیسری بیوی سلیمہ بنت جریل الخزاعی تھیں، ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام نہیں لائیں اور اس وجہ سے ہجری میں ان کو بھی طلاق دے دی۔ عبداللہ ان ہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریشہ قریش کے خاندان سے اور سلیمہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں مدینہ میں اگر انصار میں قرابت پیدا کی۔ یعنی ہجری میں عاصم بن ثابت بن ابی الاظہر جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے۔ ان کی بیٹی جلیلہ سے نکاح کیا۔ جلیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جلیلہ نام رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی۔

## حضرت ام کلثوم سے نکاح کرنا

اخیر عمر میں ان کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں۔ جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی۔ جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغریٰ کی سبب سے انکار کیا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور فرمایا اور ہجری میں ۴۰ ہزار مہر نکاح

ہوا۔ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تہنیت کا واقعہ تمام ممتاز نویس نے تفصیل لکھا ہے۔ علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں ابن حبان نے کتاب المصنف میں ابن قتیبہ نے معارف میں ابن اثیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمر کی زوجہ تھیں۔ ایک دوسری ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں میں مؤرخوں نے صاف تفریق کی ہے علامہ طبری و ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گذری ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر تاریخی واقعات کے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ وہ خاص عبارتیں اس موقع پر نقل ہوں۔ ثقات بن حبان ذکر خلاۃ عمر و اوقات عمر ہجری میں ہے۔ ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب یعنی من فاطمۃ فدخل بها فی شہر رضی القعدۃ۔ معارف بن قتیبہ ذکر اولاد عمر میں ہے ففاطمۃ فزید و ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسد الغابہ فی احوال الصحابہ لابن الاثیر میں جہاں حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ ان کی تہنیت کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی جاہلیت و اسلام کی ہر بات کا ذکر کرتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک غلطی ہوئی ہے حضرت ام کلثوم کا ذکر آگیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ عورتوں کو چاروں حصوں میں تقسیم کیں، ایک بکری اس کی نہت ان کو ترہ تھا کہ کس کو دی جائے ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا یا امیر المؤمنین اھا فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النبی عندک یریدہا ام کلثوم۔ (صحیح بخاری باب الجہاد مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۳۰۳) اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھیں خاندان نبوت سے تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بیویاں تھیں۔ یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزومی، فکیرہ بنت عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل، عاتکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چچری بہن تھیں۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابوبکر کے فرزند عبداللہ سے ہوا تھا۔ اور چونکہ نہایت خوبصورت تھیں۔ عبداللہ ان کو بہت چاہتے تھے عبداللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہ نے نہایت درد انگیز مرقیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فلا تبت لا تنفک عینی حزینۃ علیک ولا ینفک جلی علی غیرا

”میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تیرے اوپر غمگین رہے گی اور بدن خاک آلود رہے گا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجری میں ان سے نکاح کیا۔ دعوت ولیمہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفصہ اس



لئے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہیں۔ ان کا نکاح پہلے فہنس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ فہنس جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو وہ سہرہ بھری میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے ان سے یہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۵۵ ہجری میں ۳ برس کی عمر پر انتقال کیا۔

### اولاد ذکور

اولاد ذکور کے یہ نام ہیں۔ عبد اللہ، عبید اللہ، عاصم، ابو شمر، عبد الرحمن، زید، مجید رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں۔

### عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبد اللہ فقہ و حدیث کے بڑے دکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کے مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں، وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے ذیات الایمان میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ جس سے ان کے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت بیباک تھے۔ ایک دفعہ قحاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا۔ عین اسی حالت میں انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے رسول کو قتل کیا ہے۔“ چنانچہ اس کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کا جس نے ان کو مسموم آگ سے زخمی کیا۔ اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ دے دیا تو لوگوں نے حضرت عبد اللہ سے آکر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ آپ گناہ ہو جائیے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ انہوں نے انکار کیا۔ اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

### سالم بن عبد اللہ

حضرت عبد اللہ کے بیٹے سالم فقہائے سبہ یعنی مدینہ منورہ کے ان سات فقہاء میں

سے محسوب ہیں۔ جن پر حدیث و فقہ کا دار تھا۔ اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے نام یہ ہیں۔ خارجہ بن زید، عوف بن الزہیر، سلیمان بن یسار، عبید اللہ بن عبد اللہ، سعید بن المسیب، قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں، اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر زور کہتے ہیں۔ یعنی اول وہ حدیث جس کی روایت کے سلسلے میں امام مالک، نافع، عبد اللہ بن عمر ہوں، دوسری وہ حدیث جس کے سلسلے میں زہری، سالم اور عبد اللہ بن عمرو واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبد اللہ اور ان کے بیٹے سالم اور نافع غلام تھے۔

### عبید اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بیٹے عبید اللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور تھے۔

### عاصم

تیسرے بیٹے عاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے، ہجری میں جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے ان کا مرقعہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

لعلبت المنايا كن خللن عاصماً لعشنا جميعاً اودھبن ہنا معاً

”کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب ساتھ رہتے یا لے جاتی تو سب کو لے جاتی۔“

عاصم نہایت بلند قامت اور جسم تھے اور خوب شعر کہتے تھے چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے۔ لیکن عاصم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز ان ہی کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتوں، پڑپوتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔



## خاتمہ

ليس من الله يستنكرو

ان يجمع العالم في واحد

”خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے۔ دنیا میں اور جس قدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں ان کی مفصل سوانح عموماً پہلے سے موجود ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی ہمپا یہ گذرا ہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضا کل انسانی کی مختلف انواع ہیں۔ اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن ہے بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اور فضا کل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاتح تھا۔ لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے۔ پاکیزہ اخلاق نہ تھے۔ بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے۔ لیکن صاحب تدبیر نہ تھے۔ بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اور مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو تو صاف نظر آئے گا وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی..... مسیح بھی تھے سلیمان بھی تھے اور نو شیرداں بھی امام ابو حنیفہ بھی تھے اور ابراہیم اوہم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشور ستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا میں جس قدر حکمران گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہ میں کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو تختہ فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بکڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے میں ابو الفضل اور نوڈرمل کام کرتے تھے عباسیہ کی عظمت و شان براءکھ کے دم سے ٹھکی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا۔ خالد کی عجیب غریب معرکہ

آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کون سا پرزہ نکل گیا ہے۔ سعد بن وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو ایسا وہم ہو چلا تھا۔ وہ بھی الگ کر دیئے گئے۔ اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پاس نہ تھے وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا۔ اور جہاں چاہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سرے سے نکال دیا۔ اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لئے۔

دنیا میں کوئی حکمران ایسا نہیں گذرا جس کو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل و انصاف کی حد سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نو شیرداں کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے۔ وہاں مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے۔ اور اس لئے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی۔ قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے نا آشنا تھے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گذرا تھا۔ ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع انتظام بحاصل صیغہ عدالت، فوجداری اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغہ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا۔

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھائے ہوئے؟ جس کی معاشرت یہ ہو کہ تین تین میں دس دس بیوند لگے ہوں۔ کاندھے پر ٹھک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر کر آتا ہو۔ فرش خاک پر پڑا رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جمیدہ و تماچہ چڑھتا ہو۔ اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے چل ملتا ہو۔ دیو دربار، قییب و چاوش، حشم و خدم کے نام سے آشنہ نہ ہو۔ اور پھر یہ رعب و راب ہو کہ عرب و عجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رخ



کرتا ہو زمین وصل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے۔ جب ان کا رعب قائم ہوتا تھا۔ عموماً فاروق کے سفر شام میں سواری کے اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش میں آگیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی مشغل میں بسر کرتے تھے مثلاً عبد اللہ بن عباس، زید بن ثابت، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے مساکل اور اجتہادات کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مساکل اور اجتہادات سے موازنہ کرو۔ صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آئے گا۔ زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین اور آئمہ فہم پیدا ہوئے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ، شافعی، بخاری، غزالی، رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس باب میں کچھ ارشاد فرمایا اس پر کچھ اضافہ نہ ہو سکا۔ مسئلہ قضا و قدر، تعظیم شعار اللہ، حیثیت نبوت، احکام شریعت کا عقلی و نقلی ہونا احادیث کا درجہ اعتبار وغیرہ آحاد کی قابلیت احتجاج احکام نفس و غیبت، یہ مساکل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں۔ اور آئمہ فہم نے ان کے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی نتیجہ نہیں اٹھا رکھا ہے۔ لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مساکل کو جس طرح حل کیا تھا۔ تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام آئمہ فہم نے ان کی پیروی کی یا انحراف کیا تو اعلانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے بعد اور کون شخص ان کا ہم پایہ مل سکتا ہے؟ زہد و قناعت، تواضع و انکساری، خاکساری و سادگی، راستی و حق پرستی، صبور و رضا، شکر و توکل یہ اوصاف ان میں جس کمال کے ساتھ پائے تھے کیا القمان، ابراہیم بن ادہم، ابو بکر شبلی، معروف کرخی میں اس سے بڑھ کر پائے جاسکتے ہیں؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس خصوصیت (یعنی جاہلیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

سید الفاروق اعظم را منزل خانه تصور کن کہ در ہائے مختلف وارد و رہورے صاحب کمالے نشستہ در یک در مثلاً سکندر و ذوالقرنین ہاں ہمہ سلیقہ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع دیوش و برہم زدن اعداء و در دیگر نوشیروانے ہاں ہمہ رفق و لین و رعیت پروری و دوا و گستری (اگرچہ ذکر

نوشیروان در بحث فضا کل حضرت فاروق سوء ادب است) و در دیگر امام ابو حنیفہ یا امام مالک ہاں ہمہ قیام بہ علم فہمی و احکام و در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ بہاؤ الدین و در دیگر محدثے ہر ذلک ابو ہریرہ و ابن عمر و در دیگرے حکمے مانند مولانا جلال الدین مدنی یا شیخ قرید الدین عطار و مولانا گرو اگر دین خانیہ استخواندہ و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فہم در خواست می نماید و کامیاب می گردد۔

۵ جولائی ۱۸۹۸ء

شبلی نعمانی  
مقام کشمیر



# کتاب ادعیہ، عملیات و تعویذات، طب و معالجات

اُکینہ عملیات	بزرگ عملیات و تعویذات	مولانا عزیز الرحمن
اصلی جواہر حصہ	عملیات کی مشہور کتاب	شاہد نور محمد علی بک
اصلی بیاض محمدی	بزرگ عملیات و تعویذات	شیخ محمد عثمانی
اعمال فتر آفی	قرآن وظائف و عملیات	مولانا اشرف علی تھانوی
مکتوبات و بیاض یعقوبی	طوائف و بزرگ عملیات و تعویذات	مولانا امجد علی بک
بیماریوں کا گھریلو علاج	بروقت میں آنے والے گھریلو نسخے	
جنات کے پراسرار حالات	ان سے محفوظ رہنے کی تدابیر	غیر حسین چشتی
حصن حصین	عربی دعائیں مع ترجمہ اور شرح اردو	امام غزالی
خواص حبیبنا اللہ و نعم الوکیل	اردو	شیخ ابو الحسن شاہ ولی
ذکر اللہ اور فضائل درود شریف	مولانا مفتی محمد شفیع	
ذاد السعد	فضائل درود شریف	مولانا اشرف علی تھانوی
شمس المعارف الکبریٰ	تعویذات و عملیات کی مستند کتاب	علاء الدین
طب جسمانی و روحانی	ایک مستند کتاب	امام غزالی
طب روحانی مع خواص لقرآن	ستر آئی عملیات	مولانا محمد ابراہیم دہلوی
طب نبوی کلاں اردو		امام ابو نعیم الحافظ
طب نبوی حورہ	آنحضرت کے فرمودہ علاج و نسخے	حافظ اکرام الدین
علاج الغریب	طب یونانی کی مقبول کتاب میں مستند نسخے درج ہیں	
کمالات عزیز	حضرت شاہ جہد امجد علی بک کے بزرگ عملیات	
میرے والد ماجد اور ان کے واجب عملیات		مولانا مفتی محمد شفیع
مناجات مقبول حرم	دعاؤں کا مستند و مقبول مجموعہ	مولانا اشرف علی تھانوی
مناجات مقبول	عربی بہت پر مشابہ سی سائز	مولانا اشرف علی تھانوی
مناجات مقبول	لاٹکس میں مکمل اور ترجمہ	مولانا اشرف علی تھانوی
نقش سلیمان	عملیات و تعویذات کی مشہور کتاب	غلام غفر علی بک
مشکل و کشا	تمام دینی و دنیوی مسائل کے لئے بزرگ نسخے	مولانا امجد علی بک
مصیبت کے بعد راحت مع بار دافع الافلاس		مولانا مفتی محمد شفیع
نافع الخلائق	عملیات و تعویذات کی مشہور کتاب	عالمی مرکز دہلی
مجموعہ وظائف کلاں	مستند عربی نسخہ	

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی نیکوئی اور مستند و مقبول عام نسخہ حیات

## سیرۃ النبی

تالیف

علامہ شبلی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ ○ علامہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ مکمل مستند و مقبول عام سوانح عمری جو سیرت طیبہ کی انسائیکلو پیڈیا ہے اور جو مسلسل خراج تحسین کامل کر رہی ہے، لیکن افسوس ہے کہ ایسی عظیم و شاندار کتاب شایان شان طریقہ پر شائع نہ ہو سکی تھی۔ اب خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اسے اس کے اصل اور معیاری طبعی سائز ۲۰×۲۵ پر جدید اور بہترین کتابت اور گہنی طباعت کرائی ہے اور صحیح کاغذ کا خاص اہتمام کیا ہے۔ اب تک اس کی پہلی چھ جلدیں ہی طبع ہو چکی ہیں، اسکی ساتویں جلد بھی شائع کی ہے اور ساتویں حصے نہایت عمدہ سفید جاپانی کاغذ پر طبع ہوئے ہیں اور جلد ہی نہایت مضبوط اور حسین جواں گئی ہیں جو دیکھنے سے نقش رکھتی ہیں۔ کل صفحات ۲۲۵۲ سات حصے دربار جلد کا مل سیٹ قیمت ——— کامل سیٹ

## دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی ۱



# معارفِ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جلد اور جامع انتخاب  
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

مولانا محمد منظور نعمانی

جو اس زمانے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی دینی علمی ذہنی اور فکری  
سلج اور عصر حاضر کے خاص علمی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا  
ہے جس نے اُردو خوانوں اور علومِ جدیدہ کے حامل حضرات پر علمِ حدیث  
کے حصول کے لیے محنت تمام کر دی ہے۔ ہر حدیث کے عربی متن  
کے ساتھ آسان اُردو زبان میں ایسی دل نشین تشریح کی گئی ہے  
جو اپنی نظیر آپ ہے۔ مکمل کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

قیمت کاہل سیٹ || قیمت کاہل سیٹ انگریزی  
اعلیٰ کاغذ مجلد

دارالاشاعت مدرسیہ مسلمان خانہ کراچی



کتاب تصوف و سلوک

احیاء العلوم مؤلف: علامہ ابن عربین	ایہ علم اربعین صوفیوں کے لئے ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
مذاہب العارفین مؤلف: علامہ ابن عربین	تاریخ و مآثر اربعین صوفیوں کے لئے ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
کیمیائے سعادت مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
مجموعہ رسائل امام غزالی مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
مکاشفات القلوب مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
بیاض یعقوبی مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
تربیت السالک مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
حجۃ اللہ الی اللہ مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
معجایس الایوار مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
معجایس حکیم الامت مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
کلیات اعداد و ہ مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
تکرمات و تربیت کا لکھنا مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
تعلیم الدین مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
فیوض فیضی مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
نفیحات الطالبین مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔
دارالاشاعت مؤلف: علامہ ابن عربین	اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔ اس کی تالیف علامہ ابن عربین نے کی ہے۔